احوال و آثار

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ

احوال و آثار

پروفیسر ڈاکٹر سید اختر جعفری

مقصود پبلشرز
جیلانی سنٹر احاطہ شاہدریاں اردو بازار، لاہور
فون: 092-42-37115805، موبائل: 0333-4320521

Marfat.com

297-692
Z 304 1
141995

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ISBN: 978-969-8769-30-7

نام کتاب .... حضرت میاں محمد بخش احوال و آثار
مصنف .... پروفیسر ڈاکٹر سید اختر جعفری
اشاعت اول 2016ء
کمپوزنگ .... محمد سدھیر سائیں
قیمت .... -/500 روپے

Marfat.com

انتساب

میاں محمد سے محبت بے انتہا
نہایت نیک اور پارسا
صاحب ثروت اور خدا ترس
سلامت رہیں ہزار برس
قدرت انکی مدد گار اور یاور
وہی تو ہیں سیٹھی محمد خاور

میرے محسن، میری صبحوں کے ساتھی

محمد خاور سیٹھی

کے نام

Marfat.com

فہرست

	تعارف	5
	دیباچہ	7
	''ہک ہک سُخن شریف اوہناں دا کردا محرم رازوں'' واصف لطیف	11
1-	حضرت میاں محمد بخشؒ .....احوال و آثار	15
2-	تصانیف حضرت میاں محمد بخشؒ	53
3-	حضرت میاں محمد بخشؒ کا اسلوب بیان اور لسانی جہتیں	105
4-	حضرت میاں محمد بخشؒ اور اخلاقیات	118
5-	حضرت میاں محمد بخشؒ کا تصور مرشد	127
6-	حضرت میاں محمد بخشؒ کا شعری نظریہ	135
7-	حضرت میاں محمد بخشؒ کی غزل گوئی	145
8-	حضرت میاں محمد بخشؒ کی منظر نگاری	155
9-	حضرت میاں محمد بخشؒ اور مسئلہ جبر و قدر	165
10-	حضرت میاں محمد بخشؒ کا جذبۂ وطنیت	173
11-	حضرت میاں محمد بخشؒ کا پسندیدہ عدد	180
12-	انتخاب سیف الملوک	193

Marfat.com

تعارف

رومیٔ کشمیر حضرت میاں محمد بخش ؒ ایک عظیم صوفی، معروف ولی اللہ، درویش منش اور فقیر طبع وہبی شاعر تھے۔ آپ ایک مخلص دوست، کھرے انسان اور دیر و دیار کے سیاح تھے۔ آپ پُر اعتقاد مرید، با اعتماد مرشد، پاکدامن مجرد، بے مثال ادیب، ژرف نگاہ محدث، جیّد عالم اور عجز و انکسار کے پیکر تھے۔ خیر و ایثار مجسم بزرگوں سے ارادت، مرشد سے عقیدت اور دوستوں سے محبت آپ کا وطیرہ تھا۔ طبیعت حد سے زیادہ عجز و انکسار، تکبّر، غرور نہ خُماری۔ ہمیشہ شگفتہ اور مانند گل بہاری۔ مزاج میں سکون و قراری، ہمیشہ عزتِ سادات اور بزُرگواری۔ طبع میں غربت اور مسکینی، نہ کہ تمکنتِ گدی نشینی۔ عادات و اطوار میں نرمی اور حلیمی، رفتار و گفتار میں اس قدر حلیمی کہ مریدوں سے سدا شفقت، اعزہ و اقارب سے مروت، کسی سے دشمنی نہ عداوت۔ ہر ایک سے محبت اور اخوت۔ امیروں اور غریبوں سے ہمیشہ انصاف، عدل اور عدالت شیوۂ ہستی تھا۔

آپ کی کُل اٹھارہ تخلیقات ہیں جو قارئین کے لیے آبِ حیات ہیں۔ ان میں جابجا علم کے موتی بکھرے ہیں۔ مستعمل الفاظ کے چہرے مُہرے نکھرے ہیں۔ زبان و بیان میں شرینی ہے اور اس پہ طرہ یہ کہ انداز بیان کی دلنشینی ہے۔ آپ کی ان تخلیقات میں تصوف و سلوک بھی ہے۔

ان میں سب سے مشہور تخلیق سیف الملوک ہے۔ جس میں پریاں بھی ہیں انسان بھی۔ کہیں آندھی، سیلاب، طوفان اور کہیں پر پھُول کھلتے ہیں۔ کہیں بلبل چہکتے ہیں۔ کہیں مے خانے، سرخ شراب اور ساقی تو کہیں دیو، جن، پریاں اور مخلوق افلاکی۔ کہیں ٹاپو جزیرے ہیں۔ کہیں کشتی، ملاح اور بیڑے ہیں۔ کہیں طرح طرح کے پکوان پکتے ہیں تو کہیں عود و لوبان سُلگتے ہیں۔ کہیں محفل ہے یاروں کی تو کہیں تصویر نظاروں کی۔ کہیں بادل گرجتے ہیں اور کہیں طوفان اُمڈتے ہیں۔ کہیں وحشی درندے ہیں، کہیں دیو ہیکل پرندے ہیں۔ کہیں مچھلیاں، بلائیں اور سنسار ہیں۔ کہیں رنگ برنگے اشجار اور خارزار ہیں۔ کہیں صحرا، جنگل اور

Marfat.com

گلستان ہے، کہیں پریوں کا حسین ملک شارستان ہے۔ کہیں حسین وجمیل جزیرۂ شاہِ زناں ہے جو زناں سیف الملوک پر بھی مہرباں ہیں۔

کہیں مختصر کہانی ہے، کہیں قصہ طولانی ہے۔ کہیں انسانوں کی بستی ہے، کہیں دھرتی انسانوں کو ترستی ہے۔ اژدھے آگ اُگلتے ہیں تو سبزہ و پیڑ جلتے ہیں۔ سنسار، مگرمچھ اور بچھو ہیں، کہیں اژدھے سانپ اور بچھو ہیں۔ کہیں اہل نجوم، جفر و رمل، سب ہی اپنے اپنے فن میں کامل۔ عجب جانوروں کی قسمیں ہیں، کہیں جادوگروں کی رسمیں ہیں۔ کہیں چشموں کی روانی، سمندر کی طغیانی اور موجیں مارتا ہوا پانی ہے۔ کہیں ماہ رُخوں اور حسینوں کی جوانی، کہیں مخلوق خدا اور بے سروسامانی ہے۔ کہیں دشوار راہوں کی رنجانی ہے اور کہیں کوسوں تک پھیلی ہوئی ویرانی ہے۔ کہیں لوگ پانی کو ترستے ہیں، کہیں بے جا بادل برستے ہیں۔ کہیں دہکتی آگ ہے، کہیں رنگ ہے اور راگ ہے۔ بدیع الجمال شاہزادی، باغ ارم کی آبادی۔ سیف الملوک شاہزادہ، جواں ہمت اور پختہ ارادہ۔ دوست صاعد وزیر زادہ، ہمہ وقت مدد کے لیے آمادہ۔ جابجا آفاقی قدریں ہیں، ساتھ ہی ساتھ اخلاقی قدریں ہیں۔ کہیں ملکہ خاتون کا حزن و ملال، کہیں بدرہ خاتون کا حسن و جمال۔ کہیں اسفند باش کا ظلم وستم، کہیں سیف الملوک کا رحم وکرم۔ کہیں مہربان چچا تاج الملوک، کہیں بدرہ کا والد عجائب الملوک۔ جنوں کا بادشاہ شاہ ہاشم، مصر کا شہنشاہ شاہ عاصم۔ ہمدرد و مونس شاہپال، مالک جو خزائن و مال۔ جگہ جگہ پند و نصیحت ہے، ہمت و کاوش و حمیّت ہے۔

عجب دنیا عجب جہاں یارو، ایسا دیکھا کبھی کہاں یارو۔ میاں محمد بخش کی اعلیٰ تخلیق، الفاظ پُرمعنی اور عمیق۔ قصہ بے حد دلنشیں یارو، ہر کردار ہے حسین یارو۔ اشعار میں غضب کی فصاحت ہے، کمال اسلوب ہے بلاغت ہے۔ تخیل کی فسوں کاری، لطف لیتا ہے ہر قاری۔ قصہ ایسی نادر شفا ہے، کسی صوفی کی دعا ہے۔ جس سے دور ہو بیماری، پیدا ہو دل میں دلداری۔ حمیت و کاوش کا سبق ہے یہ، دردمندی کی شفق ہے یہ۔ القصہ کتاب اس قدر ہے پسندیدہ، قلب وجگر ہیں لرزیدہ اور فرش راہ ہے ہر دیدہ۔

مخلص

پروفیسر ڈاکٹر سید اختر جعفری

Marfat.com

دیباچہ

حضرت میاں محمد بخشؒ سے مجھے عقیدت وارادت سے بڑھ کر عشق ہے۔ میں نے اب تک جس قدر آپ کی خدمت کی، آپ سے متعلق تحقیق وتوضیح وتشریح کی اور جو کچھ سپرد قلم کیا ہے، اُس کی اساس عشق پر ہے اور یہ عشق مجھے میرے نانا سید فضل حسین شاہ (مرحوم) سے ورثے میں عطا ہوا جنہیں حضرت میاں محمد بخشؒ کے ہزاروں اشعار ازبر تھے۔ وہ جب کبھی ترنگ میں ہوتے تو قصہ سیف الملوک کے اشعار خوش الحانی سے دوستوں کو سُناتے تھے، خود بھی روتے اور انہیں بھی رُلاتے۔ میں اشعار کا مفہوم نہ جانتے ہوئے بھی دلنشیں سُروں اور ترپ ترپ گرتے ہوئے آنسوؤں سے سفید نورانی داڑھیوں کو بھیگتے ہوئے دیکھ کر بے حد متاثر ہوتا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ حضرت میاں محمد بخشؒ سے عشق میرے رگ وپے میں میٹھا میٹھا لذت آمیز درد بن کر سرایت کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ پی ایچ۔ ڈی کے تحقیقی مقالے کی صورت میں 1980ء میں ظہور پذیر ہوا۔ علامہ اقبالؒ کا ارشاد ہے:

اے حرم قرطبہ عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت وسنگ چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود

میرے ایک دوست غلام عباس (مقیم انگلستان) نے میرا مذکورہ مقالہ پڑھ کر داد و

Marfat.com

تحسین کے ساتھ ایک خوبصورت بات کہی جو مجھے پسند آئی۔ انہوں نے کہا: ''اکثر صوفیا کرام اور اولیا اللہ کا یہ شیوہ ہے کہ وہ عوام میں سے کسی ایک شخص کو منتخب کر کے کوئی خاص کام اُسے سونپ دیتے ہیں۔ لہٰذا آپ نے یہ مقالہ خود نہیں لکھا بلکہ حضرت میاں محمد بخشؒ نے آپ سے لکھوایا ہے۔''

حقیقت بھی یہی ہے کہ اس مقالہ کی تسوید میں کوئی غیبی اور روحانی طاقت قدم قدم پر میری راہنمائی کرتی رہی اور میں قلم برداشتہ لکھتا چلا گیا۔ بقول مرزا غالب:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

میں نے مذکورہ مقالہ کے آغاز میں لکھا کہ بعض تذکرہ نگاروں اور مؤرخوں نے پسوال گوت کے گوجروں کو فاروقی النسل لکھا ہے۔ جیسے ''پنجابی شاعراں دا تذکرہ'' کے مصنف مولا بخش کُشتہ اور شفیع عقیل نے (مصنف: پنجابی کے پانچ قدیم شاعر) حضرت میاں محمد بخشؒ کا شجرۂ نسب حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کے ساتھ ملایا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ پاکستان اور ہند کے بیشتر صوفیا کرام کا تعلق سادات یا حضرت عمر فاروقؓ یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ جوڑنے کی ایک رسم سی بن گئی ہے۔ اسی طرح حضرت میاں محمد بخشؒ کے عقیدت مندوں نے ان کا شجرہ حضرت عمر فاروقؓ سے جوڑنے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاروقی عربی النسل تھے۔ جبکہ گوجر پسوال آریا نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ پسوال گوجروں کے متعلق مولوی عبدالمالک لکھتے ہیں:

''گوجروں میں سے بعض اپنے آپ کو گوجروں میں شامل نہیں کرتے
اور کہتے ہیں کہ ہم حضرت وحیہ کلبیؓ کی اولاد ہیں جو حضورِ رسول ﷺ
کے اصحاب میں سے تھے۔ ان کا مورثِ اعلیٰ عرب سے سندھ آیا اور
پھر کئی پشتوں سے یہ خاندان علاقہ جموں میں رہا اور ملک کے رسم و

Marfat.com

رواج کے مطابق اس کے نام میں تبدیلی ہوگئی۔ اس کے خاندان کے نام میں الف۔ لام نسبت کا ہے۔ جیسا کہ سیال۔ بنگیال۔ لنگیال اور چکوال میں ہے۔ پُسوال میں ہے۔ پوسووال اور پسوال ایک ہی لفظ ہے۔ ہم اس روایت کو اس خیال سے لکھتے ہیں کہ اور اضلاع میں سکھ، ہندو پسوال اپنے آپ کو گوجر کہلاتے ہیں اور حضرت وجیہ کلبیؓ کا نام تک نہیں جانتے اور ضلع گجرات کے گوجروں میں ہی ایسے گڈمڈ ہو گئے ہیں کہ ہم اُن کے دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ 1

چنانچہ میں نے اپنے مقالہ میں کہیں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ حضرت میاں محمد بخشؒ نسلی اعتبار سے عربی تھے اور حضرت وجیہ کلبیؓ سے تعلق رکھتے تھے۔

اللہ کا شکر ہے کہ میں چالیس برس سے حضرت میاں محمد بخشؒ پر تحقیق میں مصروف ہوں۔ ان کے شاہکار ''سیف الملوک'' کے علاوہ اُن کی دیگر 17 تصانیف پر تحقیقاتی اور تجزیاتی کام کیا ہے اور ان کے دقیق مطالعہ کے بعد بیشتر کو تدوین کے ساتھ شائع کر چکا ہوں اور ہنوز کام جاری ہے کیونکہ میں نے اسی نیک مقصد کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔

اسی عشق کا بھرپور اظہار قارئین کو اس کتاب ''حضرت میاں محمد بخشؒ احوال و آثار'' کے ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملے سے جھلکتا دکھائی دے گا۔ اس کتاب میں قارئین کو حضرت میاں محمد بخشؒ کے کلام کے نئے گوشے نظر آئیں گے جن پر قبل ازیں قلم نہیں اُٹھایا گیا۔ حضرت میاں صاحب کی شاعری کے بہت سے ایسے موضوعات بھی ہیں جن پر ابھی تک لکھا نہیں گیا۔ ان شاء اللہ مستقبل قریب میں وہ بھی کتابی صورت میں پیش کیے جائیں گے۔

آپ کے ہاتھ میں یہ کتاب دراصل پنجابی صوفی شعرا کے سلسلے کی تیسری تصنیف

1- مولوی عبدالمالک، شاہان گوجر، اعظم گڑھ 1934ء ص 147

Marfat.com

ہے۔ پہلی کتاب ''پیغام بابا فریدؒ''، دوسری ''سیدْ وارث شاہؒ۔ احوال و آثار'' کے عنوان سے پیش کی جا چکی ہیں۔ جسے ادبی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ میرے پبلشر مقصود احمد شرقپوری کی سچی لگن، محنتِ شاقہ اور صوفیا کرام سے بے پناہ عقیدت و ارادت کا نتیجہ ہے۔ سید اعظم علی شاہ گیلانی (میر پور آزاد کشمیر) بھی خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے کتاب کی پروف ریڈنگ کی۔

آخر میں مَیں عزیزم پروفیسر واصف لطیف کا ذکر کرنا اور شکریہ ادا کرنا بے حد ضروری سمجھتا ہوں۔ برخوردار شعبہ پنجابیؒ، جی سی یونیورسٹی میں پنجابی زبان و ادب کے استاد ہیں اور ماشا اللہ صاحبِ کتاب ہیں۔ اُن کی کتاب ''اگوائی'' کے علاوہ ''انتخاب کلام سید وارث شاہ'' ان کا تعارف ہے۔ موصوف پڑھنے لکھنے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ اسی ذوق کی بنا پر انہوں نے میری کتاب ''حضرتؒ میاں محمد بخش احوال و آثار'' کو بڑی عرق ریزی سے پڑھ کر کمپوزنگ کی غلطیوں کو دُور کیا ہے۔ جس سے کتاب کا روپ سنگھار مزید نکھر آیا ہے۔ ان کی کتاب کے حوالے سے محنت صوفیا کرام سے محبت کی دلیل ہے۔ اللہ کرے کہ وہ پنجابی زبان و ادب کی خدمت کے لیے اسی طریق پر دل جمعی سے ڈٹے رہیں۔ آمین

مخلص

ڈاکٹر سید اختر جعفری

ایم-اے (انگریزی، اُردو، فارسی، پنجابی)

پی ایچ-ڈی

201 جی۔ ماڈل ٹاؤن، لاہور

Marfat.com

''ہک ہک سُخن شریف اوہناں دا کردا محرم رازوں''

پنجابی اگرچہ ایک قدیم زبان ہے مگر پنجابی شعری ادب کی صوفیانہ روایت کا باقاعدہ سلسلہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (1280ء-1188ء) سے شروع ہوتا ہوا حضرت میاں محمد بخشؒ (1907ء-1830ء) پر مکمل ہوتا ہے۔آپ کی وجہ شہرت مثنوی ''سفر العشق'' سیف الملوک ہے مگر اس کے علاوہ دیگر سترہ تصانیف بھی آپ کے فکر وفن کی گواہ ہیں۔میاں محمد بخشؒ ایک عظیم صوفی ،کامل ولی ،درویش منش ،جید عالم اور وہبی شاعر تھے۔ آپ کی ساری شاعری مذکورہ بالا شخصی اوصاف کا منہ بولتا ثبوت ہے۔میاں محمد بخشؒ کی شاعری رسمی شاعری نہیں ہے اور نہ ہی محض صوفیانہ شاعری ہے کہ پند و نصائح پر ہی اکتفا کرتی ہو، بلکہ آپ کی شاعری ایک عام انسان اور سالک کے لیے جہد مسلسل، عزم و ہمت، ثابت قدمی، جستجو، لگن اور محنت کا ایسا درس ہے جو ہر حال میں منزل مقصود پر ہی لے کر جاتا ہے۔آپ کا ہر ہر سخن ،ہر ہر شعر دینی، دنیاوی اور اُخروی راز و رموز پر سے یوں پردہ اٹھاتا ہے:

جھل جھل ہار نہ ہاریں ہمت ہک دن پھری پاسہ
بھکھا منگن چڑھے محمد اوڑک بھردا کاسہ

میاں محمد بخش کی ''سیف الملوک'' کے مرکزی خیال اور پیغام کا خلاصہ مذکورہ بالا شعر ہے۔اس سے بھی بڑھ کر دنیا دار انسانوں ،شریعت کے پیروکاروں اور سالکانِ طریقت کو صرف ایک مصرعے میں کامیابی کے تمام گُر بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

اتے ہکسے مصرعے اندر غرض قصے دی ساری
جو ڈُھونڈے سو پاوے بھائی مفت نہیں پر یاری

یعنی میاں محمد بخش کے مطابق دنیا میں کوئی بھی کام ناممکن نہیں ہے۔ سچی لگن، ہمتِ مرداں اور

Marfat.com

ثابت قدمی شہزادے سیف الملوک (مراد:انسان) کو بدیع الجمال (مراد:منزل مقصود) تک لے جاتے ہیں۔مگر منزلِ مقصود تک کامیابی کے ساتھ پہنچنے اور ''محرم راز'' ہونے کے لیے ''ڈھونڈ'' تلاش لازم ہے۔

میاں محمد بخشؒ کی شخصیت اور شاعری کے رازوں پر سے پردہ اٹھانے کا مشکل اور جان جوکھوں کا کام ڈاکٹر سید اختر جعفری نے ذوق وشوق سے اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔ وہ بچپن سے میاں محمد بخشؒ کی شخصیت اور شاعری کے عشق کا چراغ اپنے سینے میں روشن کیے ہوئے ہیں اور اسی عشق کی بدولت میاں محمد بخش کے رازوں کے محرم راز بن چکے ہیں۔وہ اس بابت اسی کتاب کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

> ''.....میں چالیس برس سے حضرت میاں محمد بخشؒ پر تحقیق میں مصروف ہوں۔ ان کے شاہکار ''سیف الملوک'' کے علاوہ اُن کی دیگر 17 تصانیف پر تحقیقاتی اور تجزیاتی کام کیا ہے اور ہنوز کام جاری ہے کیونکہ میں نے اسی نیک مقصد کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے ''

میاں محمد بخشؒ کی زندگی اور فکر وفن پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹر سید اختر جعفری نے 1980ء کو پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی اور ان کا مقالہ بھی بعد ازاں 2007ء کو مقصود پبلشرز کی جانب سے شائع ہو کر عوامی پذیرائی حاصل کر چکا ہے مگر یہ کتاب ''حضرت میاں محمد بخش: احوال وآثار'' میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ اہم ہے۔اس مختصر سی کتاب میں میاں محمد بخش کی قد آور شخصیت کو نہایت جامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔کتاب میں شامل پہلے دو مضامین ''حضرت میاں محمد بخشؒ احوال وآثار'' اور ''تصانیف حضرت میاں محمد بخش'' کو اگر ڈاکٹر سید اختر جعفری کی چالیس سالہ تحقیق وتجربے کا نچوڑ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔اس کے علاوہ دیگر مضامین بھی اس نوعیت کے ہیں کہ میاں محمد بخش کی شخصیت اور شاعری کو سمجھنے میں مددگار ہیں۔علاوہ ازیں کتاب کے آخر میں تقریباً ساٹھ صفحات پر ''سیف الملوک'' کے چیدہ چیدہ اشعار کا انتخاب واقعی قابل تحسین اور قابل داد ہے۔''سیف الملوک'' کے کم وبیش ساڑھے نو ہزار اشعار میں سے پونے دوسو اشعار کے خوبصورت، بامعنی اور پُرمغز انتخاب میں ڈاکٹر سید اختر جعفری بلاشبہ مبارک باد کے مستحق ٹھہرتے ہیں کہ انہوں نے کس عرق ریزی اور جانفشانی

Marfat.com

سے ''سیف الملوک'' کو پڑھ کر یہ کام ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے کہ پڑھنے والا اسی ایک انتخاب سے میاں محمد بخش کے افکار و نظریات سے واقف ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب میاں محمد بخش کی زندگی اور فکر و فن کا بھر پور خلاصہ پیش کرتی ہے۔ ڈاکٹر سید اختر جعفری مبارک باد کے ساتھ ساتھ درازی عمر اور اچھی صحت کی دعا کے بھی حقدار ہیں تا کہ اُن کی طرف سے میاں محمد بخشؒ کے حوالے سے مزید تحقیقی و تنقیدی کام مدون ہو کر منصۂ شہود پر آ سکے اور میاں محمد بخش کا شعری و روحانی فیض تشنگانِ علم کی پیاس بجھا سکے۔

دعا گو

واصف لطیف

استاد شعبہ پنجابی

جی، سی یونیورسٹی، لاہور

Marfat.com

اوّل حمد ثناء الٰہی جو مالک ہر ہر دا

اُس دا نام چتارن والا ہر میدان نہ ہردا

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ

(احوال و آثار)

ربّ ذوالجلال کا یہ خاص کرم اور رحمت ہے کہ ہر دور میں برصغیر پاک و ہند کی دھرتی پر کہیں نہ کہیں تصوّف کے کسی نہ کسی طریقت کے سلسلے کے آسمان پر کوئی نہ کوئی ایسا ماہِ منور طلوع ہوتا رہا ہے جس کے نور کی کرنوں سے ہزاروں اور لاکھوں دلوں کے ظلمت کدے روشن ہوئے۔ جس کی ہدایت سے مصیبت کے اَن گنت در بند ہوئے، گناہوں، بُرائیوں اور فضول رسومات کی بیخ کنی ہوئی، لوگ سادگی اور صراطِ مستقیم کے سالک بنے اور دُنیا و عقبیٰ سنورانے میں کامیاب ہوئے۔

چنانچہ برصغیر پاکستان و ہند میں اُن صوفیا کرام، اولیاء اللہ، مُبلغین، صالحین اور محدثین و صدیقین کی پُر خلوص خدمات قابل ستائش ہیں، جنہوں نے دھرتی کے ساتھ اپنا ناطہ اُستوار رکھا اور دھرتی پر بیٹھ کر، گودڑی پہن کر، دھوپ اور بھوک کی شدت برداشت کر کے، پیدل سفر کی صعوبتوں کو جھیل کر فقیری اور درویشی کی حالت میں ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ بڑے بڑے طاقتور بادشاہ، وسیع و عریض سلطنتوں کے مالک، ناقابلِ بیان جاہ و حشمت، جلال و جمال، بے پناہ دولت اور حکومت کے باوجود انجام نہ دے سکے۔

ان ہی فقیروں، درویشوں، گدی نشینوں، گودڑی پوشوں، ولیوں اور صوفیوں میں سے میر پور آزاد کشمیر کے ایک گودڑی پوش، مجذوب اور سیلانی درویش حضرت پیرا شاہ غازی قلندر المعروف دمڑی والی سرکارؒ تھے، جو چلتے پھرتے ہر وقت قرآن مجید فرقان حمید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ صرف حاجاتِ ضروریہ کے وقت اپنی زبان کو انگلیوں میں تھامے رکھتے تھے ہمیشہ اپنے حال میں مست اور الست رہتے تھے۔ جو بات زبان سے کہہ دیتے تھے پُوری ہو جاتی تھی۔

بے شمار لوگ آپ کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے فلاح پائی اور بہت سے لوگوں نے روحانی جلا حاصل کی۔ کچھ ڈوبتے ہوئے کنارے

Marfat.com

لگے۔ کچھ آپ کے پندونصائح کے سہارے چلے الغرض ایک زمانے نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ اخلاقی، مذہبی اور روحانی درس لیا۔

آپ کے خاص مرید، سفر وحضر کے ساتھی اور خدمت گار حضرت میاں دین محمد تھے جو آپ سے بے انتہا عقیدت، ارادت اور محبت رکھتے تھے اور روز وشب خدمت میں کمربستہ رہتے تھے۔ حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ سیلانی طبع کے مالک تھے۔ آپ نے گجرات، موضع ملوٹ، چک ٹھاکرہ، بوڑہ جنگل میں مختلف اوقات میں قیام فرمایا۔ آخری عمر میں کھڑی شریف میں ایک ٹاہلی (شیشم) کی گھنی چھاؤں میں ڈیرہ جما لیا۔ آپ کے خاص مرید میاں دین محمدؒ مقام اور قیام میں بھی آپ کے ساتھی خدمت گار اور غلام بے دام رہے۔ جب حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ نے 14 شعبان 1155ھ بمطابق 1742ء کو وصال فرمایا تو میاں دین محمدؒ اُن کی تیمارداری میں مصروف تھے۔

حضرت میاں دین محمدؒ نے کھڑی شریف میں اُن کے مدفن پر خوبصورت مزار تعمیر کرایا اور خود سجادہ نشینی اختیار کرلی۔ آپ بے حد سادہ مزاج، سادہ خوراک، فقیرانہ اور درویشانہ طبیعت کے مالک تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ اُن کے متعلق تذکرہ مقیمی میں یوں رقمطراز ہیں۔ ''آپ کا عہد بڑا بابرکت تھا۔ صدہا کرامات، خوارق و عادات کا آپ سے ظہور ہوا۔ ہزاروں طالبانِ خدا کو صراطِ مستقیم دکھایا۔ آپ کے فیض سے مُردہ دلوں کو حیاتِ ابدی ملی۔ آپ کی توجہ باطنی سے مریدوں نے اعلیٰ مدارج روحانی طے کیے۔ اطراف سے صدہا زائرین قدم بوسی کے واسطے حاضر ہوا کرتے تھے۔ آنحضرت کی دعا سے لوگوں کی مشکلیں خدا آسان کرتا تھا۔ آپ کا کمال روحانی ہم عصروں سے فائق تھا۔'' (1)

حضرت بابا دین محمد صاحبؒ نے 1188ھ / 1774ء کو انتقال فرمایا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے حضرت میاں شہباز قدس سرہٗ سجادہ نشین دربار عالیہ قرار پائے۔

چند محققین کا خیال ہے کہ حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ کے لے پالک بیٹے حضرت بابا دین محمدؒ تھے جبکہ میاں شہباز (ملقب بہ میاں ڈھیرو) اُن کے حقیقی بیٹے تھے جو حضرت میاں دین محمدؒ کے بعد گدی نشین ہوئے مگر چند سالوں میں ہی راہیٔ ملکِ بقا ہوگئے۔ چنانچہ میاں شہباز کے وصال کے بعد اُن کے فرزند میاں جیون ولی حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ کے مزار کے تیسرے گدی نشین مقرر ہوئے۔ آپ کو بچپن سے ہی عبادت وریاضت کا شوق تھا۔

Marfat.com

اس لیے ہر وقت یاد الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ فارغ اوقات میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ دل کے بے حد سخی اور لوگوں کے ہمدرد تھے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی غریب کسان نے آپ سے تھوڑی دیر کے لیے ہل بطور ادھار مانگا آپ نے اُسے ہل کے ساتھ بیلوں کی جوڑی بھی بخش دی۔ آپ کی دو بیویاں اور چار بیٹے تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ ان کے بارے میں ''تذکرہ مقیمی'' میں لکھتے ہیں:

''آپ کے چار فرزند تھے۔ ایک حرم سے تین اور دوسرے حرم سے صرف ایک صاحبزادہ تھا۔ آخری صاحبزادے نے اڑھائی سال کی عمر میں رحلت فرمائی صاحبزادگان کے نام حسب ذیل ہیں:

1۔ میاں قادر بخشؒ 2۔ میاں کرم بخشؒ 3۔ میاں الٰہی بخشؒ

4۔ میاں شمس الدینؒ۔'' (2)

ان میں سے میاں کرم بخشؒ مست اور مجذوب تھے۔ ان کی زبان سے جو نکلتا تھا پورا ہو جاتا تھا۔ اُن کی دعا سے راجہ اکبر علی خان نے سکھوں کی فوج پر فتح حاصل کی۔ میاں جیون ولیؒ کو اپنے بیٹے میاں شمس الدینؒ سے بہت پیار تھا اور زندگی میں ہی ان کو اپنا خلیفہ چُن لیا تھا لہٰذا ان کے انتقال کے بعد حضرت میاں شمس الدینؒ خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت میاں شمس الدینؒ محنتی، ذہین اور کراماتی شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اُن کی کرامات کا ذکر ''تذکرہ مقیمی'' میں کیا ہے۔

''آپ بڑے رحمدل اور نرم مزاج تھے۔ انسانوں کے علاوہ جانوروں کو بھی تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اُٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے میاں بہاول بخش صاحبؒ کے ہاتھ سے موقعہ شکار میں ایک گیدڑ زخم کھا کر پکڑا گیا۔ آپ نے اطلاع پا کر گیدڑ کو رو برو منگا کر دیکھا اور اسکی تیمارداری کرنی شروع کی۔ جراحت پر مرہم لگائی اور مقوّی معجون جو گاہ بگاہ خود استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اس کو بھی کھلانا شروع کیا۔ غرض ہر طرح سے اُس کا علاج کرایا۔'' (3)

حضرت میاں شمس الدینؒ، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ریاضت کے علاوہ لوگوں کو وعظ و نصیحت بھی فرماتے تھے اور فرصت کے اوقات میں کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔

آپ کی اولاد میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹی کی شادی اپنے ایک مرید

Marfat.com

میاں کاکو سے کر دی۔ بیٹوں میں بڑے حضرت میاں بہاول بخشؒ، منجھلے حضرت میاں محمد بخشؒ اور سب سے چھوٹے حضرت میاں علی بخشؒ تھے۔

حضرت میاں شمس الدینؒ کی زندگی میں سب سے چھوٹے بیٹے حضرت میاں علی بخشؒ جوانی میں ہی انتقال فرما گئے۔ حضرت میاں شمس الدینؒ نے 1264ھ بمطابق 1848ء کو اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ اس وقت حضرت میاں محمد بخشؒ مدرسہ سموال شریف میں زیر تعلیم تھے۔ چنانچہ اُن کے بڑے بھائی حضرت میاں بہاول بخشؒ سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے والد ماجد کی وفات کی تاریخ یوں لکھی:

آن خور دنیاودیں، رفت چوں زیرزمیں، درغم آں شاہ دیں، آہ زنم ہر سحر
سال وفاتش شمار بعدز ہجرت ہزار، دوصد شد شش وچہار کرد چوں زیں جا سفر

حضرت میاں بہاول بخشؒ بڑے عابد و زاہد تھے۔ عبادت اور ریاضت کے ساتھ ساتھ کاشت کاری پیشہ تھا۔ صاحب ذوق وشوق تھے۔ خوش گلو اور خوش الحان بھی تھے۔ مولانا روم کی مثنوی خوش الحانی سے پڑھتے اور مریدوں کے سامنے اُس کے معانی و مطالب بیان فرماتے تھے۔ جب اس کے مطالب بیان فرماتے تھے تو سامعین کو حیرت ہوتی تھی۔ آپ کی محبت سامعین کو گرما دیتی تھی۔ قائم اللیل، صائم الدھر، حلیم الطبع اور بلند حوصلہ تھے۔ علم تصوّف میں کامل دستگاہ تھی۔ خوبصورت اور خوش وضع جوان تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

میرا ہے اوہ وڈا بھائی عمروں عقلوں وسیوں
دانشمند اکابر دانا بحر نظم دے کسیوں
شعراں دا ہے شوق انہاں نوں پڑھ پڑھ قیمت پاندے
ہر عاشق دے قصے تائیں خوب طرح دل لاندے (4)

حضرت میاں بہاول بخشؒ نے 1298ھ میں اس جہان فانی سے کوچ فرمایا۔

ان کے تین بیٹے میاں غلام نبی، میاں حیات علی، اور میاں عطا محمد تھے۔ ان میں سے میاں غلام نبی بے اولاد تھے۔ میاں حیات علی کے فرزند قاضی محمد عارف تھے جن کی اولاد میں سے میاں زمان صاحب تھے۔ میاں عطا محمد کے بیٹے میاں بختاور علی تھے جن کے فرزند میاں سکندر صاحب تھے جو صاحب تصنیف تھے۔ آپ کی دو کتابیں ''عارف کھڑی'' اور ''مرد قلندر''

Marfat.com

زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

ولادت حضرت میاں محمد بخشؒ:

حق شناس ہستیوں میں حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ ایک ایسی حساس دل شخصیت کے مالک تھے جن کی آنکھیں اگر محوِ خواب بھی ہوں تو اُن کا دل بیدار رہتا ہے۔ اُن کی ہستی حرص و آز، ہوا و ہوس، ذاتی منفعت، خودغرضی، لوبھ و کرودھ، بُغض، کینہ پروری کی کڑکتی دھوپ میں جھلستی ہوئی انسانیت کے لیے سائبان کی مانند تھی۔

حضرت میاں محمد بخشؒ نے وقت کے نشیب و فراز کی دشواریوں، مصائب کے فلک بوس پہاڑوں اور تکالیف کے تپتے ریگ زاروں میں ننگے پاؤں چل کر اپنے جذبات و احساسات کی بھٹی میں جل کر دوسروں کو ذہنی سکون، قلبی مسرت اور آسائشیں مُہیا کیں۔ وہ لسانی، نسلی، مذہبی اور جغرافیائی تنگ دامنی کا شکار نہ تھے۔ بلکہ ایک ایسے درخشاں آفتاب کی مانند تھے جس کی روشنی اور تمازت سب انسانوں کے لیے یکساں ہوتی ہے اور زندگی کے گُھپ اندھیروں میں اُجالا اور بالیدگی پیدا کرتی ہے۔

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ فقط شاعر ہی نہیں تھے۔ بلکہ ایک کامل ولی، ایک صوفی اور دردمند دل رکھنے والی ایسی شخصیت کے مالک تھے جس کا باطن اُس کے ظاہر سے زیادہ اُجلا، نکھرا اور نتھرا ہوتا ہے۔

آپ نے 1246ھ بمطابق 1830ء کو حضرت میاں شمس الدینؒ کے گھر موضع چک ٹھاکرا علاقہ کھڑی شریف ضلع میر پور (آزاد کشمیر) میں ولادت پائی۔

''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند'' میں آپ کی ولادت کا سال 1828ء درج ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت میاں محمد بخشؒ نے خود سیف الملوک میں اپنی ولادت کی تاریخ سے متعلق یوں لکھا ہے:

سن مقدس ہجری دساں باراں سے ست دا ہے
ست اُتے دو ہور محمد اُپر اُس تھیں آ ہے
ماہ رمضان مبارک اندر وقت بہار گلابی
سفرالعشق کتاب بنائی ہویوس فضل جنابی

Marfat.com

عمر مصنف دی تد آہی تن داہے تن یکے
بھین وڈی فرماندی ایہو پتے رب نوں پکے

ان اشعار کی رُو سے میاں صاحب کی شاہکار مثنوی سفر العشق المعروف بہ ''سیف الملوک'' کا سن تصنیف رمضان المبارک 1279ھ بنتا ہے اور اس وقت حضرت میاں محمد بخشؒ کی عمر مبارک 33 برس تھی۔ اب اگر 1279 میں سے 33 منہا کر دیئے جائیں تو باقی 1246 رہ جاتے ہیں۔ یہی آپ کی ولادت کا سن ہے جو عیسوی سن کے مطابق 1830ء بنتا ہے۔

مولا بخش کشتہ نے پنجابی ''شاعراں دا تذکرہ'' (ص198) اور عبد الغفور قریشی نے ''پنجابی ادب دی کہانی'' (ص372) میں حضرت میاں محمد بخشؒ کی ولادت کا سن 1246 ہجری بمطابق 1830 عیسوی ہی لکھا ہے۔

صاحبزادہ عبدالحکیم کی پیشین گوئی:

ایک مرتبہ صاحبزادہ حضرت عبدالحکیم صاحبؒ جو حضرت حاجی بگا شیرؒ کے مرید تھے۔ حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ کے مزار پر حاضری کے لیے کھڑی شریف تشریف لائے۔ اُس وقت حضرت میاں محمد بخشؒ کی عمر صرف چھ برس تھی۔ اُن کو دیکھ کر صاحبزادہ عبدالحکیم نے حضرت میاں شمس الدینؒ سے کہا:

> ''اس دُرِّ شہوار کا خاص خیال رکھنا یہ حقیقت و معرفت میں نہایت بلند مقام حاصل کرے گا اور شعر و سخن کے جہان میں آفتاب بن کر چمکے گا۔''(5)

ایک صوفی درویش کے دہنِ مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ حرف بحرف سچ ثابت ہوئے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے نہ صرف تصوّف کی دنیا میں بلند مرتبہ حاصل کیا بلکہ اپنے اعلیٰ اور عمدہ اشعار کے باعث پنجابی شاعری کے آسمان پر سدا بہار سورج بن کر چمکے۔

کھڑی شریف یا چک ٹھاکرا:

جغرافیائی اعتبار سے دیکھا جائے تو پوٹھوہار ایک وسیع مرتفائی علاقہ ہے۔ اس حصے کی مشرقی حد پر دریائے جہلم اور مغربی حد پر دریائے سندھ ہے۔ کوہستان نمک کے ساتھ اسکی

Marfat.com

جنوبی حد لگتی ہے۔ مری اور ہزارہ کی پہاڑیاں مرتفع کی شمالی حد بناتی ہیں۔ چنانچہ اگر اس خطہ کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ سطح مرتفع کی ارضی تاریخ اور طبعی نقوش میں رنگا رنگی اور انوکھا پن موجود ہے۔ دوسری یہ کہ آب وہوا اور سطح کے اعتبار سے یہ ایک عبوری خطہ ہے۔ چنانچہ اس کی آب وہوا اور سطح مرتفع نے یہاں کی سماجی تاریخ اور معاشرت پر گہرا اثر مرتب کیا ہے۔ تاریخی اعتبار سے مؤرخین اس علاقے کے ڈانڈے برفانی دور سے ملاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ دوسرا برفانی دور بہت طویل تھا لیکن برف پگھلنے کے بعد اس علاقے میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور انسان نے یہاں رہائش اختیار کر لی۔

لسانی اعتبار سے یہ پوٹھوہاری لہجے کا علاقہ ہے کیونکہ میر پور اور اس کے گردونواح کے علاقوں میں کشمیری زبان یا ڈوگری نہیں بولی جاتی بلکہ پوٹھوہاری بولی جاتی ہے جو حقیقت میں پنجابی زبان کا ایک علاقائی لہجہ ہے۔ کسی زمانے میں کھڑی یا میر پور کا علاقہ ضلع جہلم میں شامل تھا لیکن انگریزی حکومت کے دور میں کچھ انتظامی امور کی بنا پر یہ علاقہ کشمیر کو دے دیا گیا اور اس کے عوض ہزارہ کا کچھ علاقہ پنجاب میں شامل کر لیا گیا۔

میر پور کا علاقہ بلاشبہ ریاست جموں وکشمیر کا حصہ بن گیا لیکن یہاں کے باشندوں کی بودوباش، معاشرت اور بولی ''پوٹھوہاری'' ہی رہی۔ انگریزی عہد میں میر پور ضلع بھمبر کا ایک قصبہ تھا۔ بعد میں میر پور کے لوگ انگلستان جانے آنے لگے تو ان لوگوں کے مطالبے پر میر پور کو ضلع کا درجہ دے دیا گیا۔ آج کل آزاد کشمیر کا دوسرا بڑا شہر میر پور ہے۔

میر پور پہاڑی علاقہ ہے۔ اگر میر پور شہر سے جنوب کی جانب پہاڑ سے نیچے اُتریں تو دُور تک ایک خوبصورت اور سرسبز وادی دکھائی دیتی ہے۔ پوٹھوہاری بولی میں اس وادی کو ''کھڑی'' بولتے ہیں۔ اس وادی کی لمبائی 15 میل اور چوڑائی دو میل ہے۔ زمین بے حد زرخیز ہے۔ دریائے جہلم اور نہر اپر جہلم کی وجہ سے پانی بھی وافر دستیاب ہے لہٰذا فصل عمدہ ہوتی ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے سیف الملوک میں اس علاقے کو ملک کھڑی کے نام سے یاد کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

جہلم گھاٹوں پربت پاسے میر پورے تھیں دکھن
کھڑی ملک وچ لوڑن جہڑے طلب بندے دی رکھن

اس شعر کو پڑھ کر بہت سے تذکرہ نگاروں نے حضرت میاں محمد بخشؒ کا مقام

Marfat.com

ولادت کھڑی شریف لکھا ہے مثلاً مولا بخش کشتہ (پنجابی شاعراں دا تذکرہ) ص198، عبدالغفور قریشی (پنجابی ادب دی کہانی) ص372، شفیع عقیل (پنجابی کے پانچ قدیم شاعر) ص199، زیبا قریشی (مقالہ: میاں محمد بخش دی حیاتی تے پیغام) ص 52، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر (مہکدے پھل) ص135 اور (تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد 13) ص873 میں حضرت میاں محمد بخشؒ کا مقام ولادت کھڑی شریف لکھا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ولادت علاقہ کھڑی کے ایک گاؤں چک ٹھاکرا میں ہوئی تھی۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنی تصنیف ''تذکرہ مقیمی'' میں خود لکھا ہے:

''موضع چک ٹھاکرا اور دربار کھڑی شریف کے قریب پہاڑ کے دامن میں ایک آبادی ہے'' (6)

دراصل موضع چک ٹھاکرا سوہلن ہندو راجوں کا گاؤں تھا۔ حضرت پیرا شاہ غازی نے گجرات سے ہجرت کر کے پہلے بوڑہ جنگل نزد دینہ (جہلم) پھر اسی چک ٹھاکرا میں ڈیرہ لگایا تھا۔ حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ اپنے قصہ شیریں فرہاد میں اس گاؤں سے متعلق لکھتے ہیں:

کنڈھے کول پہاڑ دے پہن دریا کنار
کھڑی رنگیلا ملک ہے دوہاں دے وچکار
کھڑی اندر چک ٹھاکرا پنڈ وڈا سردار
جس وچ وسے محمدا پیرا شاہ سچیار (7)

یہی گاؤں چک ٹھاکرا ہے۔ جہاں حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کی ولادت باسعادت 1830ء میں ہوئی۔

بچپن اور جوانی:

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کے والد حضرت میاں شمس الدین صاحبؒ اچھے خاصے زمیندار تھے۔ علاوہ ازیں حضرت پیرا شاہ غازیؒ کے مزار کے سجادہ نشین تھے۔ مزار سے بھی کافی آمدن ہو جاتی تھی۔ اس لیے اُس علاقے میں آپ کا کھاتا پیتا اور خوشحال گھرانہ تھا۔

حضرت میاں شمس الدینؒ مسجد میں امامت بھی کراتے تھے اور وعظ ونصیحت بھی فرماتے تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ کو اُن کی صحبت میسر تھی۔ اس لیے آپ بچپن سے ہی روزہ

141990

Marfat.com

نماز کے پابند تھے۔طبیعت میں بے حد سادگی صفائی اور سچائی تھی۔اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے بزرگوں کی محفل میں بیٹھ کر اکتساب فیض کیا کرتے تھے اس لیے طبیعت درویشی، فقیری اور تصوف کی طرف مائل تھی۔

جب جوان ہوئے تو پہلوانی اور کشتی کا شوق پیدا ہوا۔اس لیے ورزش بھی کرتے تھے اور کالا پہلوان کے ساتھ کشتی بھی لڑتے تھے۔نیز گھوڑ سواری کو بہت پسند فرماتے تھے۔ ہمیشہ نیزہ اور گھوڑا پاس رکھتے تھے۔طاقت کا یہ عالم تھا کہ پاؤں کے دونوں انگوٹھے آپس میں باندھ کر کنویں پر سے کود جاتے تھے۔خود فرماتے ہیں:

بدھیں پیریں ماردے ہک کھوہے توں چھال
ہکناں پاس پرتناں ہویا بڑا محال(8)

جوانی کے زمانے میں آپ کے بازوؤں میں اس قدر قوت تھی کہ بڑے سے بڑے جوان کا جب بازو (ویٹی) پکڑ لیتے تو اس کے لیے چھڑانا مشکل ہو جاتا تھا۔

اس کے علاوہ آپ کو ''تلیاں'' کھیلنے کا بھی بہت شوق تھا۔اس کھیل میں دو جوان ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھوں کی تلیوں (ہتھیلیوں) سے باری باری پورے زور کے ساتھ ایک دوسرے کی چھاتی پر مارتے تھے۔جو گر جاتا تھا وہ ہار جاتا۔حضرت میاں صاحبؒ ہمیشہ اپنے مخالف کو تلی مار کر زمین پر گرا دیتے تھے۔علاوہ ازیں والد کے ساتھ کھیتوں میں ہل چلاتے اور فصل بھی کاٹتے تھے۔فرماتے ہیں:

سوہنا محکم بدن اس جیون سیمیں سنداں
ہان ڈرن محمدؒ حملہ دیکھ میداں
ہن سب کھیڈاں بھلیاں ہویا ہور خیال
دعوے نال محمدؒ کیتا اوس سوال

حُلیہ مبارک:

حضرت میاں صاحبؒ کا سرو کی مانند لمبا قد اور کسرتی جسم تھا۔جوانی میں متناسب اعضا، طاقتور بدن اور پُر نور چہرہ تھا۔مردانہ وجاہت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔میاں محمد سکندر بیان کرتے ہیں:

''حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ بلند قامت اور طاقتور جسم کے مالک

Marfat.com

تھے۔ اعضا نہایت متناسب و موزوں اور رنگ گندمی مائل، سفید چہرہ انور با وجاہت، پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی بڑی اور داڑھی مبارک گھنی تھی۔ صورت مبارک انوار ولایت سے درخشاں، خوبصورتی اور ملاحت کے ساتھ رعب وہیبت نمایاں تھے۔ طبیعت مبارک میں بُردباری کا عنصر غالب تھا'' (9)

آپ کا لباس ہمیشہ موٹے کھدر کا ہوتا تھا۔ جسم پر لمبا کُرتہ اور کمر کے ساتھ موٹی چادر باندھتے تھے۔ مرشد کی ہدایت کے مطابق کبھی کالے رنگ اور کبھی موتیے رنگ کا کُرتہ اور چادر ہوتی تھی۔ سر پر سفید پگڑی باندھتے تھے۔ گلے میں سفید چادر لٹکائے رکھتے تھے سردیوں میں اُس چادر کو جسم کے اردگرد لپیٹ لیتے تھے۔ لباس ہمیشہ صاف ستھرا اور پاکیزہ ہوتا تھا۔ آپ کی ٹھوڑی کے نیچے چھوٹا سا گلہڑ تھا جو آپ کی داڑھی کے پیچھے چُھپا رہتا تھا اور ظاہر نہ ہوتا تھا۔

تعلیم:

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کا گھریلو ماحول علمی تھا۔ آپ کے والد حضرت میاں شمس الدینؒ عالم فاضل تھے۔ دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ ور تھے۔ چنانچہ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے حصول کے لیے سموال شریف کا رُخ کیا:

عمر اوائل پڑھدے آپ وچ سموال شریفے
پڑھیاں علم ہوئے سن عالم اندر حال شریفے

چک ٹھاکرا سے 4 کلومیٹر کے فاصلے پر سموال شریف چھوٹا سا گاؤں آباد ہے۔ کسی زمانے میں یہ بارونق قصبہ تھا اور راجا سرخرو خان قوم چب راجپوت یہاں کا رہنے والا تھا۔ اُس زمانے میں حافظ محمد مقیم نے وہاں ایک درسگاہ قائم کی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اُن کی وفات کے بعد ان کے دو صاحبزادے حافظ سلطان محمود اور حافظ غلام محمود نے اس سلسلے کو جاری رکھا۔ حافظ غلام محمود کے دو بیٹے حافظ ناصر الدین اور حافظ محمد علی تھے۔ حافظ ناصر الدین مجذوب تھے اس لیے درسگاہ کا سارا انتظام حافظ محمد علی کے سُپرد تھا۔ ان کے علم و فضل کا شُہرہ دور دور تک تھا۔ حضرت میاں شمس الدین صاحبؒ نے اپنے

Marfat.com

دونوں بڑے بیٹوں حضرت میاں بہاول بخش صاحبؒ اور حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کو حافظ محمد علیؒ کی شاگردی میں بٹھا دیا۔

حافظ محمد علی عربی، فارسی کے جید عالم اور فقہ، حدیث، منطق اور علم تفسیر کے فاضل تھے۔ اُن کے بیٹے حافظ غلام حسین اور حافظ نور حسین بھی درس و تدریس میں اُن کے معاون تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اُن سے بھی اکتساب فیض کیا۔ فرماتے ہیں:

نور محمد علی جی حافظ ناصرالدین
بخشیں سنے اولاد بھی درست نال یقین
خاص غلام حسین بھی نور حسین امین
ایمان عزت آخرت نالے اوپر زمین(10)

حضرت میاں بہاول بخشؒ اور حضرت میاں محمد بخشؒ دونوں خوش آواز تھے۔ دونوں جب قصہ یوسف زلیخا ترنم سے پڑھتے تھے تو حافظ ناصر الدین وجد میں جھومتے تھے اور دعائیں دیتے تھے۔ حافظ غلام حسین دینی علوم کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اس فن میں اُن سے مہارت حاصل کی۔ قدرت کی طرف سے طبیعت موزوں پائی تھی۔ اس لیے تھوڑی سی مشق و ممارست سے عمدہ شعر کہنے لگے۔

حضرت میاں بہاول بخشؒ کی سجادہ نشینی:

حضرت میاں شمس الدینؒ نے 1264ھ بمطابق 1848ء کو انتقال فرمایا تو حضرت میاں بہاول بخشؒ کو سجادہ نشینی عطا ہوئی۔ کیونکہ وہ حضرت میاں محمد بخشؒ سے عمر میں ایک سال بڑے تھے۔ اس لیے میاں محمد بخشؒ ان کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے۔ بلکہ اُن کے ایماء پر آپ نے قصہ سیف الملوک رقم کیا۔ اپنے بھائی کے بارے میں حضرت میاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

میرا ہے اوہ وڈا بھائی عمروں عقلوں وسیوں
دانشمند اکابر دانا بحر نظم دے کسیوں
شعراں دا ہے شوق انہاں نوں پڑھ پڑھ قیمت پاندے
ہر عاشق دے قصے تائیں خوب طرح دل لاندے

Marfat.com

سیف ملوکے دی گل اوہناں کے کتابوں ڈٹھی
سوہنے لفظ عبارت پُختی شہد شکر تھیں مٹھی
ایہہ مضمون چٹھی دا آہا قصہ جوڑ شتابی
چُن چُن سخن پرودیں تسبیح موتی سل خوشابی

جس وقت میاں بہاول بخش صاحب نے 1298ھ میں انتقال فرمایا تب حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ ایک پہاڑی مقام پنجن یا پنجنی پر تشریف رکھتے تھے۔ بڑے بھائی کی وفات کا سُن کر بہت روئے اور اُسی وقت چک ٹھاکرا کی جانب روانہ ہوئے۔ کھڑی شریف پہنچ کر ان کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور دعا مانگی: ''اے رب العالمین میں اپنے بڑے بھائی کے جسم مبارک کو تیرے سُپرد کرتا ہوں اس کو ہر ایک نقصان سے محفوظ رکھ''۔

''ایک سال بعد حضرت میاں محمد بخشؒ نے جسد مبارک جو امانت کے طور پر محفوظ رکھا ہوا تھا، باہر نکال کر دیکھا۔ واقعہ یوں ہے کہ آپ حضرت غازی قلندرؒ کے دربار مشارق الانوار سے باہر تشریف لائے تو تشریف لاتے ہی حکم دیا کہ بھائی صاحب کی قبر مبارک کو خالی کرو۔ چنانچہ حسب الحکم قبر مبارک خالی کی گئی اور نعش مبارک حضرت میاں بہاول بخشؒ باہر نکال کر چارپائی پر رکھی گئی۔ کفن مبارک کمزور ہو گیا تھا مگر بدن مبارک پر خشخش کے دانہ کے برابر خراش تک نہ تھی۔ نیا کفن آپ کو پہنایا گیا اور جنازہ دوبارہ پڑھ کر ہم پہلوئے حضرت میاں شمس الدین صاحبؒ والد خود سپرد خاک فرمائے گئے۔ صدہا لوگوں نے جوق در جوق حاضر ہو کر آپ کی زیارت کی۔''(11)

خوراک:

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ بے حد سادہ مزاج، سادہ لباس اور سادہ خوراک تھے۔ اگرچہ آپ کا تعلق اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ اس لیے اچھے سے اچھا کھانا کھا سکتے تھے اور عمدہ سے عمدہ کپڑا پہن سکتے تھے لیکن طبیعت میں فقیری اور درویشی کا غلبہ تھا۔ اس لیے موتو قبل انت موتو کے نظریئے پر عمل پیرا تھے۔ عالم شباب میں ہی دنیاوی آرام و آسائش ترک کر کے فقیری چولا زیب تن کر لیا تھا۔ اور خوردن برائے زیستن کے نظریہ پر عمل پیرا تھے۔

آپ کے لیے آدھ پاؤ آٹے کی دو روٹیاں پکائی جاتی تھیں۔ ایک روٹی سورج

Marfat.com

نکلنے کے بعد اور دوسری سورج غروب ہونے کے بعد کھاتے تھے۔ سالن میں پانی ڈال کر بدمزہ کر لیتے تھے تا کہ زبان لذت اور لُطف کی عادی نہ ہو جائے۔ آپ سے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ پانچ برس تک جنگلوں میں عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ اس دوران آپ نے گندم کا ایک دانہ تک نہ چکھا۔ صرف جنگلی بیروں اور پھلوں پر گزر بسر کرتے رہے:

اک واریں حضرت صاحب ایسا چلہ کمایا
پنج برس تک طعام نہ کوئی حضرت نے مُنہ لایا
اتنی مدت وچ بدن تے گوشت رہیا نہ کائی
خالی استخواں رہے سن لاغر بدن ہویائی
بعد اُس تھیں تھوڑا تھوڑا شروع کیتونے کھانا
چھ سرسائی تک اوہناندا رہیا قوت روزانہ
اس مقدار خوراک اُتے بھی رہے عبادت کردے
رج طعام نہ کھاہدا حضرت ساری وچ عمر دے(12)

بیگم فضل حسین نے ٹیلی وژن کے ایک انٹرویو میں بتایا:

''حضرت میاں محمد بخش صاحب جدوں درویشی اختیار کر گئے تے کندن جیسے بدن نوں بھسم کرلیا تے ہڈیاں دا اک پنجر بن گئے۔ اخیر دناں وچ اک چھٹا تک غذا تول کے کھاندے سن''(13)

جب کبھی ترنگ میں ہوتے تو دودھ کا شوق ضرور فرماتے۔ گوشت کے بغیر سبزی کھاتے تھے اور گھی کا تڑکہ نہ لگاتے تھے:

گاہ بگاہے شیر پیندے. سن مٹھا وچ رلا کے
سبزی خالی پکدی آہی مرچاں نمک ملا کے

عبادت اور ریاضت:

جب حضرت میاں محمد بخشؒ نے ظاہری علوم کے حصول کے بعد باطنی علوم کی طرف رخ کیا تو آپ روز و شب اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ خاص طور پر والد محترم حضرت میاں شمس الدینؒ کے وصال کے بعد آپ نے اپنا رہائشی مکان چھوڑ دیا اور دربار

Marfat.com

حضرت پیرا شاہ قلندرؒ کے احاطہ میں ہی ڈیرہ لگا لیا۔ ایک عارضی سا چھپر ڈالا اور زمین پر سوکھی گھاس پھونس بچھا کر یاد الٰہی میں مگن ہو گئے۔ جب کبھی روح بے چینی محسوس کرتی تو پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے تھے۔ کئی کئی روز بغیر کھائے پیئے جنگلوں میں سفر کرتے رہتے۔

ایک مرتبہ آپ کسی جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ راستے میں ایک باکمال بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ وہ شکل و شباہت سے ولی اللہ، متقی اور پارسا نظر آتے تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ کا پھٹا ہوا لباس اور بڑھی ہوئی داڑھی دیکھ کر فارسی زبان میں فرمانے لگے۔ میرے ساتھ چلو، میں تمہیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔ حضرت میاں صاحبؒ ان کے ساتھ چل پڑے۔ کافی سفر کے بعد وہ بزرگ ایک جڑی بُوٹی کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اس بُوٹی میں کیمیاوی اثر ہے، اگر تم چاہو تو میں تمہیں سونا بنانے کا گُر بتا سکتا ہوں۔ حضرت میاں صاحبؒ نے نہایت ادب و احترام سے جواب دیا۔ اگر مجھے دولت کی ضرورت ہوتی تو اللہ کی مہربانی سے میرے گھر میں بہت ہے۔ مجھے گھر بار چھوڑنے کی ضرورت نہ تھی مجھے تو اس کیمیا گر کی تلاش ہے جو میرے دل کی دنیا بدل دے اور روحانی دولت عطا کر دے:

چاہیے عشق سپاہی ایسا میں نوں مار گواوے
تھانہ کڈھ طبیعت والا صفتاں سب بدلاوے (14)

حضرت میاں محمد بخشؒ کی باتیں سُن کر وہ بزرگ بہت متاثر ہوئے اور دعائیں دیتے ہوئے جنگل میں غائب ہو گئے۔ حضرت میاں صاحبؒ جب واپس تشریف لائے تو طبیعت کی بے قراری اور بے چینی دُور ہو چکی تھی اور طبیعت میں ٹھہراؤ اور سکون قائم ہو چکا تھا۔

بیعت:

قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ پارہ 6، سورۃ المائدہ۔ آیت 35

ترجمہ: (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اسکی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ)

شاہ محمد ذوقی نے اپنی کتاب ''سر دلبراں'' میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد توسّل شیخ ہے۔ مگر مولانا اسماعیل

Marfat.com

شہید نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے، کیونکہ تصوف کی راہ میں ایک ایسے راہبر کی سخت ضرورت ہوتی ہے جو راہ میں درپیش مسائل و دقائق دُور کر کے تصوف کی منزل پر پہنچا دے۔ اُسی کو راہبر، مرشد، ہادی، راہنما، گرو، شوہ، سانول، پیر، اُستاد، شیخ، عالم اور عامل بھی کہتے ہیں۔ سید وارث شاہ فرماتے ہیں:

بناں مُرشداں راہ نہ ہتھ آوے دُدھ باجھ نہ رِجھدی کھیر میاں

چنانچہ تمام صوفیا کرام نے اپنے مرشد کی ہدایت کی روشنی میں جہاں تصوف کی منازل طے کیں وہاں اپنی شاعری میں اُن سے بے پناہ محبت، عقیدت اور ارادت کا اظہار بھی کیا ہے۔ مثلاً حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

ایہہ تن میرا چشماں ہووے میں مرشد ویکھ نہ رجّاں ہُو
لُوں لُوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں ہک کھولاں ہک کجّاں ہُو
ایتاں ڈٹھیاں صبر نہ آوے ہور کتے ول بھجّاں ہُو
مرشد دا دیدار ہے باہو مینوں لکھ کروڑاں حجّاں ہُو (15)

مرشد کا کام اپنے مرید کو صراطِ مستقیم بتانا، سلوک کی منازل طے کرانا اور اسکی ایسی روحانی تربیت فرمانا ہوتا ہے کہ اُس کے دل کے آئینے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حُسن کے جلوے منعکس ہو جائیں اور من کی آنکھوں کے سامنے کشف کے تمام بند دروازے کھل جائیں۔ شاہ حسینؒ اپنے مرشد سے عقیدت کا اظہار ایک کافی میں یوں کرتے ہیں:

سانول دی میں باندی بردی سانول مینڈا سائیں
کہے حسین فقیر نمانا سِکدی نوں درس دکھائیں (16)

سید بلھے شاہؒ کے مرشد شاہ عنایت قادری شطاریؒ تھے۔ بلھے شاہؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

بلھا شوہ دی سنو حکایت، ہادی پھڑیا ہوئی ہدایت
میرا سائیں شاہ عنایت، اوہو لنگھاوے پار (17)

حضرت میاں محمد بخشؒ کے خاندان میں بابا دین محمد سے ہی وراثت میں حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ المعروف دمڑی والی سرکار سے عقیدت و ارادت چلی آ رہی تھی۔ اس لیے حضرت میاں محمد بخشؒ نے بھی اپنے والد حضرت میاں شمس الدینؒ سجادہ نشین دربار پیرا شاہ

Marfat.com

غازی قلندرؒ سے یہ عقیدت، ارادت اور محبت حاصل کی تھی۔ وہ پیرا شاہ غازیؒ کو روحانی مُرشد تسلیم کرتے تھے۔ روزانہ اُن کے دربار پر حاضری دیتے، جھاڑو سے صفائی کرتے، جھاڑ پُونجھ کرتے اور فاتحہ پڑھتے تھے۔ اکثر اوقات آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور زاروقطار روتے یہاں تک کہ ہچکی بندھ جاتی۔ آپ نے قصہ سیف الملوک کے آغاز میں اپنے روحانی پیرومرشد سے محبت کا اظہار یوں کیا ہے:

بسم اللہ بسم اللہ اگوں مدح مبارک آئی
ہادی مرشد دی جس دُولے چارے کوٹ نوائی
مسلم ہندو کوئی نہ نابر سیوے سبھ لوکائی
داتا سخی محمد بخشا دن دن دیگ سوائی
عاجز نردھن اُس دے در تے لکھ نعامت کھاندے
ہک دمڑی دا تحفہ لے کے دیندا دان لکھاں دے
بادشہاں دا پیر کہاوے پیراں شاہ کر جاتا
پیرا شاہ قلندر غازی نِت سوا لکھ داتا
طوطے، میناں، خُمرے بولن کوئل، مور، لٹورے
دھن پیرا دھن پیرا جس نے رزق اساڈے ٹورے
میں نکاری اوگن ہاری پُر تقصیر بے چاری
مان تران تساڈا حضرت شرم شہاں نوں ساری
سدا محمد بخش نمانا ہلیا کرم فضل دا
تکیہ پرنا محض تساڈا نہ کُجھ رلا عمل دا

.....

حضرت میاں محمد بخشؒ نے جب تصوف کی وادی میں قدم رکھا تو سامنے وسیع جنگل، لق ودق صحرا اور خاردار ریگستان دیکھ کر گھبرا گئے۔ اُس وقت آپ کو شدت سے احساس ہوا کہ اس منزل پر وہ مرشد کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس لیے فرمایا:

کار بناں اوستاد تھیں کوئی نہ ہووے راس
اوّل پکڑ اوستاد نوں لاہ دلوں وسواس

Marfat.com

فیر اس اگے اپنی دسّیں کُھل ارداس
اللہ کرے محمدا مطلب دی رکھ آس

آپ نے ایک رات مرشد کامل کی تلاش کے لیے استخارہ کیا تو خواب میں حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ عرف پیراشاہ قلندر ظاہر ہوئے۔ آپ کا بازو پکڑ کر فرمانے لگے:

''اے فرزند میں تمہارا پیر ہوں اور تو میرا مرید ہے۔ اس سے آپ کو تشفی تو ہوگئی مگر ظاہری بیعت کے مراسم کی ادائیگی کے لیے ارشاد ہوا کہ سلسلہ قادریہ عالیہ میں حضرت جناب سائیں غلام محمد صاحبؒ میرے روحانی فرزند سے بمقام کلروڑی تحصیل میر پور بیعت کرلو'' (18)

صبح جب بیدار ہوئے تو حضرت سائیں غلام محمدؒ کے دربار میں حاضری دینے کا کمال شوق پیدا ہوا اور فوراً تیار ہو گئے۔ پیدل سفر کرتے ہوئے کلروڑی شریف پہنچے تو پتہ چلا کہ سائیں غلام محمد دُنیا داری ترک کر کے یادِ الٰہی میں شب و روز مگن ہیں اور کسی کو اُن سے کلام کرنے کی ہمت نہیں۔ چنانچہ حضرت میاں صاحبؒ نے انتظار فرمایا۔ جب وہ یادِ الٰہی سے فارغ ہوئے تو آپ نے حوصلہ کر کے اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن انہوں نے چند دن صبر کرنے کی تلقین فرمائی اور پھر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کو انتظار میں ایک عرصہ گزر گیا۔ آپ بے صبر اور بے چین ہو گئے بلکہ آپ پر مایوسی چھا گئی تو اُسی وقت حضرت سائیں غلام محمدؒ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کو اپنے مرشد بابا بدوح شاہ کی قبر کے پاس بٹھا کر بیعت سے سرفراز فرمایا۔ مرشد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد آپ کے سینے کا سوز اشعار کی شکل میں تندی و تیزی سے ظاہر ہونے لگا۔ آپ نے اپنے مُرشد کی مدح میں بہت سے اشعار کہے۔ چند ایک یوں ہیں:

مرد بھلیرا مرشد میرا شاہ غلام محمد
اہل شریعت اہل طریقت وانگ امام محمد
محرم حال حقیقت کولوں واقف سی عرفانوں
پُر تقصیراں نوں تاثیراں ہوون اوس زبانوں
کھریاں گلاں کھریاں چالاں دامن پاک ریاؤں
کھریاں دے لڑ لگا میں بھی کھوٹا آپ جہانوں

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کے سفر:

مشہور کہاوت ہے کے ''سفر وسیلۂ ظفر'' یعنی سفر کرنے سے فتح مندی حاصل ہوتی ہے۔ سفر کے دوران طرح طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ مختلف شہروں اور ملکوں کی معاشرت، تجارت، علم وادب، پیداوار، آب و ہوا، صنعت وحرفت سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہن وسعت پاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اکثر صوفیا کرام، ولی اللہ اور فقیر درویش سفر اختیار کرتے تھے۔ جہاں کہیں علم کے منبع وسرچشمۂ فیض کی خبر پاتے بھاگتے دوڑتے وہاں پہنچ جاتے اور علم کی پیاس بجھاتے تھے۔ سیراب ہوکر لوٹتے تھے۔ پھر اپنی دھرتی کے لوگوں کو فیضیاب فرماتے تھے کیونکہ حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

اطلبوالعلم ولو کان بالصین (علم حاصل کرو بے شک چین جانا پڑے)

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کو بھی سفر کا بے حد شوق تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے من میں ایک الاؤ جلتا تھا جو اندر ہی اندر آپ کو بے چین و بے قرار رکھتا تھا۔ آپ سکونِ قلب کی تلاش میں جگہ جگہ اولیاء اللہ کے مزاروں اور صوفیاء عظام کے درباروں میں جاتے۔ نوافل پڑھتے اور دعائیں مانگتے تھے۔ اس خیال سے کہ شاید کسی نہ کسی مزار یا دربار سے گوہر مقصود حاصل ہو جائے۔ سکون کی دولت مل جائے اور کوئی منفرد خوبی پیدا ہو جائے۔

آپ نے جب سائیں غلام محمد کلروڑی شریف کے دستِ مبارک پر بیعت کی تو کسی حد تک الاؤ کی حدّت کم ہوئی مگر شعلوں کی تپش ابھی باقی تھی۔ چنانچہ مرشد کی ہدایت پر آپ نے کشمیر کا سفر اختیار کیا اور وہاں غوثِ زمانہ حضرت شیخ احمد ولیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر روحانی برکات اور فیوض حاصل کیے۔ آپ کلروڑی شریف سے پہلے کھڑی شریف تشریف لائے۔ حضرت پیر اشاہ غازی قلندرؒ کے دربار پر حاضری دی۔ چند دن قیام کے بعد پیدل ہی کشمیر کی طرف چل پڑے۔

آپ نے پہلے دریائے جہلم کشتی کے ذریعے عبور کیا اور مظفر آباد پہنچے۔ وہاں سے چکوٹھی، اوڑی، مُہرہ، رام پور، گانٹھ ملا اور شیری سے ہوتے ہوئے بارہ مولا گئے جہاں حضرت جانباز ولیؒ کے مزار پر حاضری دی اور وہاں چند روز قیام فرمایا۔ پھر سنگرام اور پٹن کے مقامات پر قیام کے بعد سری نگر پہنچے۔ راستہ میں سینکڑوں ایسے لوگ ملے جو شیخ احمد ولیؒ سے معرفت اور فیض حاصل کرنے کے لیے دُور دراز کا سفر طے کر کے سری نگر پہنچے تھے۔ مگر دو دو، تین تین ماہ

Marfat.com

شیخ کا انتظار کرنے کے بعد ملاقات سے محروم مایوس واپس جا رہے تھے۔

اس قسم کے ہمت شکن واقعات نے حضرت میاں محمد بخشؒ کے حوصلے پست نہ کیے۔ آپ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ سری نگر میں شیخ احمد ولی کے آستانہ عالیہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص تخت پر بیٹھا قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہے۔ آپ نے اس سے شیخ موصوف کے متعلق پوچھا تو اُس نے جواب میں عرض کیا۔ شیخ صاحب باہر تشریف لے گئے ہیں اُن کی واپسی کی کوئی خبر نہیں۔ بعض دفعہ دو دو ماہ بعد لوٹتے ہیں۔ اُن کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

آپ اس شخص کا جواب سن کر سوچ میں پڑ گئے کہ اسی اثناء میں ایک بزرگ، نورانی چہرہ، سفید ریش، روشن آنکھیں، ہاتھ میں عصا، ایک خادم کے ہمراہ اندر تشریف لائے اور حضرت میاں محمد بخشؒ سے بڑے پُرتپاک انداز میں اس طرح ملے جیسے مدتوں سے جان پہچان ہو۔ وہی حضرت شیخ احمد ولیؒ تھے جن کی زیارت کے لیے میاں صاحب نے کلروڑی شریف سے سفر اختیار کیا تھا۔ حضرت شیخ احمد ولیؒ آپ سے فارسی میں گفتگو کرنے کے بعد شانہ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولے۔ ''زیرک ہستی'' اس وقت حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب پا برہنہ تھے۔ کمر میں کھدر کا تہہ بند، گلے میں کھدر کا لمبا کرتا اور کمبل زیب تن تھا۔ حضرت شیخ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند سکے رائج الوقت نکال کر حضرت میاں صاحبؒ کو پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کوچہ ہائے کشمیر گندے ہیں اور آپ پرہیز گار و متقی اور پابند صوم و صلوٰۃ ہیں۔ چپل ہائے جواز قسم خس و خاشاک اس علاقے میں کوہستانی لوگ استعمال کرتے ہیں۔ بازار سے خرید کر پہن لیں تا کہ آپ کے پاؤں آلودگی سے محفوظ رہیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے پیسے لینے سے معذرت چاہی تو حضرت شیخ احمد ولیؒ نے زبردستی تھما دیئے اور تاکید کی کہ کشمیر سے جاتے ہوئے ملاقات کر کے جانا:

مرشد دا فرمان ہویا تاں ول کشمیر سدھائے
شیخ احمد دی خدمت اندر آ کر سیس نوائے
حضرت شیخ احمد جو آہے کامل ولی مکمل
اوس وقت دے ولیاں اندر سب تھیں اوّل اکمل
حضرت جا ملے جد اوہناں ادبوں سیس نوا کے
میاں محمد صاحب زیرک آکھیا اوہناں بُلا کے

Marfat.com

وہاں سے رخصت ہو کر حضرت میاں محمد بخش صاحب ے کشمیر کے صوفی بزرگ حضرت شیخ نورالدین ولیؒ کے مزار شریف پر حاضری دی۔ وہاں ایک جوان ہمپت رائے سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے آپ کو پہچان لیا۔ وہ حاکم کشمیر کے دربار میں ملازم تھا۔ اس نے حاکم کو خبر کی تو حاکم نے آپ کو دربار میں بُلا بھیجا اور آپ کی خوب خدمت کر کے دعاؤں کا طالب ہوا۔

بعدازاں حضرت میاں صاحبؒ نے درگاہ حضرت بل میں حاضری دی اور حضور اکرم ﷺ کے موئے مبارک کی زیارت سے دل کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک سے بہرہ مند کیا۔ پھر آپ شیخ حمزہ مخدوم کے مقدس مزار پر تشریف لے گئے۔ پھر حضرت سعید نقشبندی اور معین الدین نقشبندی کے روضہ اقدس کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

سری نگر سے واپسی پر کشمیر کے خوبصورت صحت افزا مقام گلمرگ کی سیر سے بھی لُطف اندوز ہوئے۔ گلمرگ میں حضرت بابا پیام الدین ریشی کے مزار پر دو دن قیام فرمایا اور پیدل ہی وطن واپسی کا سفر طے کرتے ہوئے کھڑی شریف پہنچے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ نے دو مرتبہ کشمیر کا پیدل سفر اختیار کیا۔ علاوہ ازیں اپنی سیلانی طبیعت کی تسکین کے لیے آپ اکثر جہلم، گجرات، جانی چک، دُھنی دھوریا کا سفر بھی کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ سیف الملوک کی اشاعت کے سلسلے میں آپ لاہور بھی تشریف لے گئے اور چوک جھنڈا میں ''باراں انواع'' کے خالق مولوی عبداللہ عبدی کے گھر میں مہمان رہے۔ جانی چک میں رسول اللہ ﷺ کا موئے مبارک تھا۔ آپ اکثر وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے موئے مبارک سے آپ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ زیارت کے لیے ننگے پاؤں پیدل چل کر حاضری دیتے تھے:

آمدے بہرے زیارت جانی چک　　پابرہنہ دست بستہ چوں غلام
خدمت موئے مبارک ساختے　　واز پئے خدام ہم انعام عام (19)

مجاہدہ:

کشمیر میں حضرت شیخ احمد ولیؒ کی زیارت کے بعد آپ کھڑی شریف تشریف لے آئے۔ حضرت پیرا شاہؒ قلندر کے مزار کے نزدیک چھ فٹ گہرا تہہ خانہ بنوایا اور اس میں شب و روز مجاہدہ و عبادات میں مشغول ہو گئے۔ فجر کی نماز کے بعد آپ اُس تہہ خانہ میں تشریف لے جاتے اور نصف دن تک مراقبے میں رہتے۔ تہہ خانے کا فرش کچا تھا جس پر گھاس پھونس اور کھوری بچھا کر

Marfat.com

نرم بنایا گیا تھا۔آپ اکثر اسی تہہ خانے میں چلہ کشی فرماتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے زندگی کے چودہ برس اسی تہہ خانے میں سخت عبادت، ریاضت اور مجاہدے میں گزارے۔ آپ نے کھانا پینا کم کر دیا۔ صرف نماز با جماعت ادا کرنے کے لیے تہہ خانے سے باہر تشریف لاتے تھے۔سخت مجاہدہ کی وجہ سے جسم سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا۔جسم و جان میں قوت و طاقت نہ رہی مگر دل انوارِ تجلیات سے روشن اور پُر سکون ہو گیا:

توڑے حسن کھڑائیکے پیری مل لئی
پر لذت اُس دُدھ دی ناہیں دلوں گئی

پوہ، ماگھ (دسمبر، جنوری) کے مہینوں میں سردی سے بچنے کے لیے آپ اپنے جسم کے اردگرد کپڑے کی کانتریں (لیریں اور ٹاکیاں) لپیٹ لیتے تھے۔بیگم فضل حسین نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ''آپ کی وفات کے بعد جب اُن لیروں کو تولا گیا تو اُن کا وزن 20 سیر نکلا۔'' حضرت میاں محمد صاحبؒ اپنی اس درویشانہ زندگی کا ذکر یوں کرتے ہیں:

کھاناتے بھُنجے ساوَنا جی دُکھ جھل لینے دُھپاں پالیاں دے
ہتھ پیر پیادیاں وتنا جی ڈر لاہ اندھیریاں کالیاں دے
راتیں اک اکلیاں اُٹھنا جی بھارے بھار چا کشالیاں دے
رہے ملک جی کد سفید پوشی نیوں لا کے جُلیاں والیاں دے (20)

سجادہ نشینی کا واقعہ:

حضرت میاں محمد بخشؒ کی پرورش اور تربیت ایسے ماحول میں ہوئی تھی جو اللہ والے بزرگوں، صوم وصلوٰۃ کے پابند متقیوں، گودڑی پوشوں، پارساؤں، عبادت گزاروں، درویشوں، صوفیوں، دھرتی سے پیار کرنے والوں، لوگوں میں دین سے محبت پھیلانے والوں، حق اور سچ کی بات کرنے والوں کی دنیا تھی۔ حضرت میاں صاحبؒ نے اس ماحول سے شعوری اور لاشعوری طور پر استفادہ کیا اور دل میں ٹھان لیا کہ دنیاوی زندگی عارضی اور فانی ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ اُس دنیا میں جس کے درجات بلند ہیں وہی خوش قسمت اور خوش انجام ہے۔اس لیے آپ نے دُنیاوی لذتوں اور عیش و آرام کو تج دیا اور فقیری اور درویشی کی چادر اوڑھ لی۔ ایک مرتبہ حضرت شمس الدین صاحبؒ بیمار پڑ گئے اور اپنی زندگی سے مایوسی کا

Marfat.com

اظہار کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے علاقے کے رئیسوں اور خاص مریدوں کو جمع کر کے فرمایا۔

دوستو، یہ حیاتی فانی ہے۔ دوائمیت صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اس لیے تم لوگوں سے رائے لینا چاہتا ہوں کہ حضرت پیر شاہ سچیارؒ کے دربار کی سجادگی کا منصب جو مجھے حاصل ہے، میں اپنے فرزند محمد بخش کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ سب حاضرین نے اُن کے خیالات کی تائید کی۔ لیکن حضرت میاں محمد بخشؒ نے کھڑے ہو کر نہایت موثر انداز میں تقریر فرمائی اور عرض کیا کہ اس منصب کے صحیح حقدار میرے بڑے بھائی میاں بہاول بخش صاحب ہیں یہ منصب اُن کو عطا کیا جائے۔

حضرت میاں شمس الدینؒ یہ سُن کر بیماری کے باوجود اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو گلے سے لگا کر بغداد کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ اے بیکسوں کے دستگیر شہنشاہ بغداد! میں اپنے فرزند دلبند کو آپ کے سپرد کرتا ہوں، قبول فرمایئے۔ اُس وقت سب حاضرین آبدیدہ ہوگئے اور زاروقطار رونے لگے۔ حضرت میاں شمس الدینؒ کی وفات کے بعد حضرت میاں بہاول بخشؒ سجادہ نشین مقرر ہوئے تو حضرت میاں محمد بخشؒ بے حد خوش ہوئے اور ان کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے فرمایا:

شمس دین دا سی ساڈا باپ سخی بھریا نور دا جیہدا مزار ہے جیو
بہاول بخش سائیں مینوں وڈا بھائی اج سر جیہدے دستار ہے جیو
اوہنوں شرف سجادگی پیر دی دا اساں ساریاں دا سرکار ہے جیو
میں نہ اپنا نام نشاں دساں آہو پچھ لیو جس کار ہے جیو

حضرت میاں بہاول بخشؒ نے 1298ھ میں اس دارفانی سے رحلت فرمائی۔ اس وقت حضرت میاں محمد بخشؒ پنجن میں تشریف رکھتے تھے۔ بڑے بھائی کی رحلت کی خبر سن کر بہت دکھی ہوئے اور کھڑی شریف کے لیے عازم سفر ہوئے۔ کوہ پنجن صحت افزا مقام ہے جو کھڑی شریف سے چالیس میل دُور بلند پہاڑوں میں واقع ہے۔ یہ گاؤں اب ضلع کوٹلی کی تحصیل چڑہوئی میں آتا ہے۔ آپ نے سیف الملوک کا کچھ حصہ اسی جگہ تحریر فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ پنجن میں بھی آپ کا عرس ہوتا ہے۔ وہاں آپ کی گودڑی، عصا اور دانت مبارک دفن ہیں۔ آپ کھڑی شریف تشریف لائے تو مریدوں نے شاہانہ استقبال کیا اور سجادہ نشینی کی دستار فضلیت آپ کے سر پر باندھی۔ پھر آپ نے حضرت پیرا شاہ غازیؒ کے مزار پر حاضری

Marfat.com

دی اور استقامت و خدمت کے لیے دعا مانگی۔

عادات و اوصاف:

حضرت میاں محمد بخشؒ نہایت رکھ رکھاؤ والے وضع دار انسان تھے۔ ہر ایک کے ساتھ محبت اور خلوص سے پیش آتے تھے۔ مسلم اور غیر مسلم سب کی عزت اور سب سے محبت کرتے تھے۔ ہر ایک سائل کی بات غور اور توجہ سے سنتے تھے۔ اور حتی الامکان اُسکی مدد فرماتے تھے۔ طبیعت میں حد سے زیادہ حلیمی اور نرمی تھی۔ دھیمے اور میٹھے لہجے میں گفتگو فرماتے تھے۔ مہمان نوازی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ علاوہ ازیں سیدزادے کی بڑی عزت کرتے تھے بلکہ اُس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس وقت تک نہ بیٹھتے تھے جب تک سید صاحب بیٹھ نہ جاتے تھے۔

سید باقر علی شاہ آپ کے دوست اور مرید تھے جو کشمیری فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ طاقتور خوبصورت جوان تھے۔ مہاراجہ کشمیر نے ان کو وسیع جاگیر عطا کر رکھی تھی۔ آخری عمر میں کسی بات سے دلبرداشتہ ہوگئے اور ملازمت چھوڑ کر اپنے گاؤں واپس آگئے۔ اکثر حضرت میاں صاحبؒ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ حضرت میاں صاحب کی دعا سے اُن کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام مظفر حسین رکھا گیا۔ سید باقر علی شاہ ہاتھ میں لوہے کی بھاری لاٹھی (موگلی) رکھتے تھے جس کا وزن بارہ سیر تھا۔ حضرت میاں صاحب ان کی بے حد عزت کرتے تھے بلکہ ان کی فرمائش پر آپ نے مثنوی ''نیرنگ عشق'' لکھی:

ہویا ہُن معنیاں دا گرم بازار　　لیئے باقر علی شاہ یار وسار
منور چن احمد شاہ دے بُرجوں　　سچا موتی محمد شاہ دے دُرجوں (21)

حضرت میاں محمد بخشؒ کے دل میں انسانی خواہشات و خیالات اور جذبات جنم لیتے مگر آپ اُن کو شیطانی وسوسے سمجھ کر لاحول پڑھ کر دُور بھگا دیتے تھے۔ آپ نے نفس امّارہ کو ہر طرح سے کچل کر غلام اور مطیع بنا لیا تھا۔ درویشی، فقیری، استغنا، قناعت اور بے نیازی کا تاج سر پر سجا لیا تھا۔ عبادت اور شعر گوئی میں عافیت پاتے تھے۔ نہ اچھا پہنتے اور نہ اچھا کھاتے تھے۔ نیند اور خوراک بہت کم تھی۔ زہد و عبادت، پرہیز گاری، تقویٰ اور عاجزی انکساری کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ رسول کریم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کی پیروی کو زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ کوئی ایسی بے ادبی اور گستاخی سرزد نہ

Marfat.com

ہو جائے جو سنت رسول ﷺ کے خلاف ہو اور میری برسوں کی عبادت و ریاضت ضائع ہو جائے۔ فرماتے تھے:

دوہیں جہانیں آسرا میں عاجز دا توں
شرم سچے اُس نام دی پاک محمدؐ توں

آپ کا روز کا معمول یوں تھا کہ فجر نماز کے بعد تہہ خانے میں تشریف لے جاتے، وظیفہ کرتے اور نفلی عبادت کرتے تھے۔ عبادت سے فارغ ہو کر حضرت پیر اشاہ غازی قلندرؒ کے مزار پر حاضری دیتے۔ جھاڑو سے روضے کی صفائی کرتے اور عقیدت و محبت سے آنسو بہاتے جاتے۔ بعض اوقات عقیدت میں آپ پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ اپنی داڑھی مبارک سے روضے کی صفائی شروع کر دیتے تھے۔ آپ نے ساری عمر روضے کی طرف کبھی پیٹھ نہیں کی ہمیشہ اُلٹے پاؤں روضے سے باہر تشریف لاتے۔ آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے بھرے ہوتے تھے۔ چہرے کا رنگ زرد اور جسم کمزوری اور نقاہت کا شکار ہوتا تھا۔

بعدازاں آپ زائرین اور ناظرین سے ملتے۔ انہیں پندو و نصائح فرماتے اور نماز پڑھنے کی تلقین کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کئی قسم کی دینی اور دنیاوی مشکلات اور اُلجھنوں کا حل بتاتے اور پاس بیٹھنے والوں کی مدد اور راہنمائی فرماتے تھے۔ سو پچاس آدمی ہر وقت آپ کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔(22)

اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے بہت سی ظاہری خوبیاں اور باطنی صفات آپ کو عطا فرمائی تھیں جن کے بیان کے لیے ایک وسیع دفتر درکار ہے۔ آپ نے ایک لنگر خانہ قائم کر رکھا تھا۔ جہاں دونوں وقت سو پچاس زائرین، مسافر اور فقیر کھانا کھاتے تھے۔ دُور سے آنے والے مریدوں اور مسافروں کی خدمت کے لیے چار مرد مامور تھے۔ لنگر خانے کا سارا خرچ مریدوں کے نذرانے اور جاگیر کی آمدن سے چلتا تھا۔

دین اسلام کی تبلیغ سے فارغ ہو کر آپ کچھ وقت تصنیف و تالیف میں گزارتے تھے۔ پنجگانہ نماز کے علاوہ آپ تہجد، اشراق اور نوافل بھی پڑھتے تھے۔ نماز کی پابندی کی یہ حالت تھی کہ پہلی تکبیر کبھی قضا ہونے نہ دیتے تھے۔ مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیانی وقفے میں آپ روزانہ قصیدہ غوثیہ کا ورد فرماتے تھے۔ جب آپ وظیفہ پڑھتے تھے تو آپ پر ایسی جلالت اور جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ کسی مرید کو آپ سے بات کرنا تو بہت دور کی

Marfat.com

بات نزدیک جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ہمیشہ رات کا بیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت اور وظائف و دُرود پڑھنے میں گزارتے تھے تاہم اس کے باوجود اپنے آپ کو عاجز، نردھن اور گنہگار سمجھتے تھے:

میں پاپی شرمندہ جھوٹھا بھریا نال گناہاں
ہکو آس تساڈے در دی نہ کوئی ہور پناہاں
میں انھاں تے تلکن رستہ کیونکر رہے سنبھالا
دھکے دیون والے بُہتے توں ہتھ پکڑن والا(23)

آپ کبھی کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے بلکہ اپنی ذات کو سب سے بُرا، گنہگار، پاپی اور شرمندہ جھوٹا سمجھتے تھے۔ لوگوں کو دوسروں کی غیبت کرنے سے منع فرماتے تھے۔ شعر ہے:

تھوڑی بہتی تہمت کولوں کون کدی بچ رہندا
پر میں آپوں اوگن ہارا دوسریاں نہیں کہندا
پردہ پوشی کم فقر دا میں طالب فقراواں
عیب کسے دے پھول نہ سکاں ہراک تھیں شرماواں
میرے نالوں ہر کوئی بہتر میں ہی نیچ ایاناں
تھوڑا بہتا شعر سخن دا گھاٹا وادھا جاناں

شادی کی کہانی:

حضرت میاں محمد بخشؒ نے ساری زندگی تجرد میں گزار دی اور شادی نہیں کی۔ کیونکہ آپ پیدائشی صوفی، درویش منش اور فقیر طبع تھے۔ ہر وقت پاکیزہ، طاہر اور یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اس لیے گھریلو جھگڑوں اور جھنجھٹ میں مبتلا ہو کر اپنی عبادت اور ریاضت کو بھنگ نہیں کرنا چاہتے تھے:

ساری عمر نہ شادی کیتی سالک مرد خدائی
فرد مجرد رہے ہمیشہ حرص دلے تھیں لاہی

آپ فرمایا کرتے تھے: ''میں اکیلا اس دنیا میں آیا اور اکیلا ہی رخصت ہو جاؤں گا۔ میرے جانے سے دنیا میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دنیا کا پہیہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ وقت بھاگتا رہے گا۔ میری موت کا کسی کو دُکھ نہ ہوگا۔ میرے والدین اور بہن بھائی میری

Marfat.com

موت پر ضرور روئیں گے۔'' قصہ شیریں فرہاد میں لکھتے ہیں:

سبھو مڑ گھر آون پا میرے سر خاک
بھیناں تے بھرجائیاں لیسن کڑلے ہاک
فیر سبھ سُکھ وس سن کون ہوسی غمناک
ماپیوَ ہوون یا علی بخش رو رو ہون ہلاک
آپوں اپنے غم تھیں کراں گریباں چاک
یاراں چین محمدا مینوں غم خوراک (24)

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کی نسبت (منگنی) کے بارے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپ کی نسبت ایک خوبصورت لڑکی سے ہوئی تھی۔ اچانک آپ بیمار پڑ گئے اور آپ کے گلے میں گلہڑ نکل آیا۔ لڑکی والوں نے آپ کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور اُس لڑکی کی شادی آپ کے بڑے بھائی میاں بہاول بخش سے کر دی گئی۔ اس واقعہ کا حضرت میاں صاحب کو اس قدر دُکھ ہوا کہ ساری عمر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور مرتے دم تک اس فیصلے پر قائم رہے۔ ایک مرتبہ آپ کے والد ماجد حضرت میاں شمس الدینؒ نے آپ کی شادی کرنے کی کوشش کی تھی مگر آپ نے فقیری اور درویشی کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی:

جے کجھ لاڈ پیار مانواں دے کیہ کجھ آکھ سناواں
جے اج ماں ہوندی رو مردی، کیہ پرواہ بھراواں
جے اج مائی بابل میرے دنیا اُتے ہوندے
خستہ حالی ویکھ پُتر دی سُکھ نہ سوندے روندے
ہک انہاں دا لال پیارا خاک اندر رل سُتا
دوجا کنبدا لُکدا پھردا جیونکر پانول کتا
ترتیجے نوں ربّ بھاگ لگائے لکھاں شکر خدا دے
دولت عمر اقبال اسے دے دن دن ہون زیادے
میں اج ٹراں پردیسیں سَے کوہاں تے جاواں
کیہڑا پچھوں کرے دعائیں رو رو وانگن مانواں

Marfat.com

تعمیرات کا شوق:

حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب کو علوم وفنون، تصوف اور شاعری کے علاوہ تعمیرات کا بھی بہت شوق تھا۔ آپ فنِ تعمیر سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی عمارت کی تعمیر کے وقت نہ صرف معماروں کے کام کی نگرانی فرماتے تھے بلکہ خود بھی اُس میں حصہ لیتے تھے۔ آپ کی نگرانی میں بننے والی عمارتیں اپنے دور کی تہذیب و معاشرت، روایت و رواج، عقیدت وارادت اور تمدن کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ تعمیرات کی تفصیل درج ذیل ہے:

1- آپ نے سب سے پہلے اپنے روحانی پیرومرشد حضرت پیراشاہ غازی قلندرؒ کا روضہ مبارک کھڑی شریف میں تعمیر کرایا۔ یہ روضہ پہلے مٹی اور گارے کا بنا ہوا تھا۔ آپ نے 1290ھ میں نہ صرف اُسے پختہ تعمیر کرایا بلکہ اس کے اندر شیشے کی پچی کاری بھی کرائی۔ روضہ مبارک کی چھت شیشے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے مرصّع کی گئی جن میں چراغوں کی روشنی جگمگا اُٹھتی تھی اور عجب روحانی منظر پیش کرتی تھی۔ روضے کے دروازے پر حضرت میاں صاحب کا یہ شعر درج تھا:

بتاریخ بنائے گنبد شیخ
ندا آمد مبارک روضہ وے
(1290ھ)

اب 2008ء میں اس روضے کی جگہ نئے انداز کا گول اور بلند روضہ تعمیر کیا گیا ہے جو جدید فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

2- حضرت پیراشاہ غازیؒ کے روضہ مبارک سے ملحقہ حضرت بابا دین محمد کا مزار ہے جو پیراشاہ کے مزار سے چھوٹا ہے۔ چھت نیچی ہے، چاروں اطراف ہوادار سیمنٹ کی جالیاں ہیں اور یہ بھی فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے۔

3- جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت میاں محمد بخشؒ نے چلہ کشی اور مجاہدہ کے لیے حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزار کے قریب ایک تہہ خانہ بنوایا تھا۔ پہلے ایک حجرہ آتا ہے اور حجرے سے دو سیڑھیاں نیچے تہہ خانے میں اُترتی ہیں۔ تہہ خانے کی چھت صرف چھ فٹ اونچی ہے۔ ایک شعر اس تہہ خانے کے دروازے پر کندہ ہے:

Marfat.com

مرتب شد ز خادم ایں بناء
با مداد پیران مشکل کشاء
(1293ھ)

4۔ علاوہ ازیں مولا بخش مجذوب کی قبر کو پختہ تعمیر کروایا۔ کھڑی شریف کے احاطہ میں ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد ہے اور مسجد کا صرف ایک ہی گنبد نما کمرہ ہے۔ جو بمشکل 8 مربع فٹ کا ہوگا۔ آپ نے یہ مسجد 1299ھ میں تعمیر کرائی تھی۔ دروازے پر یہ شعر کندہ ہے:

بنا شد چوں زبندہ مسجد
سال در تاریخ گفت بے سرجد
(1299ھ)

5۔ حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب نے اپنے والد حضرت میاں شمس الدین کا مزار بھی تعمیر کرایا اور اُن تمام مزارات کے ارد گرد چار دیواری 1320ھ میں تعمیر کرائی تاکہ مقاماتِ مقدسہ کی تخصیص واضح ہو سکے۔

کرامات:

اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اسلامی معاشرے کو اسلامی تصورات و تعلیمات کی حدود میں رکھنے کے لیے مشائخ اور صوفیا کرام کی کوششیں اور کاوشیں قابل قدر ہیں۔ انہوں نے اس نیک کام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور شب و روز اس کے فروغ اور ارتقا کے لیے کوشاں رہے۔ وہ بزرگ دنیاوی شہرت کو گناہ عظیم سمجھتے تھے۔ دنیاوی نام و نمود اُن کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتے تھے۔ وہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز کو فانی اور عارضی جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کارنامے تحریری یا زبانی روایات کی صورت میں محفوظ رکھنے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا گیا بلکہ اس کے برعکس ان بزرگ ہستیوں سے عقیدت واردات رکھنے والے عقیدت مندوں نے ایسی ایسی فرضی اور من گھڑت کرامات اُن سے منسوب کر دیں جن کا حقیقت سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ پھر ان لایعنی اور فرضی باتوں کو اس قدر دہرایا گیا اور اہمیت دی گئی کہ ان بزرگوں کے اصل کارنامے دھندلا کر رہ گئے اور ان فرضی اور من گھڑت کرامات کے باعث ان کی اصل کرامات بھی شک و شبہات کی نگاہ سے دیکھی جانے لگیں۔

Marfat.com

علاوہ ازیں ان فرضی باتوں نے حقیقت پسند مورخ کے لیے بڑا مسئلہ پیدا کر دیا۔

حضرت میاں محمد بخشؒ کی بہت سی کرامات کا پتہ چلتا ہے۔ اُن میں سے کچھ کرامات تحریری اور کچھ زبانی ہیں۔ چند کرامات ایسی ہیں جن کا ذکر حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنی کتاب ''تذکرہ مقیمی'' میں مختلف بزرگوں کے حوالے سے کیا ہے مگر لوگوں نے اُن کرامات کو بھی حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب کے ساتھ منسوب کر دیا ہے۔ یہاں حضرت میاں محمد بخشؒ کی صرف اُن کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے جو مختلف کتب میں درج ہیں، مثلاً صاحبزادہ میاں محمد سکندر لکھتے ہیں:

> ''ایک دفعہ راجہ اللہ داد مرحوم رئیس لہڑی راجگان حضرت میاں صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا حضرت! میرا ایک جائیداد کا مقدمہ جموں عدالت میں چل رہا ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے کامیابی عطا کرے۔ حضرت میاں صاحب نے جواب دیا۔ راجہ صاحب مجھے آپ کے مقدمے کی کیا خبر ہے یا میرا مقدمات سے کیا تعلق ہے؟ آپ جانیں اور آپ کے مقدمات۔ اس پر راجہ صاحب نے (راجہ صاحب کی طبیعت میں مزاح کافی تھا اور حضرت میاں صاحب بھی مزاح کو پسند فرماتے تھے) عرض کی، یا حضرت! آپ کو باغِ ارم، شارستان، بدیع الجمال اور سیف الملوک وغیرہ کا تو پتہ ہے مگر میرے مقدمہ کی خبر نہیں؟ آپ کو میرے مقدمے کی ازراہِ کشف ضرور خبر ہے میرے حق میں دعا فرمائیں۔ اس پر حضرت میاں صاحب نے تبسم فرمایا اور دعا بھی فرمائی۔ راجہ صاحب اس مقدمہ میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ اللہ کیا شان ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کی جیسا کہتے ہیں ویسا ہی ہو جاتا ہے۔''(25)

باور کرو، یقین لیاؤ گل اوہناں دی اُتے
آیت وانگر سچ کر منو توڑے پچھن سُتے

ایک مرتبہ حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب بیلہ شاہنواز گئے ہوئے تھے اور شرف الدین ساکن معذور پور آپ کا خادم ہمراہ تھا۔ شرف الدین کو چوتھے کا بخار تھا اور دو مہینے تک یہ بخار

Marfat.com

چڑھتا رہا۔ جس سے وہ بے چارا لاچار ہو گیا۔ ایک دن حضرت میاں صاحب دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ شرف الدین کو وہاں بلایا۔ جب وہ آیا تو آپ نے اس کا حال پوچھا اور فرمایا کہ یہاں میرے سامنے نہاؤ۔ جب وہ نہا چکا تو ہوشیار ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ''جا تیرا بخار دریا میں غرق ہو گیا ہے۔'' یوں شرف الدین حضرت میاں صاحب کی کرامت سے صحت مند ہو گیا۔''(26) مولوی محبوب علی پریشان بیان فرماتے ہیں:

'' ایک مرید نے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی راجہ کی شکایت کی کہ وہ مجھے تکلیف دیتا ہے اور میں غریب نادار شخص ہوں۔ صرف حضور کی پابوسی کا مجھے شرف حاصل ہے اس پر حضور نے مندرجہ ذیل رقعہ تحریر فرما کر اس خادم کے حوالے کیا اور ارشاد فرمایا۔ یہ رقعہ جا کر اس راجہ کو دے دینا۔ وہ منظوم مراسلہ مبارک ذیل ہے:

مان نہ کریئے راجیا سدا نہ کرسیں راج
کوئی دن ظلم کمائیکے اوڑک کھاسیں پہاج
سن لے عرض غریب دی نہ کر ایڈ مزاج
نوکر رکھ محمدا اج اسیں محتاج

جس وقت یہ ارشاد نامہ اس راجہ نے پڑھا ضرورت سے زیادہ اس مرید کی خاطر کی۔ جو کچھ اس نے چاہا اس کو دیا اور ساتھ ہی یہ شرط پیش کی کہ مجھے اس بارگاہِ ولایت میں لے چلو۔ چنانچہ اس مرید کے ساتھ آ کر حضور قبلہ کا قدم بوس ہوا اور دینی و دنیاوی سعادت سے بہرہ مند ہو کر واپس گیا۔''(27)

اسی طرح سیف الملوک کے دیباچہ میں ایک واقعہ یوں درج ہے:

''ایک دفعہ والی ریاست کشمیر دربار کھڑی شریف میں حاضر ہوا۔ اس کے ہمراہ کچھ اراکین سلطنت بھی تھے۔ خادم نے مہاراجہ کی آمد کی اطلاع حضرت قبلہ کو عرض کی۔ آپ اس وقت بارگاہِ قلندریہ مین تشریف رکھتے تھے، آپ نے فرمایا۔ ''جاؤ اس وقت ہم اپنے مہاراجہ کے حضور میں حاضر ہیں۔ مجھے کسی راجہ مہاراجہ سے کوئی تعلق نہیں۔ جب اس دربار گہر بار سے فرصت ہو گی تو دیکھا جائیگا۔'' وہ دوڑتا ہوا باہر آ گیا۔ پھر دوبارہ حضرت بہاول بخش صاحب

Marfat.com

نے خادم کو بھیجا اور خادم پھر ویسے ہی باہر آ گیا۔ آخر کار جب تیسری بار خادم کو بلانے کے لیے بھیجا تو حضور خود ہی باہر تشریف لا رہے تھے۔ مہاراجہ اور اُن کے ہمراہی و دیگر اشخاص سب کے سب تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب آپ بیٹھ گئے تو وہ لوگ بھی باادب بیٹھ گئے۔ مہاراجہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ نذر پیش کرو۔ وزیر نے ایک تھیلی بطور نذر سرکار کی خدمت میں پیش کی۔ حضور نے تھیلی کھول کر ایک روپیہ اپنی آنکھوں پر پھیرا اور فرمایا کہ مہاراجہ صاحب اس سے تو پہلی نظر بھی ضائع ہو گئی۔ پھر نہایت انکساری سے مہاراجہ نے عرض کیا۔ حضور میری طرف سے یہ لنگر خانے میں داخل فرمالیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ پھر آپ نے وہی ایک روپیہ خادم کو دے دیا اور فرمایا کہ یہ لنگر میں داخل کرلو اور تھیلی کی باقی رقم آپ نے واپس کر دی۔

مہاراجہ نے پھر عرض کیا کہ حضور اگر حکم فرمائیں تو میں دربار کے لیے کوئی جاگیر مخصوص کر دوں تا کہ لنگر خانے کا خرچ چلتا رہے۔ آپ نے دربار شریف کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ''لنگر کا مالک ہر وقت لنگر کی دیکھ بھال کرتا ہے، فقیر کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ آپ پھر اس طرف کا دورہ نہ کریں کیونکہ یہ لوگ غریب ہیں اور ان کو بادشاہ کے آنے سے تکلیف ہوتی ہے۔''

پھر مہاراجہ نے عرض کی کہ حضور میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے تخت و تاج کا وارث عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر عقیدہ دربار سے وابستہ رکھو گے تو موتی سنگھ والی ریاست پیدا ہوگا۔ پھر حضور نے خادم کو حکم دیا کہ جاؤ درخت سے دو پتے اُتار لاؤ۔ جب خادم پتے لے آیا تو حضور نے مہاراجہ کو وہ پتے دیئے اور فرمایا کہ ایک خود کھانا اور دوسرا اپنی رانی کو کھلا دینا۔ چنانچہ وقت معینہ پر اللہ عزوجل نے مہاراجہ کو لڑکا عطا کیا۔ اس کا نام موتی سنگھ رکھا گیا۔ (28)

حضرت میاں محمد بخشؒ کے ذہنی، روحانی اور دینی رجحانات:

حضرت میاں محمد بخشؒ درویش منش تھے۔ آپ کا تعلق چک ٹھاکرا کے کھاتے پیتے آسودہ حال زمیندار گھرانے سے تھا۔ آپ فقیری چولا پہننے سے قبل اچھا کھانا کھاتے اور صاف ستھرا لباس پہنتے تھے۔ مگر طبیعت کا رجحان درویشی اور فقیری کی طرف مائل تھا۔ اس لیے دل ہی دل میں دنیا داری اور دنیا کی چیزوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ آپ کی پرورش خانقاہی فقیرانہ ماحول میں ہوئی تھی، اس لیے آپ درویشوں اور فقیروں کی صحبت میں بیٹھنے اور

Marfat.com

اُن کی خدمت کرنے میں دلی سکون محسوس کرتے تھے۔

ایک مرتبہ صاحبزادہ سید محمد چکڑالی شریف والے موضع سلطان پور گکھڑاں تشریف لائے۔ وہاں حضرت میاں محمد بخشؒ اپنے والد حضرت میاں شمس الدینؒ کے ہمراہ موجود تھے۔ صاحبزادہ سید محمد اس دور کے مشہور ولی اللہ تھے اور ان کی کرامات کی شہرت پوٹھوہار کے علاقہ میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے اور حکام وغیرہ اُن کو سلام کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے تھے، یہاں تک کہ مہاراجہ گلاب سنگھ والی ریاست کشمیر پیدل چل کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کئی مرتبہ ان کی زیارت کے لیے حاضری دے چکا تھا۔

حضرت میاں شمس الدینؒ جو حضرت پیر اشاہ غازیؒ کے دربار کے سجادہ نشین تھے اور حضرت سید محمد صاحب کے پیر بھائی بھی تھے ان دونوں بزرگوں نے حضرت بابا بدوح شاہؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی ہوئی تھی۔ اسی لیے صاحبزادہ سید محمد صاحب خود آگے بڑھ کر حضرت میاں شمس الدین صاحبؒ کو ملا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ یہ دونوں پیر بھائی بیٹھے ہوئے تھے کہ باہر سے تیرہ سال کا ایک بچہ (حضرت میاں محمد بخش) ڈرتے ڈرتے مجلس میں آیا۔

حضرت میاں شمس الدینؒ نے اپنے بیٹے میاں محمد بخش کو بتایا کہ یہ چکڑالی شریف والے ہیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے بڑے ادب سے اُن کو سلام کیا۔ صاحبزادہ سید محمدؒ نے حضرت میاں محمد بخشؒ کو گود میں لے کر پیار کیا اور پوچھا آپ کیا پڑھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ''گلستان'' اس کے بعد صاحبزادہ سید محمدؒ نے حضرت میاں شمس الدینؒ کو بتایا کہ تمہارا بیٹا ایک دن بہت مشہور ہوگا۔ اسکی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ فرمائیں۔ اس کی خوشبو سارے جہان میں پھیلے گی۔ (29)

حضرت میاں محمد بخشؒ کو ایسے ولی اللہ غوث زمانہ کی دعائیں حاصل تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کی تعلیم و تربیت حافظ محمد علیؒ اور حافظ غلام حسینؒ کے زیر سایہ ہوئی تھی لہٰذا ان بزرگوں کی دعائیں بھی آپ کو حاصل تھیں۔ آپ کا ذہنی رجحان خالص مذہبی اور خانقاہی تھا۔ آپ دنیا اور دنیا کی چیزوں کو حقیر اور فانی سمجھتے تھے۔ انسانی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور لوگوں کی خدمت کو جانتے تھے۔

آپ کو عربی، فارسی زبان وادب پر عبور حاصل تھا۔ اس لیے آپ براہ راست عربی

Marfat.com

اور فارسی کی مذہبی کتب سے استفادہ کرتے تھے۔ ان کتب کے مطالعہ نے آپ کی طبیعت، مزاج، فکر اور دل پر گہرے نقوش مرتب کیے تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ قادریہ مسلک کے پیروکار تھے اور حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے بے حد عقیدت، محبت اور ارادت رکھتے تھے۔ آپ راسخ العقیدہ اہل سنت والجماعت تھے مگر وسیع المشربی اس قدر تھی کہ ہر فرقے، مسلک اور مذہب کے پیروکار آپ کے دوست اور مرید تھے۔ آپ مسلم اور غیر مسلم میں یکساں مقبول تھے۔ آپ غیر مقلدین کی صرف اُن باتوں کے مخالف تھے جو آپ کے عقیدے سے متصادم تھیں۔ آپ سختی سے شریعت کے پابند تھے اور اپنے مریدوں کو بھی شریعت کی پابندی اور اُسوہ حسنہ کی پیروی کی تلقین فرماتے تھے۔

روحانی اعتبار سے آپ بہت بڑے متقی، پرہیز گار، راست باز اور صوفی تھے بلکہ ابدال کے درجے پر فائز تھے۔ آپ نے یہ سب کچھ اپنے مرشد کی صحبت، سخت عبادت، ریاضت اور مجاہدہ سے حاصل کیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت پیر اشاہ غازی کا آپ پر خاص کرم تھا۔ آپ اُن سے بے حد عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔

ابدال:

صوفیا کے ہاں اولیاء اللہ کے سلسلۂ مدارج کا ایک درجہ ابدال ہے۔ ابدال کے اعمال و افعال عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اور اپنے زبردست اثر سے نظام عالم کو برقرار رکھنے کے کام میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ دین اسلام کے بہت بڑے مبلغ بھی ہوتے ہیں۔ صوفیانہ مسلک میں ابدال کا درجہ قطبِ اعظم کے درجے سے نیچے پانچواں درجہ ہوتا ہے۔ شاہ محمد ذوقی کے خیال کے مطابق ابدال سات ہوتے ہیں جو سات اقالیم پر متعین ہوتے ہیں۔ ان کا مشرب سات انبیاء علیہم السلام کے مشرب پر ہوتا ہے۔ اُن کا کام غربا اور علماء کی مدد معنوی اور عاجزوں کی فریاد رسی ہوتا ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ تصوف کی جملہ منازل طے کر کے ابدال کے درجہ پر فائز تھے۔ آپ کی ذات میں وہ تمام صفات واوصاف موجود تھے جو ایک ابدال کی ذات کا اہم حصہ ہوتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کا وصال:

حضرت میاں محمد بخش کے وصالِ حقیقی سے متعلق مختلف تذکرہ نگاروں اور مورخین نے مختلف تواریخ لکھی ہیں۔مثلاً

1	مولا بخش کشتہ	پنجابی شاعراں دا تذکرہ	۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۴ء
2	عبدالغفور قریشی	پنجابی ادب دی کہانی	۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۴ء
3	احمد حسین قریشی	پنجابی ادب کی مختصر تاریخ	۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۴ء
4	شفیع عقیل	پنجابی کے پانچ قدیم شاعر	۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۶ء
5	شریف کنجاہی	مقالہ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند	۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۶ء
6	میاں محمد سکندر	عارف کھڑی	۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۰۷ء
7	مشکور صابری	رسالہ وارث شاہ، ۱۹۷۷ء، ملتان	۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۷ء
8	بیگم فضل حسین	انٹرویو	۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۷ء
9	میاں محمد سرور	پنجابی ادب، ص ۱۰۸	۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۷ء

ان کے علاوہ حضرت میاں محمد بخش صاحب کے روضہ مبارک پر ایک شعر یوں کندہ ہے۔

تاریخ وفات حضرت میاں صاحبؒ:

سیرایں وآں بگو مغفور، ۱۳۲۴ھ

حضرت میاں محمد بخشؒ نے سیف الملوک میں خود تحریر فرمایا کہ اس قصہ کی تخلیق کے وقت اُن کی عمر ۳۳ برس تھی۔فرمایا:

عمر مصنف دی تد آہی تن داہے تن یکّے
بھین وڈی فرماندی آہی پتے رب نوں پکّے

ہجری سن کے مطابق سیف الملوک 1279ھ میں لکھی گئی۔اگر 1279 میں سے 33 منہا کر دیئے جائیں تو باقی 1246 بچتے ہیں یعنی آپ کی ولادت کا سن 1246ھ بنتا ہے۔اب اگر 1324 میں سے 1246 نکال دیئے جائیں تو باقی 78 رہ جاتے ہیں۔ چناچہ ثابت ہوا کہ آپ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر 78 برس تھی۔میاں محمد سرور نے پنجابی ادب میں نہ جانے کیوں آپ کی عمر 80 برس لکھ دی۔

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کے وصال کی صحیح تاریخ 7 ذوالحج 1324ھ بمطابق 21 جنوری 1907ء ہے۔جس کا ثبوت مولوی فقیر محمد جہلمی کے سراج الاخبار جہلم سے واضح انداز میں ملتا ہے۔ 29 جنوری 1907ء کو سراج الاخبار جہلم میں حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب کی رحلت کی خبر یوں شائع ہوئی۔

ایک ولی کی وفات:

''نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب درگاہی خانقاہ پیراشاہ صاحب (واقع علاقہ کھڑی شریف ریاست جموں) جو بڑے عابد زاہد اور صاحب درد وسوز تھے، 21 جنوری کی رات کو 12 بجے کے قریب اس دارفانی سے ملک جاودانی کو رحلت فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَo آپ کی ذاتی یادگار سے پنجابی زبان میں ہزاروں اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔ خاص طور پر سیف الملوک کا قصہ تو پنجاب کے ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں بڑی عظمت اور وقعت سے پڑھا اور سُنا جاتا ہے۔آپ نے تقریباً 80 سال کی عمر تجرد اور زہد کی حالت میں عشق حقیقی کے ذوق وشوق میں بالکل یکسوئی سے بسر کی ہے۔

آپ سلف صالحین اور مشائخ کرام کا نمونہ تھے۔آپ کی مجلس میں امیر وغریب سے یکساں برتاؤ دیکھے جاتے تھے۔ بدھ کے روز حج کے دن سے ایک روز پہلے آپ کا جنازہ ہزاروں کی جمعیت میں پڑھا گیا اور مسجد کے پاس مقبرہ حضرت پیرا شاہ غازیؒ کے دروازے کے باہر جنوبی طرف جہاں پہلے سے آپ نے قبر بنوا رکھی تھی آپ کو دفن کیا گیا۔''(30)

منشی قائم الدین نے حضرت میاں صاحب کی تصنیف ''ہدایت المسلمین'' کی تقریظ میں لکھا ہے:

جس دن حضرت میاں صاحب ولی ربانی
کیتا سفر عدم نوں اُسدن پیا اندھیر جہانی
تن دیہاڑے پئی رہی سی جگ وچ دُھندوکاری
سورج دی لو مدھم ہوئی وچ اندھیر غباری
اٹھیا شور جنازے اُتے آئی خلق ہزاراں
جمع ہوئے سن دُوروں پاروں سُن سُن کے اخباراں

Marfat.com

تیراں سے سن چوی آہا ہجرت پاک نبی دا
ستویں ماہ ذوالحج دسالاں سفر بزرگ ولی دا

مولوی نیاز احمد نیاز ساکن قصبہ کریانی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات نے حضرت میاں صاحب کی وفات پر فارسی میں طویل نظم لکھی۔جس کے چند اشعار یوں ہیں:

شیخ اوقات محمد بخش ھادی و مقتدا محمد بخش
در علوم تصوف و وحدت رہبر صوفیا محمد بخش
با تفریح نیازی خواہد حاجتش از خدا محمد بخش

1324ھ

حضرت میاں محمد بخشؒ کے نوادرات:

کھڑی شریف ساوی جھنگی کے احاطے میں آپ کے روضہ اقدس سے کچھ فاصلے پر ایک کمرہ ہے جسے حضرت میاں محمد بخشؒ کی ڈیوڑھی کہا جاتا ہے۔اس ڈیوڑھی میں آپ رہائش رکھتے تھے اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ڈیوڑھی کے بغل میں چلہ کشی والا حجرہ ہے اور صحن کے دوسری جانب ایک اصطبل ہے جہاں آپ اپنی گھوڑی باندھتے تھے۔ محکمہ اوقاف ریاست آزاد جموں و کشمیر نے آپ کے استعمال میں آنے والی اشیاء کو ایک کمرے میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔زائرین ان نوادرات کی زیارت کر کے دلی سکون اور روحانی خوشی محسوس کرتے ہیں۔اُن تبرکات میں سے چارپائی، جائے نماز، کوزہ، گھڑا، تخت پوش اور حجرے کا منقش دروازہ قابل ذکر ہیں۔

عرس مبارک:

حضرت میاں محمد بخشؒ کا عرس مبارک ہر سال ذوالحج کی سات تاریخ کو چک ٹھاکرا کھڑی شریف میں بڑے جوش وخروش اور اہتمام سے منایا جاتا ہے۔پوٹھوہار کے دُور دراز علاقوں سے زائرین بسوں، ویگنوں، کاروں میں اور پیدل چل کر عرس میں شریک ہوتے ہیں۔عقیدت مند نہایت احترام سے ڈالیاں سجا کر نذارنے کے طور پر پیش کرتے ہیں اور مزار پر سبز چادریں چڑھاتے ہیں۔گلّے میں نقدی، زیورات، پاؤنڈز اور ڈالرز ڈالتے ہیں۔ قوالوں کی مختلف ٹولیاں آپ کا کلام درد اور سوز سے گاتی ہیں۔اُن کے علاوہ سیف الملوک

Marfat.com

پڑھنے والوں کی مجلس سجتی ہے جس میں ترنم سے سیف الملوک پڑھنے والے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور منصفین سے انعامات پاتے ہیں۔ سیف الملوک پڑھنے کے سات انداز ہیں لیکن پہاڑی اور راگ درباری میں زیادہ پسند کی جاتی ہے۔

سیف الملوک پڑھنے والا جب کان پر ہاتھ دھر کر جذبات اور خلوص کے ساتھ درد بھری پُر سوز آواز میں گاتا ہے تو سننے والے وجد میں جھومنے لگتے ہیں۔ جو لوگ اشعار کی اندرونی رمز کو سمجھتے ہیں، اُن کی آنکھوں سے ترپ ترپ برسنے والے آنسوؤں کی برسات میں ان کی سفید داڑھیاں بھیگ جاتی ہیں، ہچکی بندھ جاتی ہے اور اس طرح ساری فضا آنسوؤں، دبی دبی سسکیوں اور آہوں میں ڈوب جاتی ہے۔

حوالہ جات:

1- حضرت میاں محمد بخش، تذکرہ مقیمی، اردو ترجمہ، ملک محمد، بوستان قلندری، ص46

2- ایضاً، ص48

3- ایضاً، ص62

4- میاں محمد بخش، سیف الملوک، ص 18

5- میاں محمد سکندر، عارف کھڑی، ص 35

6- حضرت میاں محمد بخش، تذکرہ مقیمی، اُردو ترجمہ، ملک محمد، ص32

7- حضرت میاں محمد بخش، قصہ شیریں فریاد، ص87

8- ایضاً، ص59

9- میاں محمد سکندر، عارف کھڑی، ص93

10- میاں محمد بخش، قصہ سوہنی مہینوال، ص64

11- محبوب علی پریشان، مقدمہ سیف الملوک، ص546

12- منشی قائم الدین، تقریظ ہدایت المسلمین، ص109، 108

13- رسالہ وارث شاہ، میاں محمد بخش نمبر، ص117

14- میاں محمد بخش، سیف الملوک، ص35

Marfat.com

15- سلطان باہو، ابیات سلطان باہو، مرتبہ: سلطان الطاف علی، ص99

16- شاہ حسین، کافیاں مادھولال حسین، مرتبہ: ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، ص68

17- بلھے شاہ، کلیات بلھے شاہ، مرتبہ: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، ص300

18- محبوب علی پریشان، دیباچہ سیف الملوک، ص512

19- سراج الاخبار، جہلم، تاریخ 12 فروری 1907ء، ص9

20- رسالہ وارث شاہ، میاں محمد بخش نمبر، ص114

21- میاں محمد بخش، مثنوی نیرنگ عشق، ص4

22- حضرت میاں محمد بخش، مضمون اصغر ملک، روزنامہ مشرق، 22 نومبر 1974ء

23- حضرت میاں محمد بخش، سیف الملوک، ص15

24- حضرت میاں محمد بخش، قصہ شیریں فرہاد، ص80

25- میاں محمد سکندر، عارف کھڑی، ص62, 63

26- محبوب علی پریشان، دیباچہ سیف الملوک، ص364

27- محبوب علی پریشان، دیباچہ سیف الملوک، ص524, 525

28- دیباچہ سیف الملوک، ص51-56

29- زیبا قریشی، حضرت میاں محمد بخش تے اوہناں دا پیغام، مقالہ: ایم-اے پنجابی، ص59

30- سراج الاخبار جہلم، 29 جنوری 1907ء ص4

Marfat.com

تصانیف حضرت میاں محمد بخشؒ

حضرت میاں محمد بخشؒ وہبی شاعر تھے۔ قدرت نے اُنہیں شاعری کا ملکہ ودیعت فرمایا تھا۔ لہٰذا انہیں اکتساب شعر کے لیے کسی دشواری، رکاوٹ اور دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ آپ جب سموال شریف کی درسگاہ میں طالب علم تھے۔ اس زمانے میں شعر موزوں کرتے تھے کیونکہ انہیں حافظ غلام حسین اور حافظ نور حسین کی شاگردی اور صحبت میں شاعری کے لیے سازگار ماحول میسّر آ گیا تھا۔ اُس زمانے میں آپ نے چند ایک مفرد اشعار کہے۔ یہ اشعار فارسی، اُردو، پنجابی زبان میں تھے۔ آپ کے معجز بیان قلم سے مندرجہ ذیل تصانیف منصۂ شہود پر نمایاں ہوئیں:

1- سی حرفی:

ان اشعار کے علاوہ آپ نے ایک سی حرفی بھی لکھی۔ جو آپ کی زندگی میں شائع ہوئی پھر آپ کی وفات حسرت آیات کے وقت مطبع گجرات پریس (واقع گجرات) سے 1324ھ بمطابق 1907ء میں دوبارہ شائع کی گئی۔ اس سی حرفی کے 8 صفحات اور 30 بند ہیں۔ ہر بند میں چار چار مصرعے ہیں۔

پنجابی میں سی حرفی کی روایت بہت قدیم ہے۔ اس لیے پنجابی میں سینکڑوں سی حرفیاں شائع شدہ مل جاتی ہیں۔ ان سی حرفیوں میں مدحیہ، نعتیہ، منقبتیہ، مذہبی، صوفیانہ، اسلامی، اخلاقی، سماجی، کربلا نامے، عشقیہ، داستانی، معاشرتی اور سیاسی مضامین بیان کیے گئے ہیں۔

پنجابی میں سی حرفی لکھنے والے شعرا کرام میں سے شاہ میراں جی، حضرت سلطان باہوؒ، ہاشم شاہؒ، نور احمد چشتیؒ، شیر شاہ بہبلؒ، مولوی عبدالستار، شہاب الدین، میاں ہدایت اللہ، بردا پشاوری، احمد علی سائیاں، سید فضل شاہ، میاں محمد چاندی، محمد شفیع، غلام نبی، احمد علی، محمد بوٹا گجراتی، شیر محمد، خلیفہ قمر، حکیم گاموں، اللہ دتہ، علی حیدر ملتانی، سید غلام قادر، ملکھی رام، پیر بخش، امام دین منشی، ٹھاکر داس اور میاں محمد بخشؒ خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کے قلم سے لکھی ہوئی 9 سی حرفیاں ملتی ہیں۔ جن میں سے 7 سی حرفیاں آپ کی کتاب پنج گنج میں شامل ہیں۔ ایک سی حرفی علیٰحدہ اور ایک سی حرفی قصہ شیخ صنعان کے ساتھ شائع ہوئی۔ علاوہ ازیں آپؒ نے تین قصے قصہ شاہ منصور، قصہ سخی خواص خان اور قصہ سسی پنوں سی حرفی کی صنف میں لکھے ہیں۔ اس سی حرفی کا ایک بند ملاحظہ ہو:

ص: صبر نہ آوندا اِک گھڑی گجھی عشق چلائے ہے سانگ مینوں
پیلا رنگ وسار دے وانگ ہویا جدوں ڈنگیا عشق دے نانگ مینوں
شیشہ عقل شعور دا چُور ہویا اَٹھے پہر رہندی تیری تاہنگ مینوں
جھب آ محمدا ہادیا وے توں لا جائیں کسے ٹانگ مینوں(1)

اس پہلی سی حرفی کے بعد آپ کی لکھی ہوئی سی حرفیوں میں کلام کی پختگی، تصوف کا رنگ، خیالات میں بلندی، گہرا مشاہدہ، وسیع تجربہ اور الفاظ کا مناسب موزوں استعمال ملتا ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے ان سی حرفیوں میں معرفتِ الٰہی کے قیمتی موتی پروئے اور تصوف کے رنگ برنگے پھول کھلائے ہیں۔ آپؒ کا من پسند مضمون فناہ ہے یعنی کائنات اور اس کی ہر شئے فانی اور عارضی ہے، ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کسی شئے کو ہمیشگی اور بقا حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں:

ت: تاج تے تخت سُہان والے اوہ بھی لشکراں سنے وہا گئے
جیہڑے خان دیوان کہاوندے سن اوہ بھی ملک تے راج گوا گئے
جیہڑے رستم دست دلیر آہے جاندی وار بے زور سدا گئے
پھُلاں جیہے محمدا خوب بانکے اوہ بھی خاک دے وچ سما گئے(2)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ
ترجمہ: ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے)

اس مقدس آیت کے مضمون کو حضرت میاں محمد بخشؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

ط: طرف جہان دی نظر کرو کیہڑی چیز اتھے پائیدار میاں
کس کھیتیاں ساویاں خود آہیاں سب ہوئیاں لکھاں ہار میاں
بھلکے وڈھ کے گاہ کے گھاہ کرسن جھل واؤ وچھوڑسی یار میاں
دانہ کتے محمدا بھھو کتے نظر آوسی نہ اک سار میاں (3)

Marfat.com

2- باراں ماہ:

حضرت میاں محمد بخشؒ کی دوسری تصنیف باراں ماہ ہے جو سب سے پہلے شوکت بک ڈپو گجرات سے شائع ہوئی۔ اس کے کل چار صفحات ہیں۔ بعد ازاں نور اینڈ سنز تاجران کتب جہلم نے باراں ماہ، پنج گنج اور قصہ سسّی پنوں یکجا کر کے شائع کر دیا۔ یوں صفحات کی کُل تعداد 88 ہو گئی۔

باراں ماہ پنجابی کی بہت قدیم صنف ہے۔ اس صنف میں شاعر ہر مہینے کا نام لے کے محبوب سے جُدائی کے درد و کرب اور انتظار کی تکلیف کو سوز و گداز سے بیان کرتا ہے۔ شاعری کی اس صنف کی خاص خوبی یہ ہے کہ ہر مہینے کی خصوصیات اور اس کے موسمی اثرات کے ساتھ شاعر اپنے دل میں پیدا ہونے والی روحانی اور جذباتی تبدیلیوں کو کھل کر بیان کر سکتا ہے۔

مثال کے طور پر ہمارے دیس پنجاب میں پوہ سخت سردی کا مہینہ ہوتا ہے۔ ہر طرف ٹھنڈی یخ ہوائیں چلتی ہیں اور کُہر جمتی ہے۔ ہوا کے ٹھنڈے اور تیز جھونکوں سے سارے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ اس شدید موسم میں ایک نئی نویلی دلہن کے دل پر محبوب سے جُدائی کے لمحات کیسے گزرتے ہیں، ان کا حال سید وارث شاہ باراں ماہ میں یُوں بیان کرتے ہیں:

پوہ: پوہ ماہ وِچ کدی جان میری میں اکلڑی سیج اُتے سوونی ہاں
مینوں رونڈیاں رات وہا جاندی، فجر ہووے تے اُٹھ کھلوونی ہاں
جس وقت کوئی گھر نہیں ہوندا تاں میں بیٹھ نویکلی روونی ہاں
رانجھا نظر نہ آوندا مُول مینوں وارث ہنجو دے ہار پروونی ہاں(4)

پنجابی میں تین طرح کے باراں ماہے لکھے گئے:

پہلی قسم کے وہ باراں ماہے ہیں جو شمسی مہینوں کے ناموں پر لکھے گئے ہیں مثلاً چیت، وساکھ وغیرہ، دوسری قسم کے باراں ماہے قمری مہینوں کے ناموں پر ہیں مثلاً محرم، صفر، ربیع الاوّل وغیرہ اور تیسری قسم کے باراں ماہے انگریزی مہینوں کے ناموں پر لکھے گئے ہیں مثلاً جنوری، فروری، مارچ وغیرہ۔ سید غلام احمد نوشاہی کا باراں ماہ انگریزی مہینوں کے ناموں سے لکھا گیا ہے۔ وہ ماہ جون کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

Marfat.com

جون جدائی یار دی مینوں دل دل مارے تیر
میں چنتے فکر اندیشیاں کیتی سخت زہیر
تیری بے پرواہیوں صاحبا میرا ڈردا رہے سریر
میں بے کس بہت لاچار ہاں میرا نال تیرے ہے سیر
توں شاہنشاہ ہیں قادری میں مسکین فقیر
میری لج رکھیں گل اپنے تینوں واسطہ ربّ قدیر
رکھی جھولی پیر دل احمدا پاؤ خیر فقیر
مغلوب رکھیّں سب دشمناں غالب رہے ایہہ پیر (5)

اکثر شاعروں نے شمسی مہینوں کے ناموں سے باراں ماہے لکھے ہیں، انہوں نے چیتر ماہ سے باراں ماہ کا آغاز کیا ہے مگر سید بُلھے شاہؒ نے باراں ماہ کا آغاز اسوں ماہ سے کیا ہے:

اسوں لِکھوں سندیسوا واچے مورا پی
مگن کیا تم کاہے کو جو مکمل آیا جی
اسوں اساں تساڈی آس
ساڈی جند تساڈے پاس (6)

موضوع کے اعتبار سے باراں ماہ صنف کا دامن بے حد وسیع ہے۔ شعرا نے ہر رنگ، ہر ڈھنگ کے مضمون اس صنف میں بیان کیے ہیں۔ تاہم بہت سے شاعروں نے محبوب سے جُدائی میں پیش آنے والی کیفیات کی ترجمانی کی ہے۔ صوفیا کرام نے اس جُدائی کو تصوف کا رنگ دے کر جزو کا کُل سے بچھڑنا ظاہر کیا ہے۔ جس طرح حضرت میاں محمد بخشؒ نے وحدت الوجود کا مسئلہ ماگھ مہینے میں یُوں بیان فرمایا ہے:

مانگھ مہینہ یار نگینہ ہرگت اندر وسدا نی
ہر ہر اندر ہر دی صورت ہر گُر بن کے دسدا نی
گُرتھیں گت سِکھو سُکھ پائیو گو اصلی مقصد دسدا نی
کرو قیاس محمد ماہی کول گواہنڈے وسدا نی (7)

Marfat.com

3۔ قصہ سوہنی مہینوال:

سوہنی مہینوال کی عشقیہ داستان کا تعلق پنجاب کے مشہور شہر گجرات سے ہے۔ مرزا عزت بیگ بلخ بخارے کا سوداگر گجرات آیا۔ سوہنی کو دیکھتے ہی دل دے بیٹھا۔ اس کے عشق میں سب دولت گنوا کر فقیر ہو گیا۔ سوہنی کی بھینسیں چرانے لگا اور مہینوال بن گیا، سوہنی کی شادی کسی اور سے ہو گئی تو دریائے چناب کے دوسرے کنارے جھونپڑی بنا کر فقیروں کی طرح رہنے لگا۔ سوہنی رات کے وقت اس سے ملنے جاتی تھی۔ ایک رات کچے گھڑے کی وجہ سے سوہنی چناب میں ڈوب گئی تو مہینوال بھی دریا میں چھلانگ لگا کر ڈوب گیا۔ یوں ان کا عشق اَمر ہو گیا۔

پنجاب میں یہ رومان بے حد مشہور ہوا تو بہت سے شاعروں نے اپنے اپنے انداز میں اسے نظمایا۔ ان میں ہاشم شاہ، احمد یار، قادر یار، سید فضل شاہ، میاں محمد بخشؒ، محمد بوٹا گجراتی، چراغ دین، غمناک، سائیں فیروز، میاں احمد دین منڈھیالوی، امیر علی شاعر، میراں شاہ جالندھری، چتر داس، بھگوان سنگھ، دائم اقبال دائم، خیر محمد، سدا رام، گنگا رام، فضل دین حجام مشہور ہیں۔ ان تمام شاعروں میں سے ہاشم شاہ (1753ء تا 1833ء) سید فضل شاہ (1827ء تا 1890ء) اور حضرت میاں محمد بخش (1830ء تا 1907ء) کے لکھے ہوئے قصے سوہنی مہینوال بہت مشہور ہوئے۔ سید فضل شاہ، حضرت میاں محمد بخش کے ہم عصر تھے۔ سید فضل شاہ نے سوہنی مہینوال کا قصہ 1265ھ میں لکھا۔ اُن کے بعد حضرت میاں محمد بخشؒ نے یہی قصہ 1273ھ میں نظم کیا۔ لیکن حضرت میاں صاحب کے سامنے حافظ برخوردار، ہاشم شاہ، احمد یار اور قادر یار کے لکھے ہوئے قصے تھے، سید فضل شاہ کا لکھا ہوا قصہ نہیں تھا۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے قصہ میں اُن شاعروں کا ذکر کیا ہے جن کے لکھے ہوئے قصے انہوں نے دیکھے تھے، فرماتے ہیں:

مالک ملک سخن دا حافظ برخوردار
دوجا ہاشم شاہ سی وچ ملک اشعار
فیر ولایت شعر دی لے لئی احمد یار
قادر یار محمدا کیتی چھیکڑ وار
شاعر بھلے جہان تے کر کر گئے سخن
لعل جواہر ساریاں چھنڈے دُر عدن (8)

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ نے دو وجوہ کی بنا پر قصہ سوہنی مہینوال تخلیق کیا۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ اُن کا مخلص دوست کالا نامی پہلوان تھا جو خوبصورت ڈیل ڈول والا کڑیل جوان تھا۔ اُس کے ساتھ آپ کبھی کبھی ورزش، زور آزمائی اور کُشتی لڑتے تھے۔ اس کی آپ سے فرمائش تھی کہ قصہ سوہنی مہینوال لکھیے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت میاں صاحب نے سوہنی مہینوال کے جتنے بھی قصوں کا مطالعہ فرمایا تھا ان میں سے کوئی بھی مکمل نہ تھا۔ اس کے علاوہ ان میں قصہ پن، کردار نگاری، جذبات نگاری اور شاعرانہ فنی مہارت کا فقدان تھا۔ اس لیے آپ کو ایک مکمل قصہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپ فرماتے ہیں:

سچو سچ سناوساں جو گل ورتی سی
جیونکر اگے شاعراں مختصر دسی
کول گواہاں ہُندیاں کیونکر کوڑ رسی
کُوڑی گل محمدا نہ وچ چت وسی(9)

حضرت میاں محمد بخشؒ نے اسی روایتی قصہ کو نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں لکھا۔ قصہ گوئی، کردار نگاری، جذبات نگاری اور منظر نگاری کو پیشِ نظر رکھا۔ یہ حضرت میاں صاحبؒ کی پہلی باقاعدہ تصنیف ہے جس میں اشعار کی کُل تعداد 1193 ہے اور یوں آپ کی قصہ نگاری کا آغاز 1273ھ میں ہوا۔

حضرت میاں محمد بخشؒ نے دیگر تمام شعرا کی طرح صرف رومان اور لذت کشی کو پیشِ نظر نہیں رکھا۔ وہ چونکہ ایک عالمِ دین، صوفی اور دینِ اسلام کے مبلغ تھے، اس لیے انہوں نے اس رومانی قصے میں بھی موقع محل کے مطابق دینی مسئلے اوز پند و نصائح بیان کیے ہیں۔ آپ نے وحدت الوجود، عاجزی اور غرور جیسے مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً وحدت الوجود سے متعلق فرمایا:

ایویں نام مجاز دا عشق حقانی کُل
بلبل دا دل ٹھگدا کر جلوہ وچ گُل
آدم جزو ہک اوس تھیں اوہ ہے آپے کُل
ایہہ اوکھی رمز محمدا کیونکر دساں کھُل(10)

علاوہ ازیں آپ نے اپنے مرشد کا احترام، مجاز ہی حق کی ظاہرہ صورت ہے، سب

Marfat.com

لوگ سُکھ کے ساتھی ہیں دُکھ کا ساتھی کوئی نہیں۔ حسن اور عشق لازم و ملزوم ہیں اور انسانی زندگی عارضی و فانی ہے جیسے مضامین بیان کیے ہیں:

مان نہ کیجے حُسن دا حُسن نہ چلسی توڑ
کوئی دن اس دی دوستی اوڑک جاسی چھوڑ(11)

4۔ تحفہ میراں:

حضرت میاں محمد بخشؒ نے تحفہ میراں 1274ھ میں تصنیف فرمائی۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

سن مبارک ہجری آہا باراں سو چوہتر
جاں تصنیف محمد کیتا ایہہ مبارک دفتر

قبل ازیں حضرت میاں محمد بخشؒ سی حرفی، باراں ماہ اور قصہ سوہنی مہینوال لکھ چکے تھے۔ اس لیے تحفہ میراں کی تخلیق کے وقت آپ کی شاعری کا فن ارتقائی منازل طے کرتا دکھائی دیتا ہے اور اشعار میں فنی پختگی صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ زبان میں روانی، علمِ بیان اور علم بدیع کا استعمال آپ کے بیان میں حسن اور وسعت پیدا کرتا ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ قادریہ سلسلے کے پیروکار تھے اور حضرت قطب الاقطاب، غوث الغیاث، فرد الاحباب، غوثِ الاعظم، غوث الثقلین محی الدین ابو محمد عبدالقادر الحسنی الحسینی الجیلانی قدس سرہ سے بے پناہ عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ جس کا اظہار تحفہ میراں کے آغاز سے ہی ملتا ہے۔ فرماتے ہیں:

توڑے ہاں میں عاجز بندہ لکھ گناہاں بھریا
تحفہ میراں جی دا آندا جے کجھ میں تھیں سریا
میں کجھ منگ نہ سکاں میراں آپے کرم کماؤ
لائق شان اپنی دی مینوں خیر جنابوں پاؤ(12)

حضرت غوث الاعظم کے ان گنت مناقب ہیں جو مختلف کُتب میں درج ہیں لیکن حضرت میاں محمد بخشؒ نے تحفہ میراں میں صرف 80 مناقب کا ذکر اشعار میں کیا ہے۔ حضرت میاں صاحب نے ان مناقب کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

پہلی احتیاط یہ کی ہے کہ صرف ان مناقب کا انتخاب کیا ہے جن کا ذکر مختلف مستند

Marfat.com

کُتب میں موجود ہے۔ اسی لیے آپ نے تحفہ میراں میں جگہ جگہ ان کُتب اور رسالوں کے حوالے بھی دیے ہیں۔ دوسری احتیاط یہ کی ہے کہ آپ نے اپنے دَور کے ماحول، لوگوں کے مزاج، تہذیب و معاشرت اور عقائد و نظریات کے تقاضوں کے پیشِ نظر مناقب کا انتخاب کیا ہے تا کہ قارئینِ کرام کے دلوں میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی محبت اور عظمت جاگزیں ہو جائے۔ آپ کی کرامات سے روشناسی ہو جائے۔

قادریہ سلسلے کے معتقدین کا سب سے بڑا عقیدہ یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم سے رسُولِ کریم ﷺ معراج شریف پر تشریف لے جانے کے لیے براق پر سوار ہونے لگے تو سیدنا غوثِ الاعظم دستگیرؒ کی روح ظاہر ہوئی۔ حضور پُرنور ﷺ اس روح کے کندھوں پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے۔ فرماتے ہیں:

روح مقدس میراں جی دا تاں اس ویلے آیا
کاہندے چاڑھ نبی صاحب نوں اُپر زین بچایا (13)

سرورِ کونین، شافعِ محشر رسول اللہ ﷺ نے آپؒ کے حق میں دعا فرمائی ''آپ تمام اولیا کرام کے سلطان ہوں گے اور سب اولیاء کرام کی گردنوں پر آپ کے قدم مبارک ہوں گے'':

شفقت کر پیغمبر کہیا یا فرزند پیارے
توں سلطان ولیاں ہوسیں چاکر تیرے سارے
گردن اپنی تے تدھ رکھے قدم مبارک میرے
کُل ولیاں دی گردن اُتے قدم ٹکاساں تیرے
ایہہ عنایت میراں تائیں جد اشرف تھیں آئی
جے کوئی شک لیاوے اس وچ جانو سو گمراہی (14)

چنانچہ جس وقت حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ کے کندھوں پر رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک کے نشان تھے۔ حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں:

جاں دُنیا تے آیا میراں روزہ دار سی جم دا
گردن اُوپر آہا اس نون ظاہر اثر قدم دا

Marfat.com

جیونکر مہر نُبوت والی آہی نبی نشانی
تیویں اثر قدم دا آہا حضرت شاہ جیلانی(15)

حافظ ابوالعزیز عبدالمغیث بن حرب البغدادیؒ سے روایت ہے:

ہم لوگ حضرت غوث الاعظمؒ کی اس مبارک مجلس میں حاضر تھے جس میں آپ نے فرمایا۔ "قدمی هذه علي رقبة كُل ولی الله" یہ مجلس محلّہ حلبہ میں جہاں آپ کا مہمان خانہ تھا منعقد تھی۔ اس مقدس مجلس میں جلیل المرتبت پچاس مشائخ عظام موجود تھے اور آپ سب حضرات کے سامنے وعظ فرما رہے تھے کہ اُسی وقت آپ نے قدمی هذه علی رقبة كُل ولی اللہ فرمایا یعنی میرا قدم ہر ایک ولی کی گردن پر ہے۔ یہ سن کے حضرت شیخ علی بن الہیتیؒ اُٹھے اور منبر شریف کے پاس جا کر آپ کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھ لیا۔ بعد ازاں تمام حاضرین نے آگے بڑھ کر اپنی گردنیں جھکا دیں۔(16)

مختلف کتب مثلاً تفریح الخاطر (ص 20) شمائم امدادیہ (ص 43) قلائد الجواہر (ص 24) بجگالاسرار (ص 9) نفحات الانس ص (353) میں یہ واقعہ درج ہے اور بتایا ہے کہ اس وقت جو اولیا کرام مجلس میں حاضر نہ تھے جب انہوں نے یہ ارشادات سُنے تو اُسی وقت اپنی گردنیں جھکا دیں۔

حضرت محی الدین محبوب سبحانیؒ کا اسم مبارک عبدالقادر اور کنیت ابومحمد تھی۔ آپ کی ولادت باسعادت 470ھ کو بغداد کے قصبہ جیلان میں ہوئی آپ کے والد ماجد حسنی اور والدہ ماجدہ حسینی تھیں۔ آپ کا شجرہ نسب سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریمؓ سے ملتا ہے۔ آپ نے 91 برس کی عمر میں 561ھ کو رحلت فرمائی۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے اَن گنت خوارق عادت ظہور پذیر ہوئے۔ سلسلۂ قادریہ کا آغاز آپ کی پاک ذات سے ہوتا ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ نے تحفہ میراں (جس میں کُل اشعار کی تعداد 1408 ہے) مختلف کتب کے مطالعہ کے بعد لکھی۔ جس کا ثبوت تحفہ میراں کے ان اشعار سے ملتا ہے جن میں ان کتب کا ذکر موجود ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

1- وچ مخزنؔ اسرار نظامی دتی خبر تسانوں
شب معراج شہنشاہ ساڈے کھڑیا نال اسانوں

(مخزن الاسرار، نظامی گنجوی)

Marfat.com

-2 وچ اسرار السالکین ویکھو ایہہ گواہی
ہکدن میراں نکل شہروں ہوئے کتے ول راہی
(اسرار السالکین، جنید بغدادی)

-3 شواہد النبوۃ اندر حضرت عارف انامی
عبدالرحمٰن مولا میرا لقب جیہناں دا جامی
(شواہد النبوۃ، عبدالرحمٰن جامی)

یوں اشعار میں حضرت میاں محمد بخشؒ نے کل 24 مآخذات کا ذکر فرمایا ہے جن کے مطالعہ کے بعد تحفہ میراں تخلیق کی گئی۔ ان سب میں سے تفریح الخاطر اور تحفہ میراں کا اگر موازنہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت میاں صاحب نے اس کتاب سے بہت زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے۔ کیونکہ دونوں کتب میں درج بہت سے مناقب آپس میں ملتے ہیں۔

حضرت میاں محمد بخشؒ نے عربی اور فارسی میں لکھی گئی مندرجہ بالا کتب سے استفادہ کیا تھا۔ لامحالہ آپ کے اسلوب نگارش میں عربی، فارسی الفاظ کا در آنا ایک قدرتی اَمر تھا۔ لہٰذا آپ نے خاص طور اس کتاب میں عربی اور فارسی کے زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ دوسرے موضوع کا تقاضا بھی یہی تھا کہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے مناقب بیان کرنے کے لیے پُرشکوہ اور شاندار الفاظ کا استعمال ضروری تھا۔ اس لیے زبان اور بیان کے اعتبار سے تحفہ میراں پنجابی ادب کا قیمتی اثاثہ ہے۔

5۔ قصہ شیخ صنعان:

تحفہ میراں کی تکمیل کے بعد حضرت میاں محمد بخشؒ نے قصہ شیخ صنعان لکھنا شروع کیا۔ یہ قصہ بھی دراصل ''تحفہ میراں'' کا ہی ایک حصّہ ہے اور حضرت غوث الاعظمؒ کے مناقب کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں ایک واقعہ کو لمبا کر کے قصے کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قصہ شیخ صنعان کا واقعہ یوں ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے ایک روز اپنے وعظ میں فرمایا: "قدمی ھذہ علی رقبۃ کُل ولی اللہ" تمام حاضرین نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ جو لوگ مجلس میں موجود نہ تھے انہوں نے جب یہ ارشاد سُنا تو اپنی گردنیں خم کر دیں۔ مگر ایک ولی اللہ شیخ صنعان نے اپنی گردن نہ جھکائی۔ کیونکہ اُسے اپنے زہد و تقویٰ پر بڑا غرور تھا۔ اُس نے کعبہ میں پچاس برس عبادت کی تھی اور بہت سی کُتب کا مصنف تھا۔

Marfat.com

ایک مرتبہ شیخ صنعان اپنے دو مریدوں شیخ فریدالدین عطار اور شیخ محمود تریوی کے ہمراہ حج کو جا رہا تھا کہ راستے میں ترسائیوں کا ایک شہر آیا جہاں وہ ایک خوبصورت ترسائی لڑکی کو دیکھ کر عاشق ہو گیا۔ عشق میں دن رات رونے دھونے لگا ترسائیوں سے بات کی تو انہوں نے ایک شرط رکھی کہ شیخ صنعان جنگل سے ایک سُور پکڑ کر اپنے کندھوں پر اُٹھا کر ہمارے پاس لائے تو لڑکی کی شادی اس سے کر دی جائے گی۔ شیخ صنعان نے ایسا ہی کیا اور اس کی شادی اس لڑکی سے ہو گئی۔ وہ شراب، کباب اور جماع میں مست رہنے لگا۔ شیخ فرید الدین عطار بغداد گیا اور سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے قدموں میں گر کر معافی کا خواستگار ہوا اور شیخ صنعان کی سفارش کی۔ انہوں نے معاف کر دیا۔ شیخ صنعان ہوش میں آ گیا۔ بغداد جا کر غوث الاعظم سے معافی کا خواستگار ہوا اور حضرت کے قدم مبارک خود پکڑ کر اپنی گردن پر رکھے:

غضب الٰہی غضب تساڈا جگ پر ساڈا قصہ
کرو معاف بے ادبی حضرت بخشو لُطفوں حصہ

پنجابی زبان میں قصہ شیخ صنعان کسی ادیب اور شاعر نے نہیں لکھا۔ صرف حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے پنجابی زبان میں پہلی مرتبہ یہ قصہ تحریر فرمایا۔ آپ سے پہلے کشمیری زبان میں یہ قصہ محمود گامی پھر عزیز اللہ حقانی نے ضرور لکھا تھا۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے یہ قصہ 1274ھ میں تصنیف فرمایا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے قلم میں اس قدر روانی پیدا ہو گئی تھی کہ ایک سال میں دو قصے لکھ ڈالے۔ کیونکہ قصہ شیخ صنعان بھی اسی سال میں لکھا گیا۔ جس میں کُل اشعار 1582 ہیں۔ حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں:

تم ہویا صنعانی قصہ نال اللہ دی یاری
ایویں ہر ہر کارج میرا اوہا سدا سنواری
باراں سو چوہتر آہے سن تاریخ لکھاواں
نام محمد شاعر سندا عاجز شخص نتھاواں(17)

حضرت میاں صاحب شاعری میں سادگی کے قائل تھے اس لیے انہوں نے اپنے قصوں میں الفاظ کی سادگی اور اسلوب بیان کی روانی کا ہمیشہ خیال رکھا۔ کیونکہ انہیں بخوبی علم تھا کہ پنجابی شاعری عوام کی شاعری ہے، عوام کے لیے ہے اور عوام اس قدر پڑھے لکھے نہیں ہیں کہ اشعار میں مستعمل تلمیحات، استعارات اور تشبیہات سے لُطف اندوز ہو سکیں۔ یہی وجہ

Marfat.com

ہے کہ انہوں نے اپنے مخاطب طبقہ کی ذہنی اور علمی سطح کو ملحوظ خاطر رکھا۔ آپ فرماتے ہیں:

سادا شعر پسند عواماں سمجھن نال تکلیفاں
عالم فاضل پڑھدے ناہیں ایہہ ہندی تصنیفاں
ہر بیتے وچ صنعت پاواں قوت رب تھیں مینوں
عام نہ سمجھن پڑھن نہ عالم لِکھ لِکھ دساں کیہنوں (18)

حضرت میاں صاحب سے پہلے پنجابی کے چند شاعروں خاص طور پر احمد یار مرالوی (1768ء تا 1845ء) نے اپنے قصہ یوسف زلیخا میں مختلف صنعتوں کو استعمال کیا تو حضرت میاں صاحب کو خیال آیا کہ میرا کلام پڑھنے والے کہیں اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں کہ میں ان صنعتوں کے استعمال سے ناواقف ہوں۔ لہٰذا انہوں نے پہلی مرتبہ قصہ شیخ صنعان میں چند صنعتوں کو استعمال کیا۔ خاص طور پر صنف تجنیس سے خاصا کام لیا۔ شعر ملاحظہ ہو:

مہرا ویکھ دہن دا زُہرہ زہرہ زہر ہو جاوے
ملک فلک دے تک نہ سکدے کھوہ غبغب مت پاوے
لب لالی تک لُو لُو لا لا لعل لکے شرمک کے
لالہ ٹوپہ لاہ لاہ سُٹے لہہ لہہ چہرہ تک کے
مِرگ نیناں دے مار کٹاراں مرگ گھتن جیوں جنگی
وانے ویکھ ہودن دیوانے اس پر تم محبوبی (19)

اشعار میں صنعت تجنیس کے استعمال کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شعر میں چند ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن کا تلفظ ایک جیسا ہوتا ہے مگر ان کے معانی مختلف ہوتے ہیں جو شعر میں لطف پیدا کرتے ہیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے صنعت تجنیس سے اس قصہ میں خوب کام لیا ہے:

لڑیا کالا ناگ پرم دا لُوں لُوں بس سمانی
بیدل دا بے دلبر جانی بیدن بید نہ جانی
لڑکی کہندی لڑکے شیخا میں تیرا لڑ پھڑ کے
ہُن میں تدھ بن جالاں جیوں وچ جالاں مچھی (20)

اس کے علاوہ کلام میں ایجاز و اختصار پیدا کرنے کے لیے تشبیہات، استعارات

Marfat.com

اور تلمیحات سے کام لینا پڑتا ہے۔ حضرت میاں صاحب نے علم بیان کی ان مختلف صورتوں سے بھی خوب کام لیا ہے اور اپنے کلام کو مزین کیا ہے۔

6۔ مثنوی نیرنگ عشق:

یہ ایک حقیقت ہے کہ ملا غنیمت کنجاہی کی مثنوی نیرنگ عشق فارسی زبان کا شاہکار ہے۔ اس مثنوی کا مطالعہ حضرت میاں محمد بخشؒ کے ایک دوست اور مرید سید باقر علی شاہؒ نے کیا تو حضرت سے درخواست کی کہ اس مثنوی کو پنجابی شاعری میں ترجمہ کریں۔ حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں:

عجب گل لالہ حیدر دے چمن دا
نہیں آوے شمار اُس دے حُسن دا
منور چن احمد شاہ دے برجوں
سچا موتی محمد شاہ دے دَرجوں
رنگیلا قد جیوں کر سرو آزاد
عجب داڑھی چمن دا سبزہ زار
دو مچھاں تیز جیوں خمدار شمشیر
پری دے دل تائیں زخمی کرن گھیر
محمد جاں ہویا ایہہ نسخہ اتمام
سنو نیرنگ عشق اس دا کریسیا نام
لکھاں تاریخ آسان تاں نہ ہو رنج
ستر باراں اتے ہور بھی پنج(21)

ملا غنیمت کنجاہی نے یہ شہرہ آفاق مثنوی 1096ھ میں لکھی۔ جبکہ اس کا پنجابی اشعار میں ترجمہ حضرت میاں صاحب نے 1275ھ میں فرمایا اور اس ترجمے کے کل 1304 اشعار ہیں۔

اس مثنوی میں شاہد اور عزیز کی عشقیہ داستان ہے۔ عزیز لاہور کے والی مکرم خان کا بیٹا تھا اور شاہد کنجاہ کے نزدیک ایک گاؤں ماجرہ کا رہنے والا تھا۔ وہ کرم علی فقیر کا بیٹا تھا اور بے حد خوبصورت تھا۔ وہ بڑا ہو کر ناچنے گانے والے ٹولے میں شامل ہو گیا۔ مکرم خان کا بیٹا

Marfat.com

عزیز اُسے دیکھتے ہی اُس پر عاشق ہو گیا۔ مکرم خان کو پتہ چلا تو اُس نے شاہد اور اس کے ٹولے کو شہر سے باہر نکال دیا۔ عزیز اُس کی جدائی میں بیمار پڑ گیا۔ نواب مکرم خان نے مجبوراً شاہد اور اس کے ساتھیوں کو واپس بلایا اور اپنی ایک حویلی میں رہنے کی اجازت دے دی۔

عزیز خان نے شاہد کو تعلیم دلوائی اور علوم وفنون سکھائے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر شاہد اجازت لے کر اپنی بوڑھی ماں سے ملنے گاؤں چلا گیا۔ عزیز خان اس کی جدائی برداشت نہ کر سکا تو والد سے اجازت لے کر شکار کھیلنے کے بہانے شاہد کے گاؤں پہنچ گیا۔ دونوں چند دن ہنسی خوشی گاؤں میں گزار کر واپس آ گئے۔ چند دنوں بعد دونوں شکار کرنے کے لیے جنگل میں گئے۔ شاہد کو ایک ہرن دکھائی دیا تو اُس نے اپنا گھوڑا اُس کے پیچھے ڈال دیا۔ ہرن اُس کے قابو میں نہ آیا مگر وہ راستہ بھول گیا اور چلتے چلتے ایک گاؤں میں جا نکلا۔ جہاں کچھ عورتیں پنگھٹ پر پانی بھر رہی تھیں۔ اُن میں ایک بے حد خوبصورت لڑکی وفا بھی تھی۔

شاہد اُس لڑکی (وفا) کو دیکھ کر اُس پر عاشق ہو گیا۔ اس لڑکی کا والد گاؤں کا نمبردار تھا۔ اُس نے شاہد کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ ایک رات پٹھانوں نے اُس گاؤں پر حملہ کر دیا۔ سامان وغیرہ لُوٹ کر شاہد اور وفا کو بھی ساتھ لے گئے۔ شاہد کی جدائی میں عزیز خان کی حالت بُری ہو گئی۔ وہ شاہد کو ڈھونڈنے نکلا تو پتہ چلا کے وہ پٹھانوں کی قید میں ہے۔ عزیز خان نے پٹھانوں کی بستی پر حملہ کر کے شاہد اور وفا کو چھڑا لیا۔ وفا کو تو اُس کے گاؤں بھیج دیا اور شاہد عزیز کے ساتھ لاہور واپس چلا آیا۔ مگر اُسے وفا کی یاد تڑپاتی رہی اُس نے ایک چالاک مکار عورت کی خدمات حاصل کیں اور اُسے پیغام دے کر وفا کے پاس بھیجا کہ مجھے فلاں جگہ ملو۔

شاہد نے عزیز سے بہانہ بنایا کہ ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں، جلد لوٹ آؤں گا۔ مگر وہ اُس جگہ پہنچا جہاں وفا اور عورت اُس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اس نے وفا کو گھوڑے پر بٹھایا ور کسی طرف کو نکل گیا۔ عزیز خان کو جب شاہد کی بے وفائی کا پتہ چلا تو اُسے بے حد صدمہ ہوا۔ اُس نے عشق مجازی کی جگہ عشق حقیقی اختیار کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے لَو لگا کر اُس کی یاد میں مستغرق ہو گیا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی کا شعر ہے:

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست
کہ آں بہر حقیقت کارسازیست

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ اس قصے کا لب لباب لکھتے ہوئے فرماتے ہیں ''المجاز قنطیرۃ الحقیقۃ'' (یعنی مجاز ہی حقیقت کا پُل ہے)

نہ ہووے دل کوئی بے عشق بازی
بھاویں ہووے حقیقی یا مجازی
حقیقی مکھ دا شیشہ مجاز ہے
ایہہ ہے نزدیک اوہ رستہ دراز ہے
حقیقی تے مجازی وچ نہیں فرق
گلابوں بُو گلاب اس پھُل دا عرق(22)

ملا غنیمت کنجاہی نے بھی اپنی مثنوی کا یہی مقصد بتایا ہے کہ مجازی عشق در اصل حقیقی عشق کی سیڑھی ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ کی یہ مثنوی شاعری کی فنی کسوٹی پر پوری اُترتی ہے کیونکہ اس میں نہ صرف الفاظ کا موزوں استعمال ہے بلکہ صنائع بدائع، تشبیہات و استعارات اور موسیقی کا خاص اہتمام کیا گیا ہے جو قارئین کے جذبات کے تار چھیڑ دیتا ہے۔

جذبات نگاری باقاعدہ ایک فن ہے اور وہی شاعر اپنے کلام میں اعلیٰ قسم کی جذبات نگاری پیش کر سکتا ہے جس کا دل سوز و گداز کی آنچ میں سُلگتا ہو اور ایسا شاعر ح خوشی، غم، غصہ، نفرت، محبت اور چاہت کے جذبات کی شعروں میں حقیقی تصویر پیش کر سکتا ہے۔ حضرت میاں صاحبؒ کے بیان میں اس قدر قوت ہے کہ جس جذبے کو بیان کرتے ہیں قاری اُسے اسی طرح محسوس کرتا ہے، جس طرح شاعر محسوس کرتا ہے۔ شاہد کی جدائی میں عزیز خان کیا محسوس کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ڈٹھی جاں یار شاہد دی سواری
عزیز عاشق نوں آئی بے قراری
کدی پھردا سی گرد اُس دے لگا من
کدی کردا سی جا سر راس دامن
کدی بے ہوش ہو کردا سی فریاد
کدی زوندا سی کر صحبت تائیں یاد

Marfat.com

کدی اس دی رکاب اتے دھرے سر
کدی جا قدم تے متھا دھرے پھر
ہویا ویراں تیرے بن گھر ہمارا
شتابی لوٹ آء شاہد خدارا(23)

پنجابی زبان کا اپنا مزاج ہے۔اس کی چھوٹی بحر میں شعر کہنا بڑا مشکل ہے۔ پنجابی کی بحریں عام طور پر لمبی ہوتی ہیں۔ ابیات اور سی حرفیاں لمبی بحر میں لکھی جاتی ہیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے چھوٹی بحر میں ہی رنگا رنگ پھول کھلا دیے ہیں۔ ملا غنیمت کنجاہی اسی بحر میں شاہد کے حسن کی تعریف کرتے ہیں اس بحر کا وزن فاعلاتن فاعلا تین فاعلات ہے:

حدیث عارفش مذکور می شد
زباں ہا برگ نخل طور می شد
نگاہش جام دل ہا کرد سرشار
تماشا گشت ہر سو مست دیوار
نہ حسن دلبراں غارت ہوش
تماشا داشت کنعاں در آغوش(24)

شاہد کے حسن کی تعریف میں اب حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب کے اشعار ملاحظہ فرمایئے:

نگاہ اس یار دی رنداں دا ساقی
فراقی جو ہویا اوس دا ملاقی
کیتا زخمی جو اس اکھ دی کٹاری
شراب اس دے خم تھیں نت جاری
اگر جاوے اوہ گلدستہ چمن وچ
دیوے لالے نوں غم دا داغ من وچ(25)

7۔ قصہ شاہ منصور:

قصہ شاہ منصور آپ نے 1275ھ میں تصنیف فرمایا اور اس کے اشعار کی تعداد 258 ہے۔ مناجات کے پندرہ اشعار ملا کر کُل تعداد 273 بن جاتی ہے۔ اس قصہ کے آخر

Marfat.com

میں حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنی تصنیفات کے حوالے سے تین شعر لکھے ہیں:

اوّل آکھ قصہ مہینوال والا دُھواں عاشقاں دا سُلگایا ای
تحفہ میراں دے وچ جناب عالیٰ فیر صدقہ یذال پچایا ای
قصہ آکھ شیخ صنعان والا درد منداں دا درد جگایا ای
فیر عشق نیرنگ دی مثنوی نوں وچ ہند زبان بنایا ای
ہن آکھ کے قصہ منصور والا پنج گنج کیتے ذرا لیئے ساہے
دردمند ناہیں کوئی پڑھن والا لکھن ہار ناہیں کوئی مرد چاہے (26)

حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب نے مثنوی نیرنگ عشق 1275ھ میں تصنیف فرمائی مگر اُس میں اپنی کسی تصنیف کا ذکر نہیں فرمایا۔ قصہ شاہ منصور کی تخلیق کے وقت آپ کے کل پانچ قصے چھپ چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے پہلی مرتبہ قصہ شاہ منصور کے آخر میں ان تصانیف کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے 1276ھ میں قصہ شیریں فرہاد لکھا۔ یہی وجہ ہے کہ قصہ شاہ منصور کے اشعار میں شیریں فرہاد کا ذکر نہیں ہے۔ اگر قصہ شاہ منصور 1276ھ کے بعد کی تصنیف ہوتی تو اس میں قصہ شیریں فرہاد کا ضرور ذکر ہوتا۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ قصہ شاہ منصور، قصہ شیریں فرہاد سے پہلے اور مثنوی نیرنگ عشق کے بعد کی تصنیف ہے۔ حضرت میاں صاحب نے نہایت عمیق مطالعے اور غور وخوض کے بعد قصہ شاہ منصور لکھا ہے۔ قصہ یوں ہے:

شہر بغداد میں ایک بزرگ حسین بن منصور حلاج رہتا تھا۔ وہ سلوک کی منازل طے کرتا ہوا اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سالک کی ذات اللہ کی ذات میں گم ہو جاتی ہے۔ حسین بن منصور نے اس مقام پر پہنچ کر انا الحق کا نعرہ لگایا۔ بغداد شہر میں شور مچ گیا کہ شاہ منصور کافر ہو گیا ہے۔ تمام علماء اکٹھے ہو کر بادشاہ کے پاس گئے اور شاہ منصور کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا۔ بادشاہ نے اسے ناحق قتل کرنے کی بجائے قید خانے میں ڈال دیا۔ وہاں چار سو قیدی پہلے سے موجود تھے۔ شاہ منصور نے اپنی کرامت سے قید خانے کے تمام قفل توڑ دیئے اور قیدیوں کو وہاں سے بھگا دیا لیکن خود قید خانے میں رہے۔ آپ کے چند شاگرد آپ کو ملنے کے لیے آئے۔ آپ نے ان کو چند پند و نصائح فرمائے۔ پھر بغداد کے کچھ علماء آئے اور انہوں نے آپ کو سمجھایا کہ انا الحق کہنا چھوڑ دو۔ آپ نے کسی کی بات نہ مانی۔ حضرت شبلیؒ نے عالموں کو بتایا کہ شاہ منصور اس مقام پر پہنچ چکا ہے جہاں سے اس کا لوٹنا ناممکن ہے۔ علماء نے شاہ منصور

Marfat.com

کو پھانسی دینے پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے اُسے پھانسی دے دی مگر اُس کے لہو کا قطرہ قطرہ انا الحق پکارتا رہا۔

علماء نے شاہ منصور کی لاش کو آگ میں جلایا۔ پھر راکھ کو دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔ دریا میں طوفان برپا ہو گیا۔ شاہ منصور کے قتل کا فتویٰ دینے والے علماء میں مولانا رومؒ بھی تھے۔ جب شاہ منصور کو جلایا گیا تو انہوں نے تھوڑی سے راکھ شیشی میں بھر لی۔ غلطی سے وہ راکھ مولانا کی بیٹی نے چکھ لی تو اُسے حمل ٹھہر گیا۔ مولانا رومؒ نے دنیا کے خوف سے بیٹی کو ایک دایہ کے ساتھ جنگل میں بھیج دیا۔ وہاں بچے کی پیدائش ہوئی۔ دایہ نے بچے کو جنگل میں پھینکا اور بیٹی کو لے کر واپس آ گئی۔

ایک لکڑ ہارے نے اُس بچے کی پرورش کی اور نام شمس تبریز رکھا۔ وہ جوان ہو کر مولانا روم کے پاس آیا اور شراب کی طلب ظاہر کی۔ مولانا روم نے انکار کیا تو مولانا روم کے گھر کے گھڑوں کا پانی شراب میں تبدیل ہو گیا۔ پھر شمس تبریز نے اپنی ماں سے ملاقات کی۔ ماں بیٹے کے ملاپ پر قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ کے اس قصے کا ماخذ خواجہ فریدالدین عطار کا ''تذکرۃ الاولیا'' ہے مگر اُس میں مولانا روم اور شمس تبریز کا ذکر نہیں ہے۔ یہ واقع حضرت میاں صاحب کے اپنے ذہن کی اختراع ہے۔ حضرت شاہ منصور کو قید کرنے اور قیدیوں کی آزادی کا واقعہ خواجہ فریدا الدین عطار نے یوں لکھا ہے:

> ''نقلست کہ در زنداں سہ صد کس بودند۔ چوں شب در آمد نفسانِ زنداں ہارا حسین گفت کہ شمارا اخلاص دہم۔ گفتند چرا خود رانے دہی۔ گفت ما در بند خداوند گرفتارایم و اشارہ کرد ہمہ بندہا از ہم فرو ریخت، ایشاں گفتند، اکنوں کجا رویم کہ درہا بستہ است، اشارتی کرد رخنہ ہا پدید آمد، گفت اکنوں سر خوش گیرید، گفتند تو نمی آئی؟ گفت مارا با اوسرّی است کہ جُز بر سر دار نمی تواں گفت''(27)

حضرت میاں صاحب نے اس واقعہ کو پنجابی اشعار میں بیان کرتے ہوئے قیدیوں کی تعداد بڑھا کر چار سو کر دی ہے:

ف: فیر منصور آن قید کیتا اوہناں عالماں جا کے بند خانے
اگے چار سے مرد قید جتھے اوتھے جا بیٹھے منصور دانے

Marfat.com

پئی رات تے شاہ منصور کہیا اوہناں قیدیاں نوں سٹو طوق گانے
بیٹھے کیوں محمدا قید اندر جاؤ سبھے خلاص ہو طرف خانے

ق: قدر نہیں ساڈا ذرہ شیخا سنگل توڑ کے بیڑیاں پھوڑ جایئے
گردے کوٹ دے چوکیاں ہور پہرا ایویں نس جایئے فیر مار کھایئے
تساں ظلم کیتا ساڈے پیش آئے اس قید تھیں کد خلاص پایئے
در بند محمدا کوٹ دے نیں کتھوں نکلیئے شیخ جیو فرمایئے(28)

شاہ منصور حلاج نے صبح تک تمام قیدیوں کو بھگا دیا۔ جہاں تک حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت ابوبکر شبلیؒ کی قید خانے میں شاہ منصور سے ملاقات کا تعلق ہے تو تاریخی اعتبار سے یہ درست نہیں۔ مگر مولانا ظفر احمد عثمانی اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت شبلیؒ اُن (ابن منصور) کے پاس قید خانہ میں گئے۔ ان کو بیٹھا ہوا پایا کہ مٹی میں لکیریں کھینچ رہے تھے۔ ان کے سامنے بیٹھ گئے اور بہت دیر تک بیٹھے رہے یہاں تک کہ تنگ ہو گئے''(29)

حضرت عمرو ابن عثمان اور حضرت جنید بن محمد بے شک حسین بن منصور کے استاد تھے لیکن دونوں ان سے اس وجہ سے ناراض تھے کہ انہوں نے اساتذہ کی مرضی کے خلاف شادی کر لی تھی۔ اس لیے جب حسین بن منصور کے خلاف علماء نے فتویٰ دیا تو اس پر جنید بغدادیؒ کے بھی دستخط تھے:

''چنانکہ آنروز کہ ائمہ فتویٰ دادند کہ اورا بباید کُشت جنید در جامہ تصوف بُود نمی نوشت وخلیفہ گفتہ بُود کہ خط جنید باید، جنید دستار و دراعہ در پوشید و بمدرسہ شد و جواب فتویٰ نوشت کہ نحن نحکم بالظاہر یعنی بر ظاہر حال کشتنی است''(30)

اُردو میں قصہ شاہ منصور:

اردو میں احمد کا لکھا ہوا قصہ شیخ منصور منظوم ملتا ہے جس کو ملک دین محمد اینڈ سنز نے شائع کیا ہے۔ اس میں وہی واقعات و حالات موجود ہیں جو ''تذکرۃ الاولیاء'' میں درج ہیں

Marfat.com

لیکن اس میں مولانا رومؒ اور شمس تبریز کا واقعہ موجود نہیں ہے۔ شاعر نے منصور حلاج کی پھانسی کا واقعہ اختصار سے لکھا ہے۔ غیر تاریخی واقعات سے اجتناب برتا ہے۔ آخر میں یہ شعر درج ہے:

ہو چکا منصور کا قصہ تمام
اب ہے احد کا محمد کو سلام

پنجابی میں حضرت میاں محمد بخشؒ کے بعد قصہ شاہ منصور جن شعرا نے منظوم کیا ان سات شعرا کے اسمائے گرامی یوں ہیں:

-1	ملکھی رام	قصہ شاہ منصور	1921ء لاہور
-2	سردار علی قریشی	قصہ شاہ منصور	1930ء لاہور
-3	مولوی حافظ محمد	قصہ شاہ منصور	1930ء لاہور
-4	مولوی محمد حسین	قصہ شاہ منصور	1932ء لاہور
-5	یار محمد	قصہ شاہ منصور اور شمس تبریز	1932ء لاہور
-6	محکم دین	قصہ شاہ منصور	1932ء لاہور
-7	پیر عبدالقادر قادری	قصہ شاہ منصور	1983ء لاہور

محکم الدین چک بھاڑہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ نے اپنے قصے میں وہی واقعات لکھے ہیں جو حضرت میاں محمد بخشؒ کے قصے میں ہیں۔ اُس نے مولانا روم کی بیٹی کا نام زینب لکھا ہے اور شمس تبریز کا تعلق ملتان سے ظاہر کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ موراں طوائف کے گھر میں بھی ملازم رہے۔ انہوں نے شیر کا روپ دھار کر ملتان کے حاکم کے بیٹے کو مار دیا تھا اور پھر کرامت سے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ تاریخی اعتبار سے یہ واقعہ غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ منصور حلاج کا واقعہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں پیش آیا تھا:

''منصور حلاج'' کے قتل کا حادثہ بغداد کے باب الطلاق میں سہ شنبہ
25 ذوالحجہ 309ھ کو ہوا''۔ (31)

مولانا جلال الدین رومیؒ نے 628ھ کو قونیہ (ترکی) میں وفات پائی اور حضرت شمس تبریز ان کے نواسے نہیں تھے بلکہ مرشد تھے۔ اُن کا مزار بھی قونیہ ترکی میں ہے۔

8۔ قصہ شیریں فرہاد:

یہ معروف قصہ حضرت میاں محمد بخشؒ نے پنجابی نظم میں 1276ھ کو تصنیف فرمایا۔

Marfat.com

اس میں شعروں کی کُل تعداد 1225 ہے اور ہر شعر موتیوں کی لڑی ہے۔

شیریں فرہاد کے رومان کا تعلق ایران کی سرزمین سے ہے اور یہ رومان تاریخی حقائق پر مبنی ہے لیکن شعرا نے قصہ میں رنگینی اور دلچسپی پیدا کرنے کے لیے بہت سے فرضی اور من گھڑت واقعات اس قصہ میں شامل کر دیئے ہیں۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی لکھتے ہیں:

''مدائن سے ہمدان آنے والی شاہراہ پر کھنڈرات نظر آتے ہیں جو قصرِ شیریں کے نام سے مشہور ہیں۔ شاید یہی وہ محل تھا جس میں خسرو پرویز کی محبوبہ شیریں رہا کرتی تھی۔ یہ کھنڈرات خانقین اور حلوان کے درمیان ہیں۔ یہاں مربع شکل کا ایک قلعہ بھی ہے جسے قلعہ خسروی کہتے ہیں۔ اس پر بُرج بنے ہوئے ہیں اور گردا گرد ایک خندق ہے جس پر محراب دار پُل ہے۔ یہاں ایک بڑا وسیع محل بھی تھا جو موسم گرما کے قیام کے لیے بنایا گیا تھا۔''(32)

ان کھنڈرات کے مشرق میں ایک پہاڑ ہے جسے کوہ بیستوں کہتے ہیں۔ اس علاقہ کے لوگ شیریں فرہاد کی وہی عشقیہ داستان بیان کرتے ہیں جو عام طور پر کتابوں میں درج ہے۔ یعنی فرہاد ایک سنگ تراش تھا۔ خوبصورت مجسمے بناتا تھا۔ ایک دن شیریں اس کا عجائب گھر دیکھنے کے لیے آئی۔ وہ فرہاد اور اس کے فن سے بے حد متاثر ہوئی اور اس سے عشق کرنے لگی۔ شیریں کے والد بادشاہ نے ایسے حالات دیکھے تو شیریں کی شادی خسرو پرویز بادشاہ ہمدان سے کر دی۔ فرہاد اس صدمے سے پاگل ہو گیا۔ وہ بھی ہمدان چلا گیا۔ گلی کوچوں میں شیریں شیریں پکارنے لگا۔ خسرو پرویز کو خبر ہوئی تو اس نے فرہاد سے کہا کہ اگر تم کوہ بیستوں کھود کر نہر بہا دو تو شیریں تمہیں بخش دی جائے گی۔

خسرو پرویز کا خیال تھا کہ یہ دیوانہ پہاڑ کھودتے ہوئے مر کھپ جائے گا۔ لیکن فرہاد نے دن رات محنت کر کے پہاڑ کھود کر نہر جاری کر دی۔ اُسی وقت خسرو پرویز نے ایک مکار عورت کو بھیجا جس نے روتے ہوئے فرہاد کو بتایا کہ تم نے جس کے لیے نہر کھودی ہے وہ شیریں تو مر گئی ہے۔ فرہاد نے اُسی وقت وہی تیشہ اپنے سر پر مارا اور مر گیا۔

اس عشقیہ داستان کو سب سے پہلے نظامی گنجوی (المتوفی 596ھ) نے فارسی زبان میں لکھا ہے۔ اُس نے مثنوی کی صنف میں اس داستان کو بیان کیا ہے اور ''خسرو شیریں'' نام

Marfat.com

رکھا۔ برصغیر میں یہ مثنوی مدارس نظامیہ کے نصاب میں شامل تھی۔ اس کے بعد بہت سے شعراء نے اسی داستان کو مثنوی کے ڈھنگ میں لکھا۔ مثلاً امیر خسرو المتوفی (725ھ) نے ''شیریں خسرو'' کے نام سے مثنوی لکھی جو بے حد مقبول ہوئی۔ حاجی خلیفہ فرماتے ہیں:
فی الجوابہ مثنویات منہا نظم امیر خسرو الدھلوی المتوفی (725ھ) خسرو شیریں سبع مائیہ اول شعر:

خداوندا دلم را چشم بکشا(33)

اس کے بعد مولانا لوحشی، آصف خان، عبداللہ الہاتفی، عرفی شیرازی، آصف ماہ اور میر علی شیر نے قصہ شیریں فرہاد لکھا۔ اسماعیل پاشا البغدادی نے ایضاح المکنون میں شیریں فرہاد سے متعلق مندرجہ ذیل مثنویات کا ذکر کیا ہے:

''شیریں فرہاد فارسی منظوم بعزمی الصمدانی من شعراء شاہ عباس العجمی
خسرو شیریں منظومتہ فارسیتہ، مولانا وحشی یزدی الشاعر المتوفی 992ھ
خسرو شیریں منظومتہ فارسیتہ بمرزا محمد صادق الاصفہانی المتخلص نبالی من
شعراء نادر شاہ وتوفی فی عصرہ۔''(34)

اُردو میں بھی اس عشقیہ داستان کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اعزاز الدین نامی شاعر نے 1211ھ میں نظامی گنجوی کی مثنوی کا اُردو میں ترجمہ کیا اور نام بہارِ عشق رکھا۔ پھر یہاں مسکین شاعر ساکن خیر آباد نے بھی اسی مثنوی کو اُردو کے قالب میں ڈھالا۔ نیز محمدی بیگم کے علاوہ اس قصہ کو عبرت عشرت نے بھی اُردو میں لکھا۔

پنجابی میں اب تک 9 شعراء کا قصہ شیریں فرہاد دستیاب ہوا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

1- شیریں فرہاد، ہاشم شاہ، مطبوعہ حاجی چراغ دین، سراجدین، 1922ء
2- شیریں فرہاد، میاں محمد بخش، مرتبہ میاں محمد سکندر مع،
دیباچہ: ڈاکٹر سید اختر جعفری، مطبوعہ دربارِ عالیہ، 1978ء
3- شیریں فرہاد، محمد بوٹا گجراتی، ملک بشیر احمد، تاجر کتب لاہور، 1893ء
4- شیریں فرہاد، کشن سنگھ، مصطفائی پریس لاہور، 1895ء
5- شیریں فرہاد، جیون رام دھون، انقلاب سٹیم پریس لاہور، س ن
6- شیریں فرہاد، اللہ رکھا، کریم بخش، تاجر کتب لاہور، 1925ء

Marfat.com

7- شیریں فرہاد، حشمت شاہ جالندھری، ملک بشیر احمد، تاجر کتب لاہور، س ن
8- شیریں فرہاد، فدا حسین اسیر وارثی، ملک بشیر احمد، تاجر کتب لاہور، س ن
9- شیریں فرہاد، مصنف نامعلوم، لالہ کرم چند صاحب، لاہور، 1922ء

ان سب قصص میں سب سے عمدہ، دلچسپ اور مکمل قصہ حضرت میاں محمد بخش کا ہے جو 1276ھ میں مکمل ہوا۔ آپ فرماتے ہیں:

باراں سے چھہتراں ہجری سن پچھان
ایہہ تصنیف فقیر نے کیتی بیٹھ مکان

حضرت میاں صاحب نے عربی، فارسی، اُردو، پنجابی اور کشمیری زبان کے ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ قصہ شیریں فرہاد کی تخلیق کا یہی سبب تھا۔ آپ نے نظامی گنجوی کی مثنوی ''خسرو شیریں''، امیر خسرو کی ''شیریں خسرو'' اور ہاشم شاہ کی ''شیریں فرہاد'' کا گہرا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اس بات کی شہادت ان کے قصہ شیریں فرہاد سے ملتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

شیخ نظامی گنجوی نالے خسرو امیر
شیریں خسرو دوہاندے نسخے ویکھ فقیر
قصہ جوڑ بنایا عقلوں کر تدبیر
وانگن ہاشم شاہ دے نہیں غیبی تقریر
کیہ ہویا جے کہہ گیا اگے ہاشم شاہ
خسرو اتے نظام دین میرے دو گواہ

حضرت میاں محمد بخش نے قصہ کے پلاٹ، کہانی اور کرداروں میں اپنی طبیعت کے مطابق کچھ ردّ و بدل کیا ہے اور قصے کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنانے کے لیے فرہاد کو چین کے خاقان کا بیٹا بتایا ہے۔ اسی طرح خسرو پرویز کو روم کا بادشاہ اور شیریں کو خورستان کی شہزادی لکھا ہے۔ حالانکہ تاریخی اعتبار سے خسرو پرویز ایران کے بادشاہ ہرمز کا بیٹا تھا، جس نے ایران پر 590ء سے 628ء تک حکومت کی تھی۔ تاریخِ ایران میں لکھا ہے:

''ہرمز قتل ہوا تو اس کا بڑا بیٹا خسرو دوم اس وقت آذر بائیجان میں تھا۔ فوراً آذر بائیجان سے چل کر مدائن پہنچا۔ 590ء میں اُمرا نے اُسے تاج پہنایا''۔ (35)

Marfat.com

عام قصہ نگاروں نے فرہاد کو جھوٹی خبر دینے والی ایک پھپھے کٹنی عورت کا ذکر کیا ہے۔ مگر حضرت میاں صاحبؒ نے اُس کی جگہ ایک کالے بھجنگ حبشی کا نیا کردار پیدا کیا ہے جس کو دیکھ کر کراہت آتی ہے اور اُس سے کسی خیر کی توقع نظر نہیں آتی:

خسرو دا سی چوبدار زنگی اِک بُریار
منہ کالا تے ترش رو لایعنی کوڑ یار
بھائی وڈا شیطان دا بھوتاں دا سردار
بولے جیوں پہاڑ دا کالا کاں مردار(36)

حضرت میاں صاحبؒ کا قلم بہزاد اور مانی کے بُرش کی مانند خوبصورت تصویریں بناتا ہے۔ اس لیے اُن کے قصوں میں سراپا نگاری بے حد دلچسپ اور مصور کی تصویر کی مانند ہوتی ہے۔ شیریں کی سراپا نگاری کا نمونہ ملاحظہ کریں:

زلفاں کنڈل مار کے لٹکن ناگاں چال
متھا وانگن چند دے جاں اوہ ہووے کمال
ابرو وانگ کمان دے یا اوہ عید ہلال
یا اوہ طاق بہشت دے عجب مبارک فال(37)

حضرت میاں صاحب نے اپنے دیگر قصوں کی مانند شیریں فرہاد میں بھی اپنے عقائد، تجربے، مشاہدے، دنیاوی حقائق اور پند و نصائح بیان کیے ہیں۔ تاکہ مختلف ذوق کے قارئین اپنے اپنے ذوق کی تسکین کا سامان حاصل کر سکیں۔ مثلاً ان کے مندرجہ ذیل اشعار دیکھیے:

عاشق ڈرن نہ مشکلوں اپنا جرم گوا
رکھ اُمید محمدا لیندے بیڑا چاء(38)

حضرت میاں صاحبؒ نے اپنے قصہ شیریں فرہاد میں عشق اور عاشق کی تمثیل کے ذریعے جدو جہد، عمل اور کوشش پیہم کا سبق دیا ہے اور بتایا ہے کہ عمل اور کوشش پیہم سے ہر انسان فرہاد کی مانند سنگلاخ پہاڑوں کا سینہ چیر کر منزل پر پہنچ سکتا ہے:

پاک خداوند سرجیا آدم ڈاہڈی شئے
ہمت دا لک بنھ کے جدھر لگ پئے
پٹ پہاڑاں سٹ دا دریا سادھ لئے

Marfat.com

کرے حساب اسمان دا غیبی خبر لئے
کردا چھیک زمین نوں جاں پڑ مل لئے
سخت مصیبت عشق دی اوہ بھی سر سہے(39)

نظامی گنجوی نے خسرو کی زندگی کی شاہانہ شان اور ہوس پرستی کی تفصیل بیان کی ہے مگر حضرت میاں صاحبؒ نے ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے اپنے قصہ شیریں فرہاد میں خسرو کی داخلی کشمکش کو نمایاں کر کے دکھایا ہے۔ خسرو جب فرہاد اور شیریں کے عشق کی خبر سُنتا ہے تو حسد کی آگ میں جلنے لگتا ہے اور فرہاد کو قتل کروانے کا منصوبہ بناتا ہے۔ یوں خسرو کے دل میں خیر اور شر کی جنگ جاری رہتی ہے:

فیر کہے ایہہ پاپ ہے مارن بے گناہ
اکثر لیکھا دیونا کرسی عدل الہٰ
گنتریاں وچ پے گیا کوئی نہ لبھیوس راہ
ڈاہڈی پئی محمدا مشکل خسرو شاہ(40)

9۔ سیف الملوک:

حضرت میاں محمد بخشؒ کا شہکار قصہ سیف الملوک ہے جو اُن کی شہرت اور مقبولیت کا باعث بنا۔ آپؒ نے یہ قصہ 1279ھ بمطابق 1863ء کو مثنوی کی صنف میں تخلیق فرمایا۔ سال 1279ھ کا ذکر درج ذیل شعر میں کرتے ہیں:

سن مقدس ہجری دساں باراں سے ست داہے
ست اُتے دو ہور محمد اُپر اُس تھیں آہے(41)

اُس وقت حضرت میاں صاحب کی عمر تینتیس برس تھی اور سیف الملوک کی تخلیق میں ایک برس سے زائد کا عرصہ صرف ہوا:

عمر مصنف دی تد آہی تن داہے تن یکے
بھین وڈی فرماندی ایہا پتے رہے نوں پکے

یہ قصہ ہزار داستان یعنی عربی کتاب الف لیلےٰ میں موجود تھا اور دنیا کی بیشتر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ پنجابی میں یہ قصہ حضرت میاں صاحبؒ سے قبل بہاولپور کے

Marfat.com

شاعر مولوی لطف علی نے 1195ھ بمطابق 1781ء میں لکھا مگر زیادہ مقبول نہ ہوا۔ لیکن حضرت میاں محمد بخشؒ کے قصہ سیف الملوک کو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوئی۔ شفیع عقیل لکھتے ہیں:

> "مگر میاں صاحب کی سفر العشق کو جو شہرت و ناموری اور جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ اور کسی کو نصیب نہ ہو سکی اور اس مقبولیت اور محبوبیت کی وجہ میاں محمد بخشؒ کا کمال فن ہے۔"(42)

قصہ سیف الملوک صرف اس قدر ہے کہ مصر کے بادشاہ عاصم بن صفوان کے ہاں دعاؤں اور منتوں کے بعد سیف الملوک بیٹا پیدا ہوا۔ بڑے ہو کر اس نے تمام علوم و فنون سیکھے۔ والد نے بیٹے کو تحائف دیئے تو ان میں ایک تحفہ یہ بھی تھا کہ ریشمی کپڑے پر اس کی اپنی تصویر اور بدیع الجمال پری کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ شہزادہ سیف الملوک پری کی تصویر دیکھ کر اُس پر عاشق ہو گیا اور اس کے حصول کے لیے بحری سفر پر روانہ ہو گیا۔ راستے میں طوفانوں، مصائب اور بلاؤں سے مقابلہ کر کے چودہ برس میں باغِ ارم پہنچا۔ بدیع الجمال پری سے شادی کر کے واپس مصر آیا۔ والد کی زندگی میں ہی تخت نشین ہوا۔ اس کے گھر ایک بیٹے نے جنم لیا۔ پھر وہ مر گیا اور اس کے بعد بدیع الجمال پری بھی اس دُنیا سے رُخصت ہو گئی۔

یہ منظوم کہانی کتاب کے 500 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور اشعار کی کُل تعداد 9249 ہے۔ یہ صرف عشقیہ داستان ہی نہیں بلکہ زندگی کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ جس میں ہر قسم کے واقعات، سمندری طوفان، بلائیں، اژدہے، قوی ہیکل پرندے، جادو کے قلعے، خوفناک جزیرے، سحر زدہ شہر، عجیب الخلقت جانور، عجیب شکل کے انسان، حسینائیں، حبشی، فرشتے، دیو، جن، پریاں اور بہت کچھ ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اس قصہ میں پوری کائنات سمو دی ہے۔ جس میں خوبصورت کردار نگاری، سراپا نگاری، سیرت نگاری، واقعہ نگاری، ماورائی زندگی، جدوجہد، کوشش پیہم، ہمت و جوانمردی، بزم و رزم، منظر نگاری، پند و نصائح، تجربات، مشاہدات، تخیل کی بلندی اور اخلاقیات و جذبات نگاری کی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ملکہ خاتون کی سراپا نگاری میں اس کا حسن و جمال دیکھیے:

سورج وانگ نورانی متھا نظر نہ کیتی جاوے
جے پتھر دل والا تکے اکھیں پانی آوے

Marfat.com

روپ انوپ کڑی دا آہا وانگ بہار چمن دے
نویں جوانی حسن ارزانی نازک شاخ سمن دے
جادوگر دو نین کڑی دے وچ کجلے دی دھاری
صوفی ویکھ ہوون مستانے چھڈن شب بیداری (43)

قصہ سیف الملوک میں قدم قدم پر جذبات نگاری کے اعلیٰ اور عمدہ نمونے ملتے ہیں جن کی مثال کسی اور قصہ یا داستان میں نہیں ملتی۔ سیف الملوک سفر پر رخصت ہونے سے پہلے اپنی والدہ سے اجازت لینے جاتا ہے تو یہاں جذبات کے سمندر میں طوفان پیدا ہو جاتا ہے۔ آنسوؤں کے چشمے اُبل پڑتے ہیں۔ قارئین کی آنکھیں بھی ڈبڈبا جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

دیہہ اجازت مینوں مائے ٹراں سفر نوں جلدی
رہن نہیں ہن میرا ایتھے چھک لگی ان جل دی
ایہہ گل آکھ شہزادہ رو کے سر بھرنے ہو جھڑدا
چُم زمین سٹے سر سجدے پیر ماؤں دے پھڑدا
اوہ دلیلاں دھاراں مائے بخشیں بتری دھاراں
دھاراں تے کوہ قافاں اندر دھاڑاں پون ہزاراں
روندی تے کرلاندی مائی بیٹا وداع کیتا
ربّ دا دتا سر پر سہیا صبر پیالہ پیتا
ہنجوں باراں دین بہاراں وانگن مینہہ پھواراں
اوسے کوسے جل نہایا بیٹا نال پیاراں (44)

سیف الملوک میں منظر نگاری کی عمدہ ترین مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے دیگر مناظر کے علاوہ سمندری طوفانوں کے بڑے خوفناک، ہولناک اور خطرناک مناظر الفاظ کے ذریعے اس طرح بیان کیے ہیں کہ مکمل تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ مثلاً:

اِک دن کرنا ربّ دا ہویا اُٹھی سخت ہنیری
دُھند غبار سنسار چھپایا لگی جھڑی گھنیری
کڑکے بدلی دھڑکے پھرنا بجلی دے چمکارے
دُور جہازاں کھڑ کھڑ مارے جھکھڑ دے اُلارے

Marfat.com

نوح والا طوفان از غیبوں غرق کرن نوں آیا
شاہ سپاہ تمام پکارن رکھیں بار خدایا
بدل قہر نزول مچایا لہر سمندر آئی
ماگر مچھ سنسار بلائیں رُڑھدے دین دوہائی
صاف کیتے کوہ قاف ہنیری برفاں وانگر جھڑدے
چڑھدے کھڑ لہندے مارے لہندے دے کھڑ چڑھدے
فوجاں وانگوں نویاں ہاٹھاں آون کر کر ہلّے
زوروں زور سوایا بدل جھکھڑ گھڑی نہ ٹھلے(45)

رزم نگاری کے مقابلے میں بزم نگاری بے حد آسان ہے کیونکہ رزم نگاری میں میدانِ جنگ کا نقشہ، جنگی ساز و سامان، تلوار، تیر، نیزہ، برچھا، بالا، ڈھال، کٹار، خنجر وغیرہ کا استعمال بہادروں کی بہادری، قتل و غارت، خون ریزی، گھوڑوں اور ہاتھیوں کے حملے، جوانوں کی یلغار، شور، ہنگامہ، آہیں، کراہیں اور بہت کچھ بیان کرنا پڑتا ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ نے کمال فنکاری سے میدانِ جنگ کا نقشہ یُوں کھینچا ہے کہ اُس میں تیروں کی بوچھاڑ، تلواروں کی چمکار، زخمیوں کی چیخ و پکار اور بہادروں کی للکار صاف سنائی دیتی ہے۔ اب ہاشم شاہ اور شاہ شاہپال کے درمیان جنگ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

اتنے خون زمیں پر ہوئے باہر انت شماروں
گندھک سُرخ ہوئی اوہ دھرتی تتی تیز انگاروں
تلواریں دے پپل پترے کھلے ہوئے سن اتھے
مکھی مچھر اُڈ نہ سکن وچ جنگے دے کتھے
چمکو چمکن وجن تلواریں نویاں سان چڑھائیاں
رتی رحم نہ زخم کرن تھیں زہروں پان چڑھائیاں
گوشے جوڑ کمان کمینوں مارے تیر خدنگاں
لیندے خبر زمان زمینوں بھجن مِثل نہنگاں
باشک ناگ کمنداں والے کنڈل کھولن مارن
لشکر دے گنج لٹن کارن آرن مونہہ کھلارن(46)

Marfat.com

قصہ سیف الملوک لکھنے کا سب سے بڑا مقصد لوگوں کو ہمت، جوانمردی، محنت، لگن، اولوالعزمی اور جدوجہد کا درس دینا تھا۔ کیونکہ حضرت میاں صاحبؒ کے زمانے میں سکھوں کی حکومت نے مسلمان کشمیریوں پر اس قدر بھاری ٹیکس عائد کر دیے تھے کہ وہ ہمت ہار بیٹھے تھے۔ وہ سارا سال محنت کر کے فصلیں اُگاتے اور فصل پکنے پر حکومت کے کارندے فصل اُٹھا کر لے جاتے تھے۔ پھر اُن سے زبردستی بیگار لی جاتی تھی اور کوئی معاوضہ نہ دیا جاتا تھا۔ ہندوستان سے کشمیر میں ہر قسم کا سامان لانے پر ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ یوں بے چارے مسلمان ظلم وستم کی چکی میں پس کر رہ گئے تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے کلام کے ذریعے اُن کے تن مُردہ میں پھر سے تازہ رُوح پھونک دی۔ ان کو عمل، ہمت، جدوجہد اور جوانمردی کا درس دیا اور زندہ رہنے کا پیغام دیا۔ آپؒ فرماتے ہیں:

مردا ہمت ہار نہ مولے مت کوئی کہے نمردا
ہمت نال لگے جس لوڑے پائے باجھ نہ مردا
جان تک ساس نراس نہ ہوویں ساس مٹے مڑ آسا
ڈھونڈ کرن تھیں ہٹیں ناہیں ہٹ گیوں تاں ہاسا
جھل جھل ہار نہ ہاریں ہمت ہکدن پھرسی پاسہ
بھکھا منگن چڑھے محمد اوڑک بھردا کاسہ (47)

قصہ سیف الملوک کے آخر میں قصہ لکھنے کا مقصد اور غرض ایک شعر میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے ہکسے مصرعے اندر غرض قصے دی ساری
جو ڈھونڈے سو پاوے بھائی مفت نہیں پر یاری

قصہ سیف الملوک کی تصنیف کا دُوسرا بڑا مقصد لوگوں کو اخلاقیات کا درس دینا تھا۔ کیونکہ غربت کی چکی میں پس کر وہ اخلاقیات کو کوڑے کرکٹ کی طرح گاؤں سے دُور پھینک چکے تھے۔ انسانیت کا لباس اُتار کر جنگلی جانور کا روپ اختیار کر چکے تھے۔ اس لیے چوری چکاری، ڈاکہ زنی، ظلم وستم، رشوت ستانی، بے راہروی، شراب نوشی، زنا کاری، عزت کی نیلامی جیسی بیماریاں ان کے رگ وپے میں سرایت کر چکی تھیں۔ انسان انسانیت کے مرتبے سے گر چکا تھا۔ حضرت میاں صاحبؒ نے ان کو لوگوں سے محبت، خدمت، اچھا سلوک، میٹھی زبان، عدل

Marfat.com

وانصاف، جھوٹ سے پرہیز، نیکی کی تلقین، صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی، عزتِ نفس، والدین کا احترام، عاجزی انکساری، غرور وتکبر سے پرہیز، قناعت پسندی، علم سے محبت، عقبیٰ کی فکر اور توشۂ آخرت جیسے اخلاق سکھائے۔ کچھ شعری مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

نیچاں دی اشنائی کولوں فیض کسے نہ پایا
ککر تے انگور چڑھایا ہر گچھا زخمایا
لوئے لوئے بھر لے کڑیئے جے تدھ بھانڈا بھرنا
شام پئی بن شام محمد گھر جاندی نے ڈرنا
دشمن مرے تے خوشی نہ کریئے سجناں وی مر جانا
ڈیگر تے دن گیا محمدؒ اوڑک نوں ڈُب جانا
پڑھنا علم ضرور بندے نوں کہیا فرض الٰہی
کردا علم دلے نوں روشن ہوندی دُور سیاہی
مان نہ کریئے روپ گھنے دا وارث کون حُسن دا
سدا نہ رہسن شاخاں ہریاں سدا نہ پھُل چمن دا
نہ ملیے تاں ملیے ناہیں جے ملیے تاں ہس کے
مٹھا بول اندر وڑ لیئے عاشق دا دل کھس کے
بس میرا کجھ وس نہ چلدا کیہ تساڈا کھوہنا
لِسّے دا کیہ زور محمد نس جانا یا رونا
جے سو نوکر چاکر ہووے خدمت والا اَگے
ہتھیں خدمت کریئے آپوں جاں ساجن ہتھ لگے
اپنی خدمت بے شک کہیے خدمتگاراں تائیں
خدمت گار رہیے بن آپوں پاس پیارے سائیں
یاری سچ پتنگاں والی شمع بلی آ جھکے
پھیر نہ کدھرے جاون جوگے لاٹ اندر سڑ مکے

Marfat.com

10۔ تحفۂ رُسولیہ:

اس کتاب میں حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپؒ نے شیخ ملا معین کاشفی کی کتاب معارج النبوت کا مطالعہ فرمایا جس میں حضور پُر نُور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ساتھ ساتھ آپ کے معجزات کا بھی ذکر تھا۔ آپ کو یکدم خیال آیا کیوں نہ ان معجزات کو پنجابی نظم کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ زبان و بیان پر آپؒ کو عبور حاصل تھا۔ شاعری کا ملکہ قدرت سے پایا تھا۔ چنانچہ 1281ھ کو اُن میں سے بیشتر معجزات پنجابی کا روپ اختیار کر کے قرطاس ابیض کی زینت بن گئے اور تحفۂ رسولیہ نام پایا۔ حضرت میاں صاحبؒ فرماتے ہیں:

ہویا تم رسولی تحفہ روز قمر دی فجری
باراں سے اکاسی یارو سنہ آہا ہجری

2450 اشعار پر مشتمل یہ کتاب اگرچہ 1281ھ کو تصنیف کی گئی مگر اس کی اشاعت 1284ھ کو عمل میں میں آئی جس کا ثبوت نیاز احمد بن کمال الدین (سکنہ قصبہ کرمال ضلع گجرات) کی تقریظ سے ملتا ہے جو اس کتاب کی اشاعت کے وقت لکھی گئی۔ وہ لکھتے ہیں:

ہزار شکر کہ یہ معجزات شاہنشاہ
ہوئے ہیں طبع نظم لذیذ خاطر خواہ
خرد سے سال اس کا پوچھا تو بولا
کتاب تحفۂ رسولیہ چھپی واہ واہ

تحفۂ رسولیہ 1284ھ میں چھاپنے کا شرف مطبع وکٹوریہ لاہور کو حاصل ہوا۔ بعد میں یہ کتاب میاں چراغدین تاجر کتب لاہور نے بھی شائع کی۔ تحفۂ رسولیہ میں حضور پُر نُور صلی اللہ علیہ وسلم کے کُل 112 معجزات کا بیان ہے۔ حضرت میاں صاحبؒ نے سب سے پہلے حمدِ باری تعالیٰ بیان کی ہے۔ پھر چند ایک نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔ بعد ازاں مختلف انبیاء کرام کے معجزات کا ذکر ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو معجزے عطا کر کے عام انسانوں سے امتیاز بخشا ہے لیکن کچھ لوگ معجزے کو جادو سمجھتے ہیں حالانکہ معجزے اور جادو میں زمین آسمان کا فرق ہے:

معجزہ تے سحر وچ بھائی فرق نکھیڑ پچھانو
اوس نوں مدد ہے سبحانی ایس شیطانی جانو

Marfat.com

بہت پلید ہووے جد جُسہ خانہ بہے شیطانی
شیطان اوہ سوچ لے مختاری کردا سحر روانی
تقویٰ پاک کرے جد جُسہ رہے نہ بُری علامت
سرّ الٰہی اوہ سوچ دسدا معجزہ تے کرامت(48)

اس کے بعد بتایا کہ کرامت کسے کہتے ہیں اور کرامت کی چار اقسام ہیں:

کرامتِ عامہ، کرامتِ خاصہ، تصرف، خرق عادت

ملا معین کاشفی نے اپنی کتاب ''معارج النبوت'' میں معجزہ کے بارے میں یوں وضاحت کی ہے:

''اما تعریف معجزہ نزد علما آنست کہ المعجزہ عن اظہار قدرہ سبحانہ وتعالیٰ و حکمتِ علیٰ نبی مرسل بین امت بحشیت اہل عصرہ عن ایراد مثلہا۔ یعنی معجزہ اظہارِ قدرت اللہ تعالیٰ است وحکمت او بردست پیغمبر از پیغمبران مرسل درمیان امت او بحثیتی کہ عاجز باشند''۔(49)

حضرت میاں محمد بخشؒ نے اس مضمون کو پنجابی اشعار میں بیان فرمایا:

معجزہ دی تعریف سُناواں جو کہندے مرد اللہ
المعجزات عبارۃ عن اظہار قدرۃ اللہ

اس کے بعد آپ نے معجزات کی چھ اقسام بیان فرمائی ہیں۔ اُن میں سے چوتھی قسم یہ ہے کہ آپؐ کی نبوت کی نشانیاں آسمانی کتب توریت، زبور، انجیل اور صحیفوں میں موجود ہیں:

چوتھی قسم دلائل عقلی سمجھو مومن بھائی
جیوں جیوں شاہدی ایس نبی دی وچ کتاباں آئی
وچ توریت زبور انجیلے وچ صحیفہ نالے
پڑھے سُنے بن ڈٹھے حضرت کھول دسے پرکالے

پانچویں قسم عقلی معجزات اور چھٹی حسّی معجزات ہوتے ہیں:

حِسّی معجزات کی دوسری قسم وہ معجزات ہیں جو صفاتی معجزات کہلاتے ہیں یعنی وہ حضور اکرم ﷺ کے خُلق عظیم سے تعلق رکھنے والے معجزات ہیں۔ مثلاً آپؐ نے ساری زندگی کبھی جھوٹ نہ بولا۔ آپؐ نے نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کبھی بھی بُرا کام نہیں کیا۔

Marfat.com

آپؐ کسی جنگ میں سے کبھی بھی میدان چھوڑ کر نہ بھاگے۔ آپؐ بے حد سخی اور نرم دِل تھے۔ آپؐ کی گفتگو بڑی فصیح اور بلیغ ہوتی تھی:

مندا کم نہ کیتا کوئی ساری وچ حیاتی
پیش ثبوت بعد نبوت آہے نیک صفاتی
بخشوں اگے بخشوں پچھے آہے ہکو جیہے
کسے لڑائی وچ نہ نٹھے نہ دشمن تھیں بھیہے (50)

ان معجزات کے بیان میں حضرت میاں محمد بخشؒ نے تقدس اور عقیدت و محبت کی فضا قائم رکھی ہے۔ زبان سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ اس لیے تحفۂ رسولیہ پڑھ کر کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور مسلمان کا ایمان پختہ ہو جاتا ہے۔ اس کے من میں رسالت کی عظمت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اگر چہ تحفۂ رسولیہ ملا معین کاشفی کی کتاب کا ترجمہ ہے مگر اس کا پنجابی شعری روپ طبع زاد تخلیق کا روپ اختیار کر گیا ہے۔

11۔ گلزار فقر:

گلزار فقر یا فقر نامہ میں عام طور پر تصوف کے مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔ بقول عبدالغفور قریشی: ''فقر نامہ (اوہ صنف) جس وچ سلوک تے معرفت دیاں رمزاں ہون۔'' حضرت میاں محمد بخشؒ نے گلزارِ فقر کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کا ذکر آپؒ ایک شعر میں یوں فرماتے ہیں:

ہندی عشق نیرنگ نوں نظم کیتا نالے فقر والا گلزار ہے جی
ہُن خواص خاں دا ایہہ قصہ ہویا نظم دے وچ تیار ہے جی

ہم نے میر پور، مظفر آباد، لاہور، کراچی، گجرات اور جہلم کی لائبریریاں اور کتب خانے چھان مارے مگر گلزار فقر کا کہیں سراغ نہ ملا۔ ایسے لگتا ہے کہ یہ کتاب کبھی شائع ہی نہیں ہوئی بلکہ قلمی نسخہ ہی کہیں ضائع ہو گیا ہے اور نہ ہی اس کی نقل کا کہیں ذکر ملتا ہے۔

پروفیسر احمد حسین قریشی قلعداری کے کتب خانے میں گلزار فقر نام کی ایک کتاب موجود ہے مگر وہ اُردو مثنوی کا قلمی نسخہ ہے جس کے مصنف کا نام غلام محی الدین میر پوری ہے۔ وہ مثنوی 1156ھ میں تصنیف ہوئی اور اس کے کاتب کا نام لیاقت احمد سیالکوٹی ہے۔ عین ممکن ہے کہ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اسی اُردو مثنوی کو پنجابی نظم میں ڈھال کر گلزار فقر ہی

Marfat.com

نام رکھ دیا ہو۔ کیونکہ آپ کو دوسری زبانوں سے پنجابی نظم میں ترجمہ کرنے کا شوق تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی شوق نے آپؒ سے یہ ترجمہ پنجابی نظم میں کرایا ہو۔

12۔ قصہ سخی خواص خان:

حضرت میاں محمد بخشؒ نے قصہ سخی خواص خان 1282ھ کو تصنیف فرمایا۔ تصنیف کا یہ سن قصہ کی اندرونی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا:

باراں سے بیاسی سن اندر قصہ خان خواص دا جوڑیائے
اُچے رُکھ اُتوں کنڈے جھاک کے جی میوہ دوستاں واسطے توڑیائے (51)

قبل ازیں حضرت میاں صاحب 9 قصے، سوہنی مہینوال، تحفۂ میراں، شیخ صنعان، نیرنگ عشق، شیریں فرہاد، سیف الملوک، تحفۂ رسولیہ، شاہ منصور اور گلزار فقر لکھ چکے تھے۔ اس قصہ کے صفحہ نمبر 39 پر لکھا ہے:

ہندی عشق نیرنگ نوں نظم کیتا نالے فقر والا گلزار ہے جی
ہن خان خواص دا ایہہ قصہ ہویا نظم دے وچ تیار ہے جی (52)

اس قصہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت میاں محمد بخشؒ نے کسی سے یہ قصہ زبانی سُنا اور پھر اشعار کے قالب میں ڈھال کر بیان کر دیا۔ کیونکہ یہ قصہ پنجابی، اُردو، فارسی اور عربی میں کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا اور تواریخ میں جو حالات و واقعات سخی خواص خان کے ملتے ہیں وہ قصہ سے بالکل مختلف ہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ نے خواص خان کے تاریخی کردار کو سامنے رکھ کر خود ہی قصہ گھڑ لیا ہوا۔ کیونکہ اس قصہ کے مآخذات کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا۔

قصہ یوں ہے کہ شیر شاہ سوری نے ہمایوں بادشاہ کو شکست دی اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کے حرم میں خواص نامی ایک خاتون کنیز تھی۔ جب وہ اُمید سے ہوگئی تو شیر شاہ سوری نے اُسے دولت دے کر محل سے رُخصت کر دیا۔ اس کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی تو اس نے بیٹے کا نام خواص خان رکھا۔ خواص خان نے علماء سے علم حاصل کیا اور سپاہ گری کی تربیت حاصل کی۔ ایک دن وہ شیر شاہ سوری کے دربار گیا۔ بادشاہ نے اسے کڑیل جوان دیکھ کر فوج میں بھرتی کر لیا۔ بادشاہ کو علم نہ تھا کہ وہ اسی کا بیٹا ہے۔ ایک دن بادشاہ کو خبر ملی کہ

Marfat.com

آگرہ کی رانی نے خراج دینا بند کر دیا ہے۔ خواص خان نے کہا کہ وہ رانی سے خراج وصول کر سکتا ہے۔ وہ گیا اور اس نے آگرہ فتح کر لیا مگر رانی نے اس کی بہادری دیکھ کر اُسے بیٹا بنا لیا اور آگرہ کی حکومت اُس کے سپرد کر دی۔ پھر اس کے بعد ہر جگہ اس کے انصاف و عدل کے چرچے ہونے لگے۔

شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد اسلام شاہ تخت نشین ہوا اور سلیم شاہ لقب اختیار کیا۔ اُس کا ایک بھتیجا سلطان خان تھا جو سلیم شاہ سے ناراض ہو کر سخی خواص خان کی پناہ میں چلا گیا۔ سلیم خاں نے آگرے پر حملہ کر دیا مگر ناکام رہا۔ پھر اُس نے مکاری سے کام لیا۔ ایک مراثی کو تیار کر کے بھیجا کہ وہ سخی خواص خان کی سخاوت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُس کا سر مانگ کر لائے۔ مراثی نے خواص خان کے دربار میں جا کر اُس کا سر مانگ لیا۔ خواص خان سر دینے کے لیے اس کے ساتھ چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ رہتک آ گئے۔ مراثی سلیم شاہ کے دربار میں گیا اور بتایا کہ خواص خان کو میں نے فلاں باغ میں بیٹھایا ہے اگر حکم ہو تو اس کا سر کاٹ کر پیش کر دوں اور انعام حاصل کروں۔ سلیم شاہ نے اپنے سپاہی بھیج کر سخی خواص خان کا سر قلم کر دیا۔ مراثی نے خوب واویلا مچایا مگر بادشاہ نے اُس کی ایک نہ سُنی۔

تاریخی اعتبار سے خواص خان ایک بہادر افغان جرنیل تھا۔ وہ شیر شاہ سوری کا خاص مشیر تھا اور علاقہ گور کا گورنر تھا۔ اپریل 1540ء میں شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو شکست دی۔ ہمایوں ایران کی طرف بھاگ گیا اور شیر شاہ سوری نے مالوہ 1542ء ریامن 1543ء اور ملتان کا علاقہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ قصہ میں سخی خواص خان کا علاقہ آگرہ بتایا گیا ہے جبکہ وہ سرہند کا حاکم تھا۔ اس طرح تاریخی واقعات اور قصہ میں بہت سے اختلافات موجود ہیں۔ میاں صاحب نے اس قصہ میں جنگ کا منظر نہایت خوبصورتی سے اور خوبصورت الفاظ میں کھینچا ہے:

ل: لہہ پیا مینہ شستر اندا جویں پھل جھلا لہے ساونے دا
ہاتھاں گجیاں وجیاں آپس اندر رہیا تھاں نہ پیر ہٹاونے دا
سٹے جھڑن لگے ووٹھا رت یارو جدوں خان دے ہتھ اٹھاونے دا
جیویں اگ ببول تے جاوندی اے سویو رنگ سی خان دے دھاونے دا(53)

حضرت میاں صاحبؒ نے اس قصہ میں عورتوں کی فطرت اور خصلت تفصیل سے

Marfat.com

بیان کی ہے اور خاص طور پر نفسیاتی نکتے بیان فرمائے ہیں۔عورتوں کی مکاری اور چلتر کاری پر سے پردہ اُٹھایا ہے۔اس قصے کی سب سے بڑی خوبی اختصار ہے۔حضرت میاں صاحبؒ نے تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کے استعمال میں خوب فیاضی سے کام لیا ہے:

نعرہ مار کے جا میدان وڑیا سراں تے دھڑاں دے گنج لائے
تلوار محمدا سوار گھوڑا وڈھ ٹھار زمین تے ونج لائے

آپ نے اس قصہ میں عربی، فارسی، اُردو اور پنجابی کے بے شمار الفاظ استعمال کیے ہیں اور قصے کو دلچسپ بنایا ہے۔

13۔ مرزا صاحباں:

قصہ مرزا صاحباں پنجاب کی خالص رومانی داستان ہے۔اس کی مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ پنجاب کے باشندوں کو اپنی ہی معاشرت، سماج، بُود و باش، مزاج، اخلاق، بہادری اور جوانمردی اس قصہ میں دکھائی دیتی ہے۔اگر صاحباں پنجاب کے خالص حُسن، محبت اور خلوص کی علامت ہے تو مرزا خان جوانی، غیرت اور بہادری کا استعارہ ہے۔اس لیے ہم پنجابیوں کو اس قصے میں اپنا ہی چہرہ مہرہ نظر آتا ہے۔اپنی ہی خواہشیں، چاہتیں، محبتیں، نفرتیں، آرزوئیں اور تمنائیں دکھائی دیتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہ قصہ ہمیں دیگر قصص سے زیادہ دلعزیز اور دلپذیر لگتا ہے۔آئی سری بریا کوف نے اس کی وجہ یوں بیان کی ہے:

"The kissa reflects the daily life, the customs and habits of the Punjabi family. The sincerity and artlessness with which Hafiz Barkhurdar revealed his Heroes' intimate world endeared them to readers and listeners, making them on live through the vicissitudes of the tragic Lovers fate" (54)

پنجابی میں یہ قصہ بہت سے شاعروں اور ادیبوں نے لکھا۔ہر ایک نے اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق قصہ میں تبدیلیاں کیں مگر مرکزی کردار وہی ہیں جو سب سے پہلے مرزا صاحباں لکھنے والے شاعر پیلو نے متعارف کرائے تھے۔قصہ صرف اتنا ہے کہ:

مرزا خان دانا آباد (ضلع شیخوپورہ) کے مشہور قبیلہ کھرل کے سردار ونجھل جاٹ کا

Marfat.com

بیٹا تھا۔ اس کی والدہ کا نام لانگی مہری تھا جس کا تعلق جھنگ مگھیانہ کے کھیوا خاندان سے تھا۔ مرزا خان اپنے ماموں کے پاس پڑھنے جھنگ چلا گیا۔ خان کھیوا کی بیٹی صاحباں بھی اسی مدرسہ میں پڑھتی تھی۔ دونوں کے درمیان محبت ہوگئی۔ والدین نے دونوں کی منگنی کر دی۔ پھر مرزا واپس دانا آباد آ گیا۔ صاحباں کی والدہ کو یہ رشتہ پسند نہ تھا۔ اُس نے یہ منگنی توڑ کر ایک زمیندار طاہر چدھڑ سے صاحباں کی منگنی کر دی اور جلد ہی شادی طے کر دی۔ مرزا خان کو پتہ چلا تو وہ گھوڑی پر سوار ہو کر جھنگ پہنچا اور صاحباں کو اغوا کر کے لے آیا۔ راستے میں اُسے نیند آ گئی اور وہ جنڈ کے ایک درخت کے نیچے سو گیا۔ صاحباں کے بھائی اور طاہر چدھڑ کے قبیلے کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور مرزا خان کو قتل کر کے صاحباں کو ساتھ لے گئے اور اُسے طاہر چدھڑ سے بیاہ دیا۔ جبکہ بعض قصہ نگاروں نے لکھا ہے کہ صاحباں مرزا خان کو بچاتے ہوئے شہید ہوگئی۔ اس لیے دونوں کی قبریں دانا آباد ہیں۔ آر سی ٹیمپل نے اس واقعہ کو منٹگمری کا لکھا ہے:

"This is a very celebrated tale in the Jhang and Montgomery Districts and there throughout the Punjab, because of the fueds which the elopement of the heroine with her cousin Mirza led to the fight between the Mahnis (Siyal) and Chadhars of khiwa in the Jhang District and kharals of Danabad in Montgomery District." (55)

پنجابی زبان میں یہ قصہ لکھنے والوں میں پیلو، حافظ برخوردار، میاں محمد بخشؒ، میاں محمد دین دلاوری، محمد بوٹا، جان محمد، منشی خواہش علی، میراں شاہ جالندھری، مستری مولا بخش، محمد شاہ جیون خاں مخدوم، محمد شفیع، مولا بخش مجیٹھوی، میاں شیر محمد، قاضی فقیر محمد شاہ، جیور سنگھ، سندر سنگھ، بھگوان معراجیا، بشیر احمد چشتی، حشمت شاہ، حاجی کریم بخش، شیر محمد، سید نواب شاہ، ایم اے حشمت، شاہد رضا، عبدالحمید کریام والا، مرزا نذیر احمد اختر، چراغ دین جونیکے والا اور دائم اقبال دائم قابل ذکر ہیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے یہ قصہ (مرزا صاحباں) 1288ھ کو تصنیف فرمایا اور اس میں 1647 اشعار لکھے۔ یہ قصہ عید الفطر کے روز مکمل ہوا۔ جس کے بارے میں یوں بیان فرماتے ہیں:

Marfat.com

گلاں ایہہ نہ مکدیاں چل گیا ہر شان گمان نشان والا
قصہ تم ہو یا دن عید والے گیا لکھدیاں ماہ رمضان والا
باراں سے اٹھاسی سن اندر قصہ آکھیا جگر تپان والا
ایس قصیوں پایا یار قصہ ہے سی اوہ بھی یار احسان والا (56)

حضرت میاں صاحبؒ نے قصہ سخی خواص خان 1282ھ میں تخلیق کیا۔ اُس کے بعد 1288ھ میں قصہ مرزا صاحباں تصنیف کیا۔ درمیان میں چھ سال کا عرصہ بغیر کسی تالیف و تصنیف کے گزر گیا۔ ایک زود گو شاعر جس کا دماغ تخلیقی صلاحیتوں کی آماجگاہ ہو، جو بیٹھتے اُٹھتے، سوتے جاگتے شعر کہتا ہو وہ اس قدر طویل عرصہ کیسے خاموش رہ سکتا ہے۔ یہ بڑے اچنبے کی بات ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جس دریا کے آگے بند باندھ دیا جائے وہاں پانی جمع ہوتا رہتا ہے۔ پھر ایک دن وہ زور سے بند توڑ کر بہہ نکلتا ہے اور راستے میں آنے والے خس و خاشاک کو بھی اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔ قصہ مرزا صاحباں کے مطالعہ سے یہ چھ برس کی خاموشی کی وجہ آسانی سے سمجھ آ جاتی ہے۔

قصہ مرزا صاحباں میں حضرت میاں صاحب نے قصہ ہیر رانجھا والی طویل بحر استعمال کی ہے جبکہ آپ کے باقی تمام قصص چھوٹی بحر میں ہیں۔ آپ چھ برس تک شاعری کے مختلف اسالیب، فکری ڈھانچے، الفاظ و تراکیب، نئی تشبیہات و استعارات اور فنی تکنیک کے متعلق غور و فکر کرتے رہے۔ اس لیے قصہ مرزا صاحباں آپ کے فکری اور فنی ارتقاء کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس قصہ میں صنعت تجنیس، صنعت تجنیس تام اور صنعت مقلوب وغیرہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ مثال کے طور پر صنعت تجنیس کے دو شعر دیکھیے:

ماراں درد دی تان تاں تان ٹٹے صبروں رکھنی ہاں تینوں تان اگے
نین وگدی بان زبان بندی بندی اوڈیاں ہجر دی بان اگے
مار مار دی مار بیمار کیتی دھایا زہر تیمار نوں آن اگے
میرے من دی من محمدا جیو نذر من میں رکھساں جان اگے (57)

اس صنعت کو کلام میں استعمال کرنا بے حد دشوار ہے۔ اس کے استعمال سے اکثر کلام مبہم ہو جاتا ہے مگر استاد اور قادر الکلام شاعر اس صنعت کے استعمال سے کلام میں بلاغت اور ترفع پیدا کرتے ہیں۔ جس طرح حضرت میاں صاحب کے کلام میں عمدہ امثال موجود ہیں۔

Marfat.com

حضرت میاں صاحب نے قصہ کے پلاٹ میں ربط و ضبط پیدا کیا ہے۔ واقعات کے بیان میں ترتیب اور تنظیم کا خاص خیال رکھا ہے۔ علاوہ ازیں اس قصہ مرزا صاحباں میں صرف اخلاقی اور فلسفیانہ باتیں ہی بیان نہیں کیں بلکہ شاعرانہ فنی کمالات بھی دکھائے ہیں۔ اشعار میں حُسن و دلچسپی پیدا کرنے کے لیے خوبصورت تشبیہات، نادر استعارات اور واضح تلمیحات سے خوب کام لیا ہے۔ ان کی طبیعت میں روانی، جوش، بلاغت، وضاحت، فصاحت اور نزاکت بدرجہ اتم موجود ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ نے قصے کا انجام بدل دیا ہے۔ انہوں نے مرزا خان کی موت کے بعد صاحباں کا راستے میں مر جانا دکھایا ہے۔ جبکہ حافظ برخوردار نے اپنے قصہ مرزا صاحباں میں صاحباں کو جنڈ درخت کے نیچے ہی مرتے دکھایا ہے:

بناں یار تھیں کجھ نہ جان دے ہاں بخشے ربّ کبیر ہوریں
روح صاحباں دا پہتا کھرل تائیں اک ہو گئے کھنڈ کھیر ہوریں (58)

14۔ قصہ سسّی پُنوں:

یہ قدیم عشقیہ داستان ہے۔ اس کا تعلق سندھ کے شہر بھنبھور سے ہے جہاں آدم جام بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کے ہاں ایک بیٹی سسّی پیدا ہوئی۔ نجومیوں نے بتایا کہ یہ عشق میں بادشاہ کا نام بدنام کرے گی۔ بادشاہ نے اُسے صندوق میں ڈال کر دریا بُرد کر دیا۔ راستے میں اتا دھوبی نے صندوق پکڑ لیا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی اُس نے سسّی کو پالا پوسا اور جوان کیا۔ ایک دن ایک مصور کے پاس سسّی نے پنوں کی تصویر دیکھی تو اس پر عاشق ہو گئی۔ پتہ چلا کہ پنوں کیچ مکران کا شہزادہ ہے۔ جب وہ سسّی سے ملا تو دونوں نے شادی کر لی۔ پنوں کے بھائیوں نے ایک رات پنوں کو شراب پلا کر بیہوش کیا اور اونٹ پر ڈال کر واپس مکران لے گئے۔ سسّی کو پتہ چلا تو وہ ننگے سر اور ننگے پیر اس کے پیچھے بھاگی۔ مارو تھل میں اس کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے اور وہ سخت گرمی سے مر گئی۔ پنوں کو علم ہوا تو وہ بھی اس کی قبر پر پہنچا۔ قبر شق ہو گئی اور وہ قبر میں سما گیا۔

بقول ڈاکٹر محمد باقر فارسی کے بہت سے شعرا نے قصہ سسّی پنوں فارسی نظم میں لکھا ہے۔ ڈاکٹر احمد حسین قریشی نے بتایا کہ یہ قصہ سندھی، انگریزی، فرانسیسی، اُردو زبانوں میں بھی موجود ہے۔ پنجابی میں اس قصہ سسی پنوں کو تقریباً 30 شاعروں نے نظمایا ہے۔ جن میں

Marfat.com

سے ہاشم شاہ، فضل شاہ، میاں محمد بخشؒ، ملکھی رام اور دائم اقبال دائم کے لکھے ہوئے قصے زیادہ مشہور ہوئے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اس قصہ کو اپنے مزاج کے مطابق تصوف کے رنگ میں ڈھالا ہے اور سی حرفی کی صنف اختیار کی ہے۔ فرماتے ہیں:

ذ: ذرا نہ ڈولیں سیئے نی لگا نیونہہ نہ توڑیں تے ہتھ جوڑیں
غیر ولوں مونہہ کجی رکھیں مگر پنوں دے دوڑیں بوہتی لوڑیں
الم اعھد الیکم کہندا غیراں دی گل موڑیں سنگ نہ پھوڑیں
پالیں قول اقرار محمدا پچھا مول نہ چھوڑیں کیچم توڑیں (59)

اس قصے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ شاعر نے موزوں اور مناسب الفاظ کے استعمال کے ساتھ ہر بند میں دوہرا قافیہ استعمال کیا ہے۔ جس سے اشعار میں موسیقی کا عنصر نمایاں ہو گیا ہے۔ قصہ پند و نصائح اور تصوف کے مسائل سے بھرپور ہے۔

15۔ ہدایت المسلمین:

پنجاب میں سکھوں کے زوال 1849ء کے بعد انگریزوں نے جب حکومت سنبھالی تو اپنی پالیسی (Divide and Rule) ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' پر عمل کیا۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دی۔ مولوی حضرات کی خدمات حاصل کیں اور فروعی مسائل کو خوب پھیلایا۔ انگریزوں کی پالیسی کامیاب رہی چنانچہ اہلسنت والجماعت، مرزائیوں، شیعیوں اور دیگر مسلکوں کے مابین جھگڑے، مناظرے، نعرہ بازی، بہتان تراشی، اعتراضات اور پراپیگنڈا اشاعتی ادب شروع ہو گیا۔ متحارب گروپ ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے صادر کرنے لگے۔ اس سلسلے میں بہت سی کتب فارسی، اردو اور پنجابی نظم و نثر میں شائع کر کے لوگوں میں تقسیم کی گئیں۔ ان کتب میں سے مولوی کریم الدین دبیر کی کاشف اسرار نہانی، صلوٰۃ الوتر، صلوٰۃ الغرب اور مولوی عبدالکریم قریشی کی کتابیں تذکرہ علما احناف، تفسیر سورۃ فاتحہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت میاں محمد بخشؒ سُنی العقیدہ تھے۔ اس لیے آپؒ اس تحریک میں نہ صرف شامل ہوئے بلکہ سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ایک رسالہ ہدایت المسلمین 22 ربیع الاول 1297ھ کو تصنیف فرمایا۔ جس کے آخر میں تصنیف کا سن یوں درج کیا ہے:

Marfat.com

باراں سو ستانوے آہا ہجری سن سناواں
تد ایہہ نظم پنجابی کیتی کارن یار بھراواں
بائیویں چن ربیع الاول دی ستویں ماہ وساکھوں
ہوون دُرود سلام نبی تے ودھ شماروں لاکھوں (60)

گلستان غازی قلندر کے مصنف مشہود الفاروق اس مذکورہ تاریخ کو جھٹلاتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ رسالہ 1294ھ میں لکھا گیا۔ انہوں نے اسی بات پر سبط الحسن ضیغم، محمد خلیل ثاقب اور عزیز احمد چودھری کو جھٹلایا ہے اور بے معنی دلیل اور ثبوت پیش کیا ہے۔ (61)

یہ رسالہ اہل سنت والجماعت کے عقائد اور ردّ وہابیاں کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ انبیاء کرام سے مدد طلب کرنا جائز ہے۔ انبیاء کرام اور اولیاء کرام کا وسیلہ صحیح ہے۔ قبریں سُنتی ہیں اور جنگِ بدر کے شہید سُنتے ہیں۔ خرق عادات، اولیاء کی کرامات، نذر نیاز، مزاروں پر چڑھاوے چڑھانا سب جائز ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ نے اس رسالے میں اپنی طرف سے بہت کم باتیں لکھی ہیں۔ احادیثِ نبویؐ اور علماء کرام کی کتابوں سے زیادہ حوالے دیے ہیں اور کوئی بات دلیل یا ثبوت کے بغیر نہیں لکھی۔ مثلاً مشکوٰۃ شریف کا حوالہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

ایہہ روایت ہے جوزا تھیں ویکھو وچ مشکوٰتے
قحط پیا اِک وار مدینے بندش سی برساتے
مومن بہت ہوئے لاچاری یاس صدیقہؓ آئے
اُم المومنین دے اگے رو رو حال سُنائے
ویکھو قبر نبیؐ دی جا کے صدیقہؓ نے فرمایا
سدھے اوس طرف آسمانے کھلا سوراخ بنایا
ظاہر پردہ کوئی نہ ہووے باطن کوئی نہ پردہ
جیویں فرمایا تیویں کیتا جھبدے آیا مینہ اُتردا (62)

رسالہ ہدایت المسلمین کی شہرت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے اس پر تقریظ لکھنا باعث فخر گردانا۔ اس رسالے میں کُل اشعار کی تعداد 1936 ہے۔

Marfat.com

جب یہ رسالہ پہلی مرتبہ ملک غلام نور اینڈ سنز پبلشرز، جہلم نے شائع کیا تو اس کے کل 136 صفحات تھے اور ان میں حضرت میاں محمد بخشؒ کی سوانح عمری، دس تقاریظ، ایک مرثیہ اور ایک تاریخ موجود تھی۔ جن میں سے چار تقاریظ عربی اور تین فارسی زبان میں تھیں۔ علاوہ ازیں مولانا غلام جیلانی کا لکھا ہوا مرثیہ بھی رسالے میں شامل تھا۔ حضرت میاں صاحبؒ کا وصال 1324ھ میں ہوا۔ اس مرثیے کا کمال یہ ہے کہ اس کے ہر مصرعے سے سال وصال 1324ھ ظاہر ہوتا تھا۔ مثلاً:

پُر از آہ گوئیم قصیدہ تاریخیہ وفات بے تابی آیات 1324ھ

زاہدے سجادہ نشین دربار دُربار، دربار پیرا شاہ صاحب نیک اطوار 1324ھ

دوسری مرتبہ یہ رسالہ ہدایت المسلمین دربار کھڑی شریف سے جناب میاں محمد سکندر نے شائع کیا۔ اس کے کل 96 صفحات تھے۔ انہوں نے تقاریظ، تاریخیں، سوانح عمری اور مرثیہ نکال دیا تھا۔ اس مختصر سی کتاب ہدایت المسلمین کی افضل عبارت کے معنوں میں جس طرح پھُول میں مست خوشبو، عرق میں عطر، دودھ میں سفیدی، شہد میں مٹھاس، سورج میں روشنی، غذا میں وجد، ادا میں دلربائی چھپی ہوتی ہے، اسی طرح اس رسالے کی سطر سطر میں لفظ لفظ میں اور حرف حرف میں خاص لذت اور چاشنی موجود ہے۔

16۔ پنج گنج:

پنج گنج مراد پانچ خزانے۔ اس کتاب میں پانچ سی حرفیاں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ قصہ سسی پنوں، ایک باراں ماہ اور مزید دوسی حرفیاں بھی شامل ہیں۔ یہ نسخہ نور اینڈ سنز تاجران کتب جہلم نے شائع کیا ہے۔

پنجابی میں پنج گنج کسی باقاعدہ صنف کا نام نہیں ہے بلکہ شاعر کے مختلف کلام، قصوں اور سی حرفیوں کے مجموعے کو پنج گنج کا نام دیا جاتا ہے۔ ان خزانوں میں عام طور پر حمد، مناجات، منقبت، پندو نصائح، عمل کی تلقین، ایمان کی سلامتی، عشق، مرشد کا احترام اور تصوف کے مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔ لیکن پنج گنج کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کے دامن میں ہر رنگ و ڈھنگ کے مضامین سما سکتے ہیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے مجموعہ پنج گنج میں سات سی حرفیاں شامل کی ہیں ان کا موضوع بقا اور فنا، جدائی، عشق، مرشد سے محبت، عقیدت، شیخ غوث الاعظمؒ سے ارادت، عمل کی تلقین، نظریہ وحدت الوجود، نعت، حمد، توبہ استغفار، قرآنی

Marfat.com

آیات واحادیث اور بخشش کی خواہش موجود ہے۔ جیسے عشق کے متعلق فرماتے ہیں:

ش: شاہ فقیر امیر میاں نڈھے پیر غلام نیں عشق اگے
کئی شیر جوان دلیر سوہنے سوئی زیر لگام نیں عشق اگے
نت لہو شراب کباب پکے ایہو آب طعام نیں عشق اگے
کسے گت محمدا پت رہے وت وت سلام نیں عشق اگے (63)

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ قادریہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں غوث الاعظمؒ کے ساتھ بے حد عقیدت اور ارادت تھی۔ چنانچہ جگہ جگہ اس عقیدت کا اظہار نظر آتا ہے۔ مثلاً:

ی: یاد کراں بغداد والے دیوے داد تاں خاص نجات ہووے
رُٹھا یار ملے بہتا پیار کر کے رل بیٹھے تے مٹھی بات ہووے
سدا شاہ جیلانی دی آس مینوں ہک مہر دی نظر دی وات ہووے
یاری کرے محمدا کرم شالا دل دوستی نال حیات ہووے (64)

پنجابی شاعری میں تقریباً بیس مجموعہ پنج گنج شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں میاں محمد بخشؒ، محمد بوٹا، فضل شاہ، غلام رسول، خوشی رام عارف اور دائم اقبال دائم کے نام مشہور ہیں۔ حضرت میاں صاحبؒ نے اپنے پنج گنج میں عشقِ حقیقی، تصوف اور اس کے مسائل بیان کیے ہیں۔ اس میں کُل 1310 اشعار ہیں۔

17۔ چٹھی ہیر:

یہ مختصر سا قصہ صرف 26 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کے 121 بند اور 1242 اشعار ہیں۔ یہ قصہ 1315ھ میں تصنیف کیا گیا۔ جس کے بارے میں حضرت میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

تیراں سے تے پنداں ہجری جدوں ایہہ رباعیاں آئیاں نی
موضع پنجنی بیٹھ کے نظم کیتی جتھے بہت کماں بھیڑاں پائیاں نی
داہے چھ تے اٹھ ہے عمر گذری ہوشاں ہمتاں وچ خطائیاں نی
سبھ شرم محمدا پیر نوں جی جیندے کرم اُتے آساں لائیاں نی (65)

اس قطعہ میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ان کو رباعیاں کہا گیا ہے حالانکہ یہ رباعیاں نہیں بلکہ قطعات ہیں۔ رباعی کے لحاظ سے علماء اور فقہا نے 24 اوزان

Marfat.com

مقرر کیے ہیں، جن میں سے بارہ اوزان اخرم میں اور بارہ اوزان اخرب میں ہیں۔ ان اوزان میں لکھے ہوئے مصرعوں کو رباعی کہا جاتا ہے۔ ان اوزان سے باہر اگر کسی وزن میں چار مصرعے لکھے جائیں تو وہ رباعی نہیں چومصرعہ یا قطعہ ہوگا۔

دوسرے یہ قطعات کھڑی شریف میں نہیں بلکہ پنجنی یا پنجن کے مقام پر لکھے گئے ہیں جو بلند اور سرد مقام ہے۔ جہاں گرمی کے موسم میں حضرت میاں صاحبؒ تشریف لے جاتے تھے۔ سیف الملوک کا بیشتر حصہ بھی اسی مقام پر تخلیق کیا گیا۔ وہاں آپ نے ایک مسجد اور تالاب بھی تعمیر کرایا تھا۔ بلکہ آپ کا فرضی مزار اس جگہ موجود ہے۔ جس میں آپ کی گودڑی، عصا اور ایک دانت دفن ہے۔ یہاں ہر سال آپؒ کا عرس ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان اشعار میں آپ نے اپنی عمر 68 برس بتائی ہے جس سے قارئین کرام کو ایک الجھن پیدا ہوگئی ہے۔ اگر 1315ھ کو آپ کی عمر 68 برس تھی تو پھر آپ کی تاریخِ ولادت 1246ھ نہیں بلکہ 1247ھ بنتی ہے۔ عیسوی کے اعتبار سے 1830ء کی بجائے 1831ء ولادت کی تاریخ ثابت ہوتی ہے۔ لیکن مذکورہ اشعار میں ایک سہارا ایک راستہ ہمیں مل جاتا ہے جو ہمیں اس مخمصے میں سے باہر نکالتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''ہوشاں ہمتاں وچ خطائیاں نی'' یعنی بتقاضائے عمر ہمت اور ہوش میں کمی واقع ہوگئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت میاں صاحب نسیان میں 69 برس کی بجائے 68 برس لکھ گئے ہوں۔

چٹھی ہیر رانجھا مختصر ہونے کی وجہ سے قصہ شیخ صنعان کے آخر میں شامل کر دی گئی۔ اس چٹھی میں رانجھے کو ہیر نے لکھا ہے کہ وہ ٹلہ جوگیاں جہلم جا کر جوگ حاصل کرے۔ رانجھا اس پر عمل کرتا ہے تو جوگی رانجھا سے پوچھتا ہے:

مہربان ہو کے پیر پچھدا اے بچہ دس کھاں کیہ اے رنج تینوں
غمناک تے جگر ہلاک دسیں کوئی یاد نائیں شش پنج تینوں
پرواہ نائیں تینوں غیر دی جی ہتھ آیا اے عشق دا گنج تینوں
آنسو بند محمدا نہیں تیرے توڑے لنگھ جاون صبح سنج تینوں

18۔ تذکرہ مقیمی (فارسی):

تذکرہ مقیمی حضرت میاں محمد بخشؒ کی فارسی میں واحد تصنیف ہے۔ یہ کتاب فارسی نظم اور نثر میں ہے۔ کتاب کا بیشتر حصہ فارسی نثر میں ہے لیکن کہیں کہیں فارسی میں مدحیہ

Marfat.com

اشعار کے موتی پروئے گئے ہیں۔ یہ کتاب دراصل ان بزرگوں اوزصوفیوں کا تذکرہ ہے جن کو حجروی بزرگوں اور حضرت پیرا شاہ قلندر سے روحانی نسبت تھی۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے تذکرہ مقیمی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں سید احمد علی بن سید محمد صادق کی تحریریں ہیں۔ دوسرے حصے میں خاندانِ قلندریہ کا ذکر ہے جو حضرت میاں صاحب کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ سید احمد علی بن سید محمد صادق استر آبادی نے 1172ھ کو حجروی خاندان کے بزرگانِ دین کے تاریخی حوالہ جات تحریر کرنے شروع کیے۔ سید احمد علی بن سید محمد صادق نے حضرت میراں لعل بہاول شیر قلندر (972ھ) کے ذکر پاک سے شروع کر کے حضرت سید شجاعت علی اور حضرت سید مہر علی صاحبان کی پیدائش (1182ھ) تک کے واقعات بزبان فارسی نثر تحریر کیے۔ علاوہ ازیں دوطویل غزلیں، ایک قصیدہ اور ایک قطعہ بھی تحریر کیا۔''(66)

تذکرہ مقیمی کی تصنیف کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ قادریہ سلسلے کے اُن بزرگانِ دین اور صوفیاء کرام کے حالات و کرامات محفوظ کر لیے جائیں جن کی حضرت پیرا شاہ غازی قلندر سے روحانی نسبت تھی۔ تا کہ اُن کی پارسائی لوگوں کے لیے ایسی مشعل بن جائے جن کی روشنی میں وہ زندگی کی صحیح سمتیں متعین کر سکیں۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مبادا اُن کے حالات و واقعات پر زمانے کی گرد جم جائے اور وہ نسیاً منسیاً ہو جائیں۔ لہٰذا ان بزرگوں کو اُن کی کرامات اور خوارق و عادات کے حوالے سے اس طرح پیش کیا ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ کی اُن سے عقیدت و ارادت کے موتی مزید درخشاں ہوتے جاتے ہیں۔ مثلاً سید شاہ محمد مقیم (م 1055ھ) کی مدح میں لکھتے ہیں:

تاج سر اولیاء افسر اقطابہا
عالم علم خدا شاہ محمد مقیم
مخزن علم وحیا مطلع جود وسخا
شمہ ہر دو سرا شاہ محمد مقیم(67)

تذکرہ مقیمی تاہنوز اشاعت پذیر نہیں ہوئی۔ اس تذکرہ کے دو قلمی نسخے موجود

Marfat.com

ہیں۔ایک نسخہ حجرہ شاہ مقیم کے دربار میں موجود ہے اور دوسرا قلمی نسخہ حضرت میاں محمد بخشؒ کے خاندان کے ایک شخص میاں محمد اشرف ڈسٹرکٹ کونسل میر پور (آزاد کشمیر) کے پاس محفوظ ہے۔ یہ قلمی نسخہ حضرت میاں صاحب کے اُستاد حافظ محمد علی کے صاحبزادے حافظ مطیع اللہ اور ان کے بیٹے حافظ عبدالعزیز کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔اس نسخے کا پہلا حصہ 15 جمادی الاول 1324ھ کو مکمل ہوا۔جس کی شہادت پہلے حصے کے خاتمے پر اس عبارت سے ملتی ہے:

''تمام شد تذکرہ مقیمی بروز سہ شنبہ بوقت ظہر بمقام سموال 15 جمادی الاول 1324ھ 24 ساون 1963 بکرمی حسب الحکم حضرت میاں محمد بخشؒ مصنف صورت انصرام پذیر شد بدست احقر العباد محمد مطیع اللہ، در مقام بدستیاری برخوردار عبدالعزیز اختتام یافت۔''(68)

تذکرہ مقیمی کا دوسرا حصہ حضرت میاں محمد بخشؒ کی زندگی میں ہی 29 ماہ رجب المرجب 1324ھ کو (حضرت میاں صاحب کی وفات سے صرف تین ماہ پیشتر) لکھا گیا۔اس حصے پر کاتب کے جو نام درج ہیں وہ محمد مطیع اللہ اور عبدالعزیز ہیں اور عبارت ہے۔

''قد تمت الکلام بعون الملک العلام بحسب الاقتضاء و المرام غوث زماں قطب دوراں حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب مصنف کتاب ہذا صورت انصرام پذیر شد۔ بعون اللہ الملک المنعام 4 ماہ اسوج 1963 بکرمی بمطابق 1324ھ بمقام سموال۔''(69)

مذکورہ عبارت میں سموال کا لفظ اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ تذکرہ مقیمی کا دوسرا حصہ بھی حافظ مطیع اللہ اور حافظ عبدالعزیز کے ہاتھ کا ہی لکھا ہوا ہے۔اس کے علاوہ کتاب کے پہلے اور دوسرے حصے کی کتابت ایک جیسی، دائروں کی کشش اور الفاظ کی بناوٹ ایک دوسرے سے ملتی ہے۔ میرے سامنے یہ قلمی نسخہ موجود ہے جس کے کل 468 صفحات ہیں۔ جس پر آخری دو شعر یوں درج ہیں:

ہمیں است سِرالی اللہ یقین
بقا یافتہ سیرالی اللہ بیں
قدم زد یسر من اللہ باز
خمش اے محمد مکن ترکتاز

Marfat.com

بعدازاں حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے مرشد کا حال اور وفات کا سن لکھا ہے:

محمد عیاں سال ہجری شمار
ہزار و دو صد نُود ہفتاد
خدایا آن جسم و جاں زمین کسان
سلام پرساں سلام رساں

تذکرہ مقیمی کے پہلے حصے میں مندرجہ ذیل 9 بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کا ذکر ہے۔ یہ حصہ 100 صفحات پر مشتمل ہے:

1- حضرت میراں لعل بہاول شیر قلندرؒ (وفات 972ھ)
2- حضرت شاہ نورؒ (وفات 988ھ)
3- حضرت شاہ ابوالمعالیؒ
4- حضرت سید شاہ محمد مقیمؒ (1050ھ)
5- حضرت سیف الرحمٰن صفیؒ
6- حضرت شاہ محمد امیر بالا پیرؒ
7- حضرت شاہ ابو محمدؒ
8- حضرت شاہ حسینؒ
9- حضرت شاہ محمد ہاشمؒ

پہلے حصے کا آغاز حمدِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ مثلاً:

اے ناطقہ در بیان اوصاف تو لال
از درک تو قاصرست اوہام و خیال

حمد کے بعد نعتِ رسولِ مقبول ﷺ، قصیدہ در مدح اصحابِ کبار، قصیدہ در مدح ائمہ اہل بیت، قصیدہ در مدح غوث الاعظمؒ لکھ کر ص 26 سے سید میراں بہاول شیر قلندرؒ کے حالات فارسی نثر میں لکھے ہیں۔

تذکرہ مقیمی کا دوسرا حصہ ضخیم ہے جو 368 صفحات پر مشتمل ہے اس حصے میں کل 17 بزرگانِ دین کا ذکر ہے۔ یوں تذکرہ مقیمی کے صفحات کی کل تعداد 468 بن جاتی ہے۔ تذکرہ مقیمی کے منتخب حصے کا اردو ترجمہ ملک محمد ٹھیکیدار (جہلم) نے کیا ہے اور اس کا نام بوستانِ قلندری رکھا ہے۔ اس کتاب کو سب سے پہلے مولوی فقیر محمد مالک مطبع سراج المطابع (جہلم) کے فرزند منشی حسن الدین کاتب سیالکوٹی نے جہلم سے شائع کیا۔

دوسری مرتبہ جہلم سے ملک غلام نور اینڈ سنز نے ملک محمد ٹھیکیدار کی دختر نیک اختر کی اجازت سے شائع کیا۔ یہ ترجمہ 1963ء کے قریب اشاعت پذیر ہوا۔ ملک محمد ٹھیکیدار

Marfat.com

نے تذکرہ مقیمی کے پہلے حصے کا کم اور دوسرے حصے کا زیادہ ترجمہ کیا ہے۔ پہلے حصہ میں حضرت شاہ ابو حامد کا ذکر نہیں کیا۔

ترجمہ سلیس اُردو زبان میں ہے۔ مترجم نے صرف فارسی نثر کا ترجمہ کیا ہے۔ نظم کا حصہ ویسے ہی رہنے دیا ہے۔ نظم کا حصہ علیٰحدہ نہیں ہے بلکہ نثر کے درمیان ہی کوئی قصیدہ، رباعی، نظم یا مثنوی لکھی گئی ہے۔ زیادہ تر کلام مدحیہ ہے۔ مثلاً حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ کی رحلت کے متعلق لکھا ہے:

زہے شاہ مستاں جام الست
کزو آمدہ است برمست مست
کسے کو شد از جام او جرعہ یاب
جو شمس است تاباں چوں روشن شہاب
بچشمس ہر آنکس کہ منظور شد
بعالم علم وار منصور شد (70)

اس کتاب کے پہلے حصہ میں 565 اشعار اور دوسرے حصے میں 423 اشعار ہیں اس طرح کل اشعار کی تعداد 988 ہے۔

تذکرہ مقیمی کا ایک اُردو ترجمہ مئی 2008ء میں محمد منور نورانی نے کیا ہے اور اسے میاں محمد بخشؒ اکیڈمی ریڈچ یو کے (U.K) نے شائع کیا ہے۔ علامہ منور نورانی کا تعلق ساہیوال سے ہے لیکن میاں محمد بخشؒ کے عقیدت مند ہیں۔ انہوں نے نہایت لگن، عرق ریزی، خلوص، محنت اور دیانت داری سے یہ ترجمہ کیا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو درست ہو گا کہ انہوں نے چراغ کہن کی تازہ کرن سے اُردو دان طبقہ کے قلب و نظر کو مستنیر کیا ہے۔ انہوں نے پہلے فارسی کا شعر لکھا ہے نیچے اس کا اُردو ترجمہ درج کیا ہے۔ مثلاً حمد کا پہلا شعر یوں ہے:

اے ناطقہ در بیانِ اوصاف تو لال
از درکِ تو قاصرست اوہام و خیال

ترجمہ: اے باری تعالیٰ! زبان تیرے اوصاف بیان کرنے سے گنگ اور عاجز ہے اور خیالات و تصورات تجھے پانے سے قاصر ہیں۔

Marfat.com

اس کتاب کا پہلا حصہ صفحہ نمبر 177 پر اختتام پذیر ہوتا ہے اور دوسرے حصے کا آغاز صفحہ نمبر 181 سے یوں ہوتا ہے:

دوسرا باب ان سب کے ذکرِ جمیل میں ہے جن کی زیارت سے یہ عقیدت مند بلا واسطہ زندگی میں ہی مشرف ہوا اور وہ دو قسموں پر منقسم ہے۔

تیسرا باب صفحہ نمبر 239 سے شروع ہوتا ہے جس کا آغاز تذکرہ حضرت پیرا شاہ غازی قلندر سے ہوتا ہے۔ جس پر یہ شعر درج ہے:

پیر میرا اوہ دمڑی والا پیرا شاہ قلندر
ہر مشکل وچ مدد کردا دوہاں جہاناں اندر

''آپ سخی سرکار، شاہ شاہان، پیر پیراں، دستگیر در ماندگاں، رہنمائے گمراہاں، مشکل کشائے ہر دو جہاں جناب قطب الاقطاب، فرد الاحباب، پیرانِ پیر عالی جناب مست، مست ساز، بادشاہ بے نیاز، شیر بیشہ، اولیاء اوج کبریائی کے شہباز، شہادت پناہ حضرت غازی پیر پیرا شاہ صاحب قادری قدس سرہ العزیز۔''(71)

ترجمہ دلچسپ اُردو زبان میں ہے۔ زبان زیادہ سلیس اور سادہ نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ترجمہ فارسی زبان سے ہے۔ لہٰذا ترجمہ کرتے وقت لاشعوری طور پر فارسی الفاظ ترجمے میں خود بخود استعمال ہو گئے ہیں۔ یہ ترجمہ مکمل ہے جبکہ ملک محمد ٹھیکیدار جہلم کا ترجمہ ''بوستانِ قلندری'' مکمل نہیں ہے۔

Marfat.com

حوالے

1- میاں محمد بخش، سی حرفی، ص5

2- میاں محمد بخش، پنج گنج، ص2

3- ایضاً، ص4

4- سید وارث شاہ، ہیر، مرتبہ: پیراں دتہ ترگڑ، ص169

5- غلام احمد نوشاہی، کلیاتِ کاتب باراں ماہ، ص2 (قلمی نسخہ مملوکہ: بشیر احمد بشارت نوشاہی)

6- سیّد بُلھے شاہ، کلیاتِ بلھے شاہ، مرتب: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ص351

7- میاں محمد بخش، باراں ماہ، ص38

8- میاں محمد بخش، سوہنی مہینوال، ص15

9- ایضاً، ص16

10- ایضاً، ص12

11- ایضاً، ص38

12- میاں محمد بخش، تحفہ میراں، ص86

13- ایضاً، ص4

14- ایضاً، ص4

15- ایضاً، ص4

16- علامہ محمد بن یحییٰ جلی، قلائد الجواھر، ص23 / نزہت الخاطر، ص35

17- میاں محمد بخش، قصہ شیخ صنعان، ص33

18- ایضاً، ص18

19- ایضاً، ص28

20- ایضاً

21- میاں محمد بخش، مثنوی نیرنگ عشق، ص13

22- ایضاً

23- ایضاً، ص46، 47

Marfat.com

-24 ملا غنیمت کنجاہی، مثنوی نیرنگ عشق (فارسی) لاہور، 1962ء ص 10، 9

-25 میاں محمد بخش، مثنوی نیرنگ عشق، غلام نور اینڈ سنز، جہلم، 1964ء ص 19

-26 میاں محمد بخش، قصہ شاہ منصور، ص 14

-27 فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیا، ص 113 (حصہ دوم)

-28 میاں محمد بخش، قصہ شاہ منصور، ص 6

-29 مولانا ظفر احمد عثمانی، سیرۃ حسین بن منصور حلاج، ص 126

-30 فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیا، ص 110

-31 مولانا اشرف علی تھانوی، سیرت منصور حلاج، تالیف ظفر احمد عثمانی، مکتبہ دار العلوم کراچی، 1397ھ، ص 127

-32 مرزا مقبول بیگ بدخشانی، تاریخِ ایران، جلد اوّل، ص 586

-33 مصطفیٰ بن عبد اللہ حاجی خلیفہ، کشف الظنون من اسامی الکتب، ص 704

-34 اسماعیل پاشا البغدادی، ایضاح المکنون، ص 429

-35 مرزا مقبول بیگ بدخشانی، تاریخِ ایران، جلد دوم، ص 489

-36 میاں محمد بخش، شیریں فرہاد، ص 75

-37 ایضاً، ص 29

-38 ایضاً، ص 35

-39 ایضاً، ص 36

-40 ایضاً، ص 150

-41 میاں محمد بخش، سیف الملوک، ص 30

-42 شفیع عقیل، پنجابی کے پانچ قدیم شاعر، ص 209

-43 میاں محمد بخش، سیف الملوک، ص 140

-44 ایضاً، ص 86

-45 ایضاً، ص 97

-46 ایضاً، ص 391

-47 ایضاً، ص 23, 291, 493

Marfat.com

48- میاں محمد بخش، تحفۂ رسولیہ، ص 6،5

49- ملا معین کاشفی، تتمہ معارج النبوت 4، ص 2

50- میاں محمد بخش، تحفۂ رسولیہ، ص 37

51- میاں محمد بخش، قصہ سخی خواص خان، ص 38

52- ایضاً، ص 39

53- ایضاً، ص 23،22

54- Serebryakov, Punjabi Literature, P-52

55- R-C-Temple, The legends of the Punjab, P 12-20 Vol-III

56- میاں محمد بخش، مرزا صاحباں، ص 78

57- میاں محمد بخش، مرزا صاحباں، مرتب: مولوی محبوب علی، 1972ء، ص 31

58- ایضاً، ص 106

59- میاں محمد بخش، قصہ سسّی پنوں، ص 32

60- میاں محمد بخش، ہدایت المسلمین، ص 94

61- مشہود الفاروق، گلستان غازی قلندر، ص 305

62- میاں محمد بخش، ہدایت المسلمین، ص 32

63- میاں محمد بخش، پنج گنج، ص 10

64- ایضاً، ص 7

65- میاں محمد بخش، چٹھی ہیر، ص 2

66- مشہود الفاروق، گلستانِ غازی قلندر، ص 322

67- ملک محمد ٹھیکیدار، بوستان قلندری، ص 17

68 میاں محمد بخش، تذکرہ مقیمی، (قلمی نسخہ) ص 99

69- میاں محمد بخش، تذکرہ مقیمی، (حصہ دوم) ص 368

70- ملک محمد ٹھیکیدار، بوستانِ قلندری، ص 45

71- محمد نورانی، تذکرہ مقیمی (اردو ترجمہ)، میاں محمد بخش اکیڈمی ریڈچ U.K، 2008ء، ص 239

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کا اسلوب بیان اور لسانی جہتیں

اسلوب کے لیے انگریزی زبان میں سٹائل (Style) کا لفظ موجود ہے لیکن سٹائل کا لفظ نظم اور نثر دونوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ فرق ظاہر کرنے کے لیے شاعرانہ اسلوب کو Poetic Style اور نثری اُسلوب کو Prose Style کہتے ہیں۔ حقیقت میں اسلوب یا سٹائل کسی شاعر یا ادیب کا اپنے جذبات و احساسات اور خیالات و افکار کو بیان کرنے کا منفرد طریقہ ہوتا ہے جو اُسے دیگر شاعروں، ادیبوں سے امتیاز بخشتا اور اُس کی انفرادیت کو ظاہر کرتا ہے۔ نیومن نے کہا تھا: Every Spirit builds its own House

بیان کرنے کا یہ انداز یا اسلوب اصل میں تکنیک، ہیئت، زبان اور بیان کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہوتا ہے۔ اس کا دائرہ بے حد وسیع ہے کیونکہ اس میں موضوع کا انتخاب، احساس کی شدت، ادبی خلوص، طرز فکر اور تاثر شامل ہوتا ہے۔ اگر تاثیر سے لے کر اظہار تک ان میں سے کسی ایک کو علیحدہ کر دیا جائے تو انداز بیان کی نشوونما اور ترتیب کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ کیونکہ یہی موضوع اور طرز بیان نفس مضمون اور سٹائل کا سنگم ہوتا ہے۔

شاعر یا ادیب معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ اپنے اردگرد دیکھتا ہے، اُسے شدت سے محسوس کرتا ہے۔ پھر اُسے موزوں الفاظ میں اس طرح بیان کرتا ہے کہ قاری بھی اُسے اُسی طرح محسوس کرنے لگتا ہے جیسے لکھاری نے محسوس کیا تھا۔ بلاشبہ ہر ادیب و شاعر اپنی تخلیق کا مواد اپنے اردگرد کے ماحول سے حاصل کرتا ہے۔ مگر ہر لکھاری کا چیزوں کو محسوس کرنے کا انداز اور دیکھنے کا زاویۂ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ احساسات کا جہاں اور دیکھنے کا زاویۂ نگاہ لکھنے والے کے انداز بیان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اس کا اسلوب بیان دوسرے لکھاریوں سے مختلف اور منفرد ہوتا ہے۔ گویا ہر لکھاری کا اسلوب بیان اپنا اپنا ہوتا ہے۔ جس میں اُسکی اپنی سوچ، احساس، تاثر اور شخصیت شامل ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: Style is the man himself یعنی اسلوب بیان کے اندر

Marfat.com

لکھاری کی اپنی شخصیت پنہاں ہوتی ہے۔

جب فنکار کا بنیادی خیال انفرادیت کا حامل ہوتا ہے تو اُس کے لیے اسلوب بھی انفرادی ہونا لازمی ہے۔ اس طرح جب کوئی فنکار اپنے انفرادی خیال کو انفرادی اسلوب میں بیان کرتا ہے تو اُس سے نہ صرف نیا اسلوب جنم لیتا ہے بلکہ نئے الفاظ بھی معرض وجود میں آتے ہیں۔ اسلوب کے متعلق Encyclopaedia Britannica (vol 21) میں یوں لکھا ہوا ہے:

> Style involves the Selction and organization of the features of language for the expressive effects, and includes all uses of Sound Patterns, words, figures of speech, images and syntactic forms.

چنانچہ واضح ہے کہ اسلوب دراصل کسی ادبی فن پارے کو پیش کرنے کا وہ انداز ہے جس میں خارجی صفات کے پہلو بہ پہلو فنکار کی اپنی شخصیت کا عکس بھی موجود ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر فنکار کی شخصیت دیگر فنکاروں سے مختلف ہوتی ہے۔ اس کی فکر، چاہت، رغبت، نفرت، عقائد ونظریات، عادات وصفات اور ذخیرۂ الفاظ مختلف اور الگ ہوتا ہے۔ اس لیے الفاظ کا انتخاب، بات کرنے کا ڈھنگ اور پیشکش بھی منفرد اور الگ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک فنکار کا اپنا سٹائل اور طرزِ بیان ہوتا ہے۔ جسے کارلائل نے فنکار کے لباس سے اور ایک دوسرے نقاد نے اسکی جلد سے تعبیر کیا ہے۔ جو اس کی اپنی ہوتی ہے اور جسے وہ تبدیل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس میں اُسکی اپنی شخصیت، اپنے دکھ درد، اپنے فکر ونظر اور اپنے بیان و زبان کا رنگ نظر آتا ہے۔

پنجابی شاعری میں حضرت میاں محمد بخشؒ اپنا اچھوتا اور منفرد اسلوب رکھتے ہیں۔ جو متوازن بھی ہے ہموار بھی۔ جس میں خلوص بھی ہے، پیار بھی۔ جس میں خوبصورت زبان بھی ہے اور الفاظ کے انبار بھی۔ اُن میں چھپی ہوئی مستی بھی ہے، خمار بھی۔ جذبات کے طوفان بھی ہیں اور دقیق افکار بھی۔ نشیلے رنگ میں ڈوبے ہوئے بھی ہیں، ہوشیار بھی۔ الغرض ان کے اسلوب بیان میں مخصوص انداز کا توازن ہے۔ جس میں کہیں بھی افراط وتفریط کا شائبہ تک نظر نہیں آتا یہاں تک کہ وہ حُسن و جمال کی تعریف میں بھی ایک معیار سے آگے نہیں بڑھتے۔

Marfat.com

کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ اُن کا کوئی بھی کردار انسانوں کے گروہ سے نکل کر مافوق الفطرت مخلوق میں شامل ہو جائے۔اسی لیے وہ الفاظ کے چناؤ میں نہایت احتیاط برتتے ہیں اور ایک حد سے آگے نہیں بڑھتے۔

زبان:

اسلوب کا سب سے اہم عنصر زبان ہے۔ ہر فنکار کی اپنی زبان ہوتی ہے۔اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہر فنکار اپنی علیحدہ زبان رکھتا ہے۔ دراصل زبان تو ایک ہی ہوتی ہے مگر ہر فنکار کا ذخیرہ الفاظ قدرے مختلف ہوتا ہے۔یعنی اُسے چند ایک الفاظ بہت پسند ہوتے ہیں جن کو وہ تحریر میں بار بار استعمال کرتا ہے۔ علاوہ ازیں کچھ خاص تراکیب، علامات، تشبیہات، استعارات، محاورات اور تلمیحات بھی ہوتی ہیں جن کا خاص انداز میں زیادہ استعمال اسکی پہچان بن جاتا ہے۔اس کے متعلق ہڈسن لکھتا ہے:

> while the many use languege as they find it the man of genius uses it indeed, but subjects it withal to his own purposes and mould it according to his own peculiarities.(1)

حضرت میاں محمد بخشؒ کے کلام پر اگر تنقیدی نگاہ ڈالیں تو اُن کے منفرد اسلوب، خاص زبان، الفاظ، تشبیہات و استعارات اور علامات کا پتہ چلتا ہے۔ جن کو پڑھتے ہی فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کلام معجز نظام حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب کا ہی ہے۔ حضرت میاں صاحب نے اپنے کلام میں وہی پنجابی زبان اور لہجہ استعمال کیا ہے جو لاہور اور اس کے گردو نواح بلکہ پورے پنجاب میں بولا اور سمجھا جاتا ہے۔ پنجابی زبان کے اس لہجے کو ماجھی یا مغربی پنجابی کا نام دیا جاتا ہے۔حضرت میاں محمد بخش اگرچہ پوٹھوہار کے رہنے والے تھے مگر انہوں نے اپنی شاعری میں خالص پنجابی زبان استعمال کی ہے۔ کہیں کہیں اور کوئی کوئی لفظ پوٹھوہاری لہجے کا بھی نظر آتا ہے۔

حضرت میاں صاحب کو الفاظ کی قدرو قیمت اور عزّت وحرمت کا خاص خیال تھا اس لیے الفاظ کے استعمال میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ وہ الفاظ کے پس پردہ پوشیدہ معانی سے بخوبی آگاہ تھے اور کوشش کرتے تھے کہ مناسب مقام پر مناسب لفظ استعمال کیا

Marfat.com

جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اشعار میں استعمال ہونے والے الفاظ کے پیچھے معانی کا ایک جہان آباد نظر آتا ہے۔ مثلاً آپ کا شعر ہے:

فجری ویلے اُٹھ کے نت لگے ایس کم
رات ہنیرا پون تک ساہے لیے نہ دم

اس شعر میں کوئی لفظ فالتو یا بلاضرورت استعمال نہیں کیا گیا بلکہ ہر لفظ اپنی جگہ یوں مستحکم ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ حضرت میاں صاحب کا کمال یہ ہے کہ جب وہ کوئی لفظ شعر میں استعمال کرتے ہیں تو فوراً ویسا ہی ہم صوت، ہم وزن اور ہمرنگ لفظ اُن کے تخیل میں اُبھرتا ہے۔ پھر اُس جیسے ہم وزن، ہم صوت اور ہم رنگ الفاظ کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ شعری مثالیں دیکھیں:

تاجوں راجوں، کموں کاجوں، آن ہوئی دلگیری
پٹ دو شالے بھاون ناہیں بھاوے ویس فقیری
رنگ گلابی انگ حسابی چہرہ وانگ مہتابی
جُثے تھیں خوشبوئی ہلّے اکھیں مست شرابی

یہ ایسا اسلوب بیان ہے جو صرف اور صرف حضرت میاں محمد بخشؒ سے ہی مخصوص ہے۔ ان اشعار میں ہر لفظ موزوں انداز میں استعمال کیا گیا ہے۔ بلکہ یوں لگتا ہے جیسے زیورات میں نگینے جڑے ہوئے ہوں۔ ان اشعار میں سے اگر کوئی لفظ نکال لیا جائے یا تبدیل کر دیا جائے تو شعر کا سارا حسن ضائع ہو جائے گا۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا ہے کہ میرے اشعار میں لفظ انگوٹھی میں نگینے کی مانند جڑا ہوا ہوتا ہے:

مصرعے اندر جڑیا ہوی جیوں تھیوا وچ چھاپے
جے کوئی ڈونگھی نظروں ویکھے بیتوں بیت سیہاپے

حضرت میاں محمد بخشؒ کے اسلوب کی ایک اور خوبی الفاظ کے ساتھ کھیلنا ہے۔ جسے انگریزی میں Pun upon words کہا جاتا ہے۔ ہر قصے میں جہاں بھی ان کو الفاظ کے ساتھ کھیلنے کا موقع ملتا ہے اُسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، مثلاً چند اشعار دیکھیے:

سُن سُن راگ ہوون مستانے مارن چٹکی تاڑی
چٹکی تاڑی دا آوازہ زہرا انبر تاڑی

Marfat.com

ماگرمچھ سمندر اندر باشک ناگ مریلے
کھا سنسار سنسار نہ رجدے غضب الٰہی پیلے
ایہہ دلیلاں دھاراں مائے بخشیں بتری دھاراں
دھاراں تے کوہ قافاں اندر دھاڑاں پون ہزاراں
پنکھی چھڑیاں مارے چھڑیاں اس بھی جو ہین چھڑیاں
چنج چلائے منج چوائے پنج پنج جائی پڑیاں
شہوت. باز مجاز حرص دے ناز نیاز نہ جانن
راز گواون باز نہ آون ہتھوں باز ونجاون

حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب کے کلام میں چند ایک ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جو پنجابی زبان کے کسی اور لکھاری کے کلام میں نہیں ملتے۔ اُن میں سے چند الفاظ پوٹھوہاری لہجہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اُن میں بہت سے اب متروک ہو چکے ہیں۔ حضرت میاں صاحب نے ان الفاظ کو نہایت احسن انداز میں استعمال کیا ہے۔ وہ الفاظ یوں ہیں: پینڈارو، خریدو، ورتب، پیٹرہار، ہنوار، پھاج، روہدا، ہانتیئے، ہانتی، لٹورے، بُجھ، فرلوچ، نردھن، پکّسی، ہُسیرے، وٹھا، لترڑیا، پھنڈا، سمولی، تجّی، جلائی، وہتر، پچھاک، تابڑ، این، چتے، ہائی، بیل، چھل، بادر اور بکرنیاں وغیرہ۔ مثالیں ملاحظہ کریں:

سودے دے اس ہٹ تے کجھ نہیں پرواہ
کہڑے خریدو باہوڑن تک تک تھکے راہ
ایسا دتا اوس نوں خوش آواز اللہ
پڑھدا سُن کے بیٹھدے چھوڑ پندھارو راہ
میرا دل سرد ہے غفلت دا گوہدا
نہ جاناں عشق ہے کس کام روہدا
سُن کے کیتی اپنے دل وچ گیوس بُجھ
کرے بہانے باہروں میں وچ دوس نہ کُجھ

اس کے علاوہ آپ کے کلام میں کچھ ایسے بھی الفاظ موجود ہیں جن کو شعری ضرورت کے تحت اُنہوں نے خود ہی گھڑ لیا ہے یا پہلے سے موجود الفاظ کو شعری ضرورت کے

Marfat.com

سبب تھوڑا سا تبدیل کر لیا ہے اور یا پھر لفظ کو قافیہ کے طور پر استعمال کرنے کے لیے اُس میں تھوڑا سا ردّ و بدل کر لیا ہے۔ جس طرح لفظ تخت کو تہد، عدل کو عدول، دائم کو دائما، عرض داشت کو ارداس، ڈنڈ کو ڈنڈولی، داتا کو داترا، رانجھا کو رنجھیٹڑا بنا لیا ہے:

ش: شیر جوان دلیر میرا جیہڑا کٹک نوں گھیر کے ماردا سی
لاڑا جنج دا داترا گنج دا سی رنج والیاں رنج اوتاردا سی
پھُل سروری باغ دے خاک رُلے اسیں بوٹڑے کنہاں کیاریاں دے
حق قدر پچھان کے یاریاں دے سہے لاڈ محمدا پیاریاں دے

ہر شاعر کے پاس کچھ خاص الفاظ ہوتے ہیں جن کے استعمال کے انداز میں فنکار یا شاعر کی اپنی خوشبو رچی بسی ہوتی ہے جو اُسے دیگر فنکاروں اور شاعروں سے امتیاز بخشتی ہے اور اسکی شخصیت کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ کے کلام میں چند ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جو اُن کے اسلوب میں انفرادیت کا عنصر نمایاں کرتے ہیں۔ یہ اُن کے پسندیدہ الفاظ ہیں جو ان کی تخلیقات میں جا بجا مستعمل دکھائی دیتے ہیں۔ یہ الفاظ جہاں اپنے اندر وسیع معانی رکھتے ہیں وہاں کمال درجے کے صوتی آہنگ کے بھی حامل ہیں اور حضرت میاں صاحب کے مزاج کے مکمل طور پر عکاس اور ترجمان ہیں۔ مثلاً بردہ، نفر، مبتلا، برم، قہر قلور، روپ انوپ، دن رین، طالع میتا، سخن، چتارن، نردہن، نسنگ، چیرا، چھٹے، جنجالوں، سرجیا، روگ، بھائی، عاجز، کیڈک، دوس، ساعت وغیرہ:

عبدالمطلب جد نبیؐ دی ہاشم دا سی جھائی
ایویں وچ کتابے ڈٹھا میں سر دوس نہ کائی
تاں پھر حکم الٰہی ہویا دس اسانوں میتا
دوجا پیر زمیں پر دھرنا ترک تساں کیوں کیتا
عاشق دے پرتان نوں رب گھلی اوہ رات
سردی قہر قلور دی عجب سواں برسات

حضرت میاں محمد بخشؒ فارسی زبان و ادب کے بھی عالم فاضل تھے۔ اکثر فارسی شعرا کا کلام آپ کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔ خاص طور پر مولانا عبدالرحمٰن جامی کی ''یوسف زلیخا'' سے

Marfat.com

خاصا شغف تھا۔ فردوسی طوسی، شیخ سعدی اور حافظ شیرازی کا بہت سا کلام اُنہیں ازبر تھا۔ فارسی زبان میں مہارت رکھنے کی وجہ سے کبھی کبھی فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ فارسی نثر میں آپ نے ایک کتاب ''تذکرہ مقیمی'' کے عنوان سے 1324ھ میں لکھی۔ اس لیے آپ کے کلام میں فارسی الفاظ کا استعمال کوئی حیرانی اور اچنبے کی بات نہیں ہے۔ آپ نے جتنے بھی قصص لکھے ہیں، ان سب کے عنوانات فارسی زبان میں لکھے ہیں۔ قصہ سیف الملوک کے چند ایک عنوانات یوں ہیں:

درنامہ نوشتن شاہ فغفور چین جانب شہزادہ معرکہ آمدہ بود

رسیدن شہزادہ برقلعہ دیواں کہ اسفند باش نام داشت وفتح کردن آں را

داستان رواں شدن، شہزادہ بمع ملکہ ازاں قلعہ در دریا وکشتن نہنگ

ہوشربارا، ہزار رنج بردرگنج مراد رسانیدن ملکہ را او بہ سراندیپ آمدن بمشقت بسیار

محاورات:

ہر شاعر اپنے کلام میں شعوری اور لاشعوری طور پر محاورات ضرور استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ محاورات کسی بھی زبان کی روح ہوتے ہیں۔ وہی زبان میں زندگی اور تروتازگی پیدا کرتے ہیں اور کلام میں حُسن اور تاثیر کو جنم دیتے ہیں۔ محاورات کے استعمال سے شاعر کی زباندانی اور قادرالکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ کلام میں سلیقے سے استعمال کیے گئے محاورے شعر میں فصاحت و بلاغت کے علاوہ چاشنی اور دلکشی بھر دیتے ہیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے تمام قصوں میں نہایت خوبصورت، دلچسپ اور من موہنے محاورات استعمال کیے ہیں جن سے کلام کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

اوڑک عاصم گلاں سُن کے گلیا غم دے بوتے
ہنجوں پانی نال پیوَ نے بیٹے توں ہتھ دھوتے
اگے انت شمار نہ غم دا سار چنے نت چتاں
میں سر گھٹ مصیبت دِسے ہور چڑھاویں دباں
ٹلے نوں اوہ کھاون آیا ملکہ نوں ڈر لگا
خشک ہوئی رت جُثے وچوں ہو گیا رنگ بگا

Marfat.com

تشبیہات:

حضرت میاں محمد بخشؒ کا کلام تشبیہات کا انمول خزانہ ہے۔ کیونکہ آپ کی طبیعت کا زیادہ تر رجحان تشبیہات کے استعمال کی طرف مائل تھا۔ تشبیہات جہاں کلام میں خوبصورتی پیدا کرتی ہیں وہاں شاعر کے نقطۂ نظر اور کلام کے مضمون کی وضاحت بھی کرتی ہیں۔

عام مشاہدے کی بات ہے کہ اچھے شاعر نہایت عمدہ اور اعلیٰ قسم کی تشبیہات کو اپنے کلام میں جگہ دیتے ہیں اور ہمیشہ نئی نئی تشبیہات کے استعمال سے کلام کے حسن کو نکھارتے اور من موہنا بناتے ہیں۔ حضرت میاں محمد صاحب کے کلام میں جابجا نئی اور دلکش تشبیہات موجود ہیں جو قاری کی مکمل توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتی ہیں اور کلام میں بے حد رس اور لوچ پیدا کر دیتی ہیں۔ آپ نے کلام میں جہاں پرانی تشبیہات کو استعمال کیا ہے وہاں اُن کو نئے معانی بھی عطا کر دیئے ہیں اور استعمال کا نیا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ یہی اُن کی فنکاری کا کرشمہ ہے کہ ان کے کلام میں پرانی استعمال کی گئی تشبیہات بھی نئے معانی، نئی دلکشی اور نیا رنگ پیدا کرتی ہیں۔ آپ کے کلام میں ایک ایسی ہی انوکھی تشبیہ ملاحظہ فرمایئے جس میں کاغذ پر دو الفاظ کے درمیان کی سفیدی کو پھولوں سے تشبیہ دی ہے اور حروف کو پتوں کے ساتھ اور سطور کو شاخوں کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اس تشبیہ کا کمال یہ ہے کہ تینوں مشبہ بہ ایک ہی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں:

حرفاں وچ سفیدی روشن جیویں پھُل اندر پتّاں
شاخاں وانگر سطراں سدّھیاں چوٹی تھیں لگ لتّاں

قصہ سیف الملوک میں پری بدیع الجمال کی تصویر دیکھ کر شہزادہ سیف الملوک دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اُسکی دیوانگی اور پاگل پن دیکھ کر قصہ پڑھنے والے قارئین کی تمام تر ہمدردیاں اُس کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ اُن کو بے حد دکھ ہوتا ہے کہ عیش و آرام میں پرورش پانے والا شہزادہ دیوانگی میں گلیوں کے تنکوں کی طرح ذلیل و رُسوا ہو گیا ہے۔ اس موقع پر ایک خوبصورت تشبیہ حضرت میاں محمد صاحب نے استعمال کی ہے۔ جس سے لوگوں کا دکھ درد، تڑپ اور سوز ظاہر ہوتا ہے۔ شعر ہے:

صاعد دا سُن شور کُکارا ہوئی خلق اکٹھی
ویکھ شہزادے نوں سبھ بھُجدے جیوں دانے وچ بھٹھی

حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب جہاں بھی کسی کردار کا تعارف کراتے ہیں وہاں

Marfat.com

خوبصورتی سے اس کا سراپا بیان کرتے ہوئے کمال کی تشبیہات کا طوفان برپا کر دیتے ہیں اُن تشبیہات سے نہ صرف کردار کی ظاہری شخصیت سے قارئین متعارف ہوتے ہیں بلکہ اس کی باطنی شخصیت سے بھی اچھے خاصے واقف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ملکہ خاتون کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

چا پلا شاہزادے ڈِٹھا صورت نظری آئی
دُرِ یتیم ان بدّھا موتی، لعلوں جوت سوائی
سورج وانگ نورانی متھا، نظر نہ کیتی جاوے
جے پتھر دل والا تکے اکھیّں پانی آوے
قوس قزح بھروٹے دوئے جیوں عیدے چن چڑھدا
صبر صوفی دا روزے داراں تک روزہ بھن کھڑدا
ہر ہر پمّن وال اجیہا سوہنا سر حقانی
ویکھن سات کلیجے سلّے جیوں ترکش دی کانی
زلفاں ناگ چنن سنگ لٹکے وَل وَل کُنڈل مارے
یا زنجیر دلاں دے آہے یا کمند ہتھیارے
روپ انوپ کُڑی دا آہا وانگ بہار چمن دے
نویں جوانی حُسن ارزانی نازک شاخ سمن دے
لالی ویکھ پیشانی والی داغ لگے گُل لالے
دند چٹے سن چنبے کلیاں موتی کھرے اُجالے
ٹھوڈی وانگ خُبانی سوہی بہی رس بھری سی
پتلا اُچا قد رنگیلا نازک شاخ ہری سی
جادوگر دو نین کُڑی دے وچ کجلے دی دھاری
صوفی ویکھ ہوون مستانے چھڈن شب بیداری (2)

Marfat.com

استعارات:

حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے کلام میں نادر تشبیہات کے استعمال کے ساتھ ساتھ نہایت بلیغ استعارے بھی استعمال کیے ہیں۔ استعارہ دراصل تشبیہ کی بلیغ صورت کا نام ہے۔ لیکن گرائمر کی اصطلاح میں استعارہ سے مراد ہے ''تشبیہ میں مبالغے کی غرض سے ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دینا یا ایک چیز کو دوسری چیز کے واسطے کر دینا ہے۔ لیکن استعارہ میں اگر کوئی یوں کہے کہ میں نے شیر کو دیکھا اور مراد اُس کی شیر سے مرد شجاع ہو تو یہ استعارہ ہے''(3)

استعارہ بھی تشبیہ کی مانند کلام میں حسن و خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ شاعر کے خیالات اور شعری بندش کو حُسن عطا کرتا ہے۔ حضرت میاں صاحب نے علمِ بیان کے اس قاعدے سے اپنی تخلیقات میں حُسن اور دلکشی پیدا کی ہے۔ مثال کے طور پر شاعری میں انسان کو ہمیشہ ''مٹھی بھر مٹی'' سے استعارہ کیا جاتا ہے۔ حضرت میاں صاحب نے بھی اس استعارہ کو خوبصورت انداز میں یوں استعمال کیا ہے:

ایویں نال غمی دے تیرا فکر ہویا سودائی
آدم عاجز مُٹھ مٹی دی کرسی کیہ کمائی

قصہ سیف الملوک میں جب بادشاہ عاصم بن صفوان مرجاتا ہے تو اُسے منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیا جاتا ہے۔ اس مقام پر حضرت میاںؒ صاحب نے دنیا کو کچے گھر اور عاقبت کو پکے گھر سے استعارہ کیا ہے:

ذکر شہادت کلمے پڑھدا خوشیاں نال مُراداں
عاصم شاہ پکے گھر ٹُریا چھڈ کچیاں بنیاداں

اسی طرح قصہ سوہنی مہینوال میں جب سوہنی اور مہینوال کے عشق کی داستان جگہ جگہ دھوم جاتی ہے تو سوہنی کا باپ جس کا نام تلا ہے مہینوال کو گھر سے نکال دیتا ہے۔ اس جگہ شاعر نے خوبصورت استعارہ استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

تیں چٹی چادرے داغ لگایا جیں
جھبدے جا محمدا اتھے جا نہ تیں (4)

Marfat.com

صنائع بدائع:

فارسی شعرا اپنی قابلیت اور علمیّت جتانے کے لیے صنائع بدائع کے مختلف ذرائع سے کام لیتے تھے۔قدیم زمانے میں فارسی میں قصیدہ کی صنف زیادہ مقبول تھی۔اس کا فائدہ یہ تھا کہ حاکم وقت یا بادشاہ کی خوشامد اور چاپلوسی ہو جاتی تھی اور انعام و اکرام کی بارش کے ساتھ ساتھ شاعر اپنے دل کا غبار نکال کر اپنی انا کو سکون بھی دے لیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی کے قدیم شعرا کے کلام میں صنائع بدائع کا عام استعمال ملتا ہے۔ایک زمانہ تھا جب غزل کے تاج محل میں صنائع بدائع کا چونا نہیں لگایا جاتا تھا کیونکہ غزل کا بدن کومل اور نازک ہوتا ہے۔ وہ صنائع بدائع کے چونے کا بوجھ برداشت نہ کرسکتی تھی۔اس کا بدن صنائع بدائع کے بوجھ تلے زخمی ہو جاتا تھا۔مگر اردو کے قدیم شعرا نے صنائع بدائع کو غزل کا زیور بنا کر پیش کیا۔ فارسی غزل میں سب سے پہلے غالباً سلمان ساوَجی نے اسے رواج دیا جبکہ خواجہ، حافظ اور دیگر شعرا نے بھی اسکی تقلید کی۔تاہم فارسی غزل میں صرف اُن ہی صنعتوں سے کام لیا گیا جن سے غزل کی لطافت میں کوئی نمایاں فرق نہیں پڑتا تھا بلکہ اس کا ظاہری آب و رنگ اور بھی واضح ہو جاتا تھا۔

اردو شاعری میں ہمیشہ سے ہی صنعتوں کو مقبولیت حاصل رہی ہے۔ خاص طور پر دبستان لکھنو میں صنائع بدائع کا بہت استعمال رہا۔اردو اور فارسی کی بدولت پنجابی شعرا نے بھی اپنے کلام کو مختلف صنعتوں سے خوب سجایا ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے کلام میں صنعتِ تجنیس تام، صنعتِ ترصیح، صنعتِ تضاد، صنعتِ مقلوب، صنعتِ مرأۃ النظیر، صنعتِ لف ونشر مرتب اور صنعتِ ابہام سے خاصا کام لیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ صنائع بدائع کلام میں حسن اور دلکشی ضرور پیدا کرتے ہیں مگر یہ شاعری کے لیے ضروری نہیں ہیں۔ان کے نہ ہونے سے کلام کی ذاتی خوبیوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر ان کے استعمال سے کلام میں فصاحت اور بلاغت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے ایک دو قصوں میں ان صنعتوں کا اس لیے استعمال کیا ہے کہ اُس دور میں ان صنعتوں کے استعمال کا عام رواج تھا۔ شاعر اپنی فنکاری اور اُستادانہ رنگ دکھانے کی غرض سے کلام میں شعوری کوشش سے ان صنعتوں کا استعمال کرتا تھا۔

Marfat.com

جیسے ہاشم شاہ، احمد یار مرالوی، مولوی غلام رسول عالمپوری اور سید فضل شاہ نے اپنے قصوں میں ان صنعتوں سے بہت کام لیا ہے۔ ہاشم شاہ (1752-1821ء) نے ایک دوہڑہ میں صنعت تضاد اور صنعت مرأۃ النظیر عمدہ انداز میں استعمال کی ہیں وہ دوہڑہ یوں ہے:

جس نے اوہ گل پختہ جانی اوہ خام ہویا وچ خویشاں
لذت ہجر وصل دی ویکھی اتے کیتا حال پریشاں
برہوں زنبور چھڑے ہر طرفوں اُتے لاکھ لگاون نیشاں
ہاشم ہو قربان انہاں دے جیہڑے صاحب درد ہمیشاں (5)

اسی طرح سید فضل شاہ (1827-1880ء) کی ایک سی حرفی کا بند یوں ہے:

مست ہویوں دولت دم پیارے دم نالوں پیارا دم تینوں
دولت دولت مار کے نس جاسی دم بھی دے جاسی اتے دم تینوں
جیہڑا دم تیرا ہمدم رہندا بھیت نہیں دیندا اک دم تینوں
فضل شاہ جس دم دم جاسی گھروں کڈھ دیسن ہمدم تینوں(6)

حضرت میاں محمد بخشؒ شاعری میں سادگی کے قائل تھے۔ وہ ان صنعتوں کو پسند نہیں فرماتے تھے لیکن انہوں نے ایک دو قصوں میں مجبوراً ان صنعتوں کو استعمال کیا تا کہ دوسرے شعرا اور عوام اُنہیں ان صنعتوں سے ناواقف نابلد نہ سمجھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے قصہ ''مرزا صاحباں'' میں ان صنعتوں کا بھرپور استعمال کیا۔

علما نے بتایا ہے کہ صنعتِ تجنیس تام اس کو کہتے ہیں جس میں دو ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن کے حروف اور سکنات ایک جیسے ہوتے ہیں مگر ان کے معانی مختلف ہوتے ہیں۔ اس صنعت کو کلام میں استعمال کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ لیکن حضرت میاں محمد بخشؒ نے اس صنعت کے استعمال میں کمال کر دکھایا ہے۔ فرماتے ہیں:

ماراں درد دی تان تاں تان ٹٹے صبروں رکھنی ہاں تینوں تان اگے
نین وگدی بان زبان بندی بندی اوڈیاں ہجر دی بان اگے
مار مار دی مار بیمار کیتی دھایا زہر تیمار نوں آن اگے
میرے من دی من محمدا جیو نذر من میں رکھساں جان اگے (7)

صنعت مقلوب سے مراد وہ صنعت ہے جس میں دونوں لفظوں کے حروف کی

Marfat.com

ترتیب ایک دوسرے کا عکس ہو جیسے فرش کو الٹاؤ تو شرف بن جاتا ہے۔ حور کو الٹاؤ تو روح بن جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت میاں صاحبؒ نے عرش کو شرع، کرسی کو سرک، نسرین کو نیرن میں اُلٹا دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

قلب عرش دا جس دے شرع روشن کرسی سرک انبر معراج آیا
مقبول رسولؐ سی تد جدوں حوا آدمے دا ناہا کاج آیا
نسرین توں نیرن آ دگے کلیاں کھو کے تار پرو رہیا
گل خیریاں روپ دی خیر منگے داغی ہو اگے ہتھ دھو رہیا (8)

صنعت تجنیس تام کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے:

ہُن صاحباں ماپیاں پڑھن پائی نک عقل والی ہشیار میاں
کرشُکر شکر کھڑی نقد نالے کجھ نذر نالے دستار میاں
بل بل گئے بل بل والے لنگ لنگ دے لنگ سمند کیتا
گُن کر رہے گن کر رہے کنگری کہنہ دی کس کمند کیتا

اسی طرح زبان و بیان پر عبور، موزوں الفاظ کا استعمال، لفظوں کی قدر و منزلت محاورات کی عزت و حرمت، علمِ بیان اور علمِ بدیع کے استعمال سے حضرت میاں محمد بخشؒ کا منفرد، اچھوتا اور لاجواب اسلوب بیان ترتیب پاتا ہے۔

حوالے:

1- Hudson, An Introduction to the Study of Literature, P-28
2- حضرت میاں محمد بخش، سیف الملوک، ص 140, 141
3- محمد نجم الغنی خان، بحر الفصاحت، ص 813.
4- حضرت میاں محمد بخش، سوہنی مہینوال، ص 42
5- ہاشم شاہ، ککارے، ص 21
6- مولا بخش کشتہ، پنجابی شاعراں دا تذکرہ، ص 192
7- میاں محمد بخش، مرزا صاحباں، ص 31
8- ایضاً، ص 6

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ اور اخلاقیات

جملہ مذاہب کی اساس اخلاق پر مبنی ہے۔ مذہب کا مطلب ہی تہذیب و اخلاق کی تعلیم و تربیت ہے۔ خداوند قدوس کا پاکیزہ کلام قرآن مجید فرقان حمید ایک مکمل ضابطۂ حیات اور اخلاقی تعلیمات کا مرقّع ہے۔ الغرض اسلام ایسا مذہب ہے جس نے اخلاق، فلسفہ اخلاق، شخصی اور قومی اخلاق پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

بعث لاتمم مکارم الاخلاق

ترجمہ: میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

آپ کی ذاتِ اقدس اخلاق فاضلہ کا مجموعہ تھی۔ آپؐ نے خود فرمایا کہ میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اس لیے آپؐ اور صحابہ کرام مکارم اخلاق کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے ایک مرتبہ فرمایا:

اکمل المومنین ایماناً احسنھم خلقاً

ترجمہ: کامل ایمان وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

غرض اسلام نے اخلاق، فلسفہ اخلاق اور شخصی و قومی اخلاق پر مفصل بحث کی ہے۔ قرآن مجید تمام کا تمام اخلاقی تعلیمات سے مزیّن ہے۔ تمام اخلاقی احوال اور کیفیات کا اس میں تفصیل و تشریح کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ انسان کے فعل اور ترک فعل کی اندرونی اور ذاتی سببلیں کیا کیا ہیں اور کن باطنی محرکات سے ظاہری افعال کا وقوع ہوتا ہے۔ خصلت کی نشوونما کے طریقے اور عادات کے سلسلے کیا ہیں۔ افعال و جذبات میں کیا نسبت ہے۔ جذبات کو روکنے یا وسعت دینے کے کیا کیا اصول ہیں۔

اگر اس ضابطہ اخلاق کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں انفرادی اخلاق، عائلی اخلاق، تمدنی اخلاق، اقتصادی اور معاشی اخلاق، قانونی اخلاق، سیاسی اخلاق اور علمی اخلاق وغیرہ کی دنیا سمائی ہوئی لگتی ہے۔ صوفیا کرام نے قرآن مجید کے فلسفہ اخلاق کا دقیق مطالعہ فرمایا اور

Marfat.com

حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے اخلاق کو اپنی شخصیت کا حصہ بنایا اور اُس پر نہ صرف زندگی بھر خود عمل پیرا رہے بلکہ اپنے مریدوں کو بھی اُس پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے رہے۔ اس تلقین کا مقصد انسان کو مہذب بنانا اور ایک صالح اور اعلیٰ معاشرے کو وجود میں لانا تھا۔ حضرت میاں محمد بخشؒ ایک صوفی، ایک ولی اللہ اور ایک درویش تھے۔ آپ نے نہ صرف اپنی زبان سے بلکہ اپنے عمل سے لوگوں کو اخلاقیات کا درس دیا۔ آپ کا نظریہ ہے:

صحبت صالح ترا صالح کُند

صحبت طالح ترا طالح کُند

ترجمہ: (نیک آدمی کی صحبت تجھے نیک اور بد کی صحبت تجھے بد بناتی ہے)

مراد یہ ہے کہ اگر تم نیک اور صالح لوگوں کی محفل میں بیٹھو گے تو ان کے عادات و اطوار تمہارے اندر دھیرے دھیرے نفوذ کر جائیں گے اور ایک دن نیک بن جاؤ گے اور اگر فاسق اور بدمعاش لوگوں کی مجلس میں بیٹھو گے، تو بُری عادات و اطوار سیکھو گے اور ایک دن اُن کے ہی سانچے میں ڈھل جاؤ گے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ اسی اخلاقی درس کو شعر کے سانچے میں یوں ڈھالتے ہیں:

نیک لوکاں دی صحبت ایویں جویں دکان عطاراں
سودا بھانویں لیئے نہ لیئے بُلے آوَن ہزاراں
بد لوکاں دی صحبت ایویں جیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھانویں کنج کنج بہیئے چِنگاں پین ہزاراں

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اچھے اخلاق اور بُری عادتیں انسان کے اندر فطری اور پیدائشی ہوتی ہیں اس لیے پیدائشی طور پر نیک اور بُرے لوگ ہوتے ہیں۔ بُرے لوگوں کو نیک بننے کے لیے سخت محنت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اُن کو مجاہدہ اور محنت کر کے ان برائیوں سے اپنا دامن پاک کرنا ہوتا ہے تب جا کر وہ نیکی کے سانچے میں ڈھل سکتے ہیں۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ نشاط کار، ولولہ و انبساط اور رونق و ترقی انسانی قوتوں کو کچل ڈالنے میں نہیں ہیں بلکہ ان کے صحیح اور جائز استعمال میں مضمر ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تک انسان کی طبیعت میں سے شہوت و غضب جیسے طبعی جذبات کو ختم نہ کر دیا جائے

Marfat.com

تب تک بداخلاقیوں کا استیصال ممکن نہیں۔ یہ ایک ایسی رائے ہے جس پر کاربند ہونے سے ہم اُن راہوں سے بہت دُور چلے جاتے ہیں جنہیں خود فطرت نے ہمارے لیے تجویز کیا ہے۔ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ کوئی جذبہ فی نفسہٖ بُرا نہیں ہوتا بلکہ اس کا بے محل استعمال بُرا ہے۔ اسلام اس قسم کے جذبات کو دبانے یا نابود کرنے کے سخت خلاف ہے۔ اس سلسلے میں حضرت میاں محمد بخشؒ کا خیال ہے کہ حرص و ہوس کو انسان خود اپنے دل میں پالتا ہے اور وہ ہر خوبصورت اور دلکش صورت کے پیچھے بھاگتا ہے:

حرص مجازی شہوت بازی جس اندر وچ ہوندی
ہر اک صورت اُجلی تک کے پئی طبیعت بھوندی

جس طرح خوبصورت پھول یا دلکش منظر دیکھ کر انسان کو خاص قسم کی روحانی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح خوش شکل انسان کو دیکھ کر بھی اُس سے روحانی خوشی اور دلی سکون حاصل ہوتا ہے اس لیے حضرت میاں صاحبؒ فرماتے ہیں:

حسن جمال تیرا کس کاری عاشق سِکدا مری
جاں دیدے نابینے ہوئے پھر سُرمہ کیہ کری

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے صوفی شعرا نے خاص طور پر اخلاقیات کو اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے کیونکہ وہ سماج اور معاشرے کی برائیوں، بداخلاقیوں، بُری رسموں اور رواجوں کو ترک کر کے نیک روایات کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ یعنی وہ ایک نیک، صالح اور پاک معاشرے کو وجود میں لانے کے خواہاں تھے۔ ان میں اچھے اخلاق پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس ضمن میں تمام صوفیا کرام نے اپنی اپنی بساط کے مطابق حصہ ڈالا اور خوب کردار نبھایا۔

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کی زندگی کا مشن ہی یہی تھا کہ لوگوں کے اخلاق رذیلہ دُور کر کے ان کی جگہ نیک اطوار اور اعلیٰ اخلاق بھر دیئے جائیں یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں عام طور پر اور سیف الملوک میں خاص طور پر اخلاقیات کا درس جابجا ملتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اچھے اخلاق کا تقاضا ہے کہ جب کسی سے ملو تو نہایت خوش اخلاقی اور مسکراہٹ کے ساتھ ملو، اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس ملنے سے نہ ملنا بہتر ہے:

نہ ملیئے تے ملیئے ناہیں جے ملیئے تے ہس کے
مٹھا بول اندر وڑ لیئے عاشق دا دل کھس کے

Marfat.com

علاوہ ازیں حضرت میاں صاحبؒ اپنے اشعار میں ایک نہایت ہی خوبصورت اخلاقی درس یوں دیتے ہیں کہ کسی امیر آدمی کے گھر میں بے شک سینکڑوں نوکر ہی کیوں نہ ہوں اگر اُس کے گھر کوئی مہمان آجائے تو اس کی خدمت نوکروں سے کرانے کی بجائے آپ خود کرے۔ نوکروں کے ہاتھوں اُس کی خاطر تواضع اور خدمت کرانے سے مہمان کی وہ عزت توقیر نہیں ہوگی جو اپنے ہاتھ سے کرنے سے ہوگی۔ اس لیے جب بھی کوئی مہمان آپ کے گھر آئے تو اپنے ہاتھوں سے اُسکی خدمت کرو۔ آپ فرماتے ہیں:

جے سو نوکر چاکر ہووے خدمت والا اگے
ہتھیں خدمت کریئے آپوں جاں ساجن ہتھ لگے

اسی مضمون کو ایک دوسرے شعر میں یوں بیان کرتے ہیں:

خدمت اس دی لازم مینوں ہتھیں دیاں پیالے
ٹُر آئے دی کرن تواضع ایہہ بھلیاں دے چالے

حضرت میاں صاحبؒ کا نظریہ ہے کہ دوستی اپنے برابر کے لوگوں، نیک، سچے اور کھرے لوگوں کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے۔ گھٹیا، کمینے، بداخلاق اور بدکردار لوگوں سے دوستی کرنا کسی وقت بھی نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے، جس طرح بچھو اور سانپ سے دوستی کرنا بے حد خطرناک ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کی فطرت میں ڈنگ مارنا اور ڈسنا ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی وقت بھی اپنی فطرت سے مجبور ہو کر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اسی طرح نیچ ذات کے لوگ یعنی گھٹیا، دھوکہ باز اور کمینے لوگ اپنی فطرت سے باز نہیں رہ سکتے۔

مندرجہ ذیل شعر میں حضرت میاں صاحبؒ نے انگور اور کیکر کے درخت کی مثال دی ہے۔ فرمایا ہے اگر کیکر کے درخت پر انگور کی بیل چڑھا دی جائے تو نتیجہ کیا ہوگا کہ کیکر کے کانٹے انگوروں کے ہر گچھے میں چُبھ کر انہیں زخمی کر دیں گے یوں انگور کا رس ٹپک جائے گا اور وہ گچھا مرجھا جائیگا۔ شعر ہے:

نیچاں دی اشنائی کولوں فیض کسے نہ پایا
ککر تے انگور چڑھایا ہر گچھا زخمایا

اسی مضمون کو حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ سیف الملوک میں بدیع الجمال پری کے منہ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ سیف الملوک سے کہتی ہے:

Marfat.com

بے وفائی کم تساڈا پریاں لوک وفائی
بے قدراں دی الفت مندی نیچاں دی اشنائی

حضرت میاں صاحبؒ کا نظریہ ہے کہ دُشمن کو تکلیف میں دیکھ کر کبھی خوش نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اُس کا مذاق اُڑانا چاہیے۔ اس بات سے تکبر، غرور، نفرت اور انسانی ذلت ظاہر ہوتی ہے بلکہ دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو بُرے وقت سے بچائے۔ کیوں کہ تم پر بھی کبھی ایسا بُرا وقت آسکتا ہے۔ حضرت میاں صاحبؒ نے اس آفاقی سچائی کو خوبصورت انداز میں شعر کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ شعر ہے:

دشمن مرے تے خوشی نہ کریئے سجناں وی مرجانا
ڈیگر تے دن گیا محمد اوڑک نوں ڈب جانا

جھوٹ سب سے بڑی بُرائی اور لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور فرقان حمید میں جھوٹے شخص اور جھوٹی قوم پر ہزار بار لعنت بھیجی ہے۔ اس لیے کہ جھوٹ سے بڑھ کر اور کوئی بُرائی نہیں ہے۔ احادیث میں ایک واقعہ سیرت رسول ﷺ کے حوالے سے درج ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا۔ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ مجھ میں بہت سی برائیاں ہیں۔ میں شراب پیتا ہوں، جواء کھیلتا ہوں، زانی ہوں اور جھوٹ بھی بولتا ہوں۔ کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ ان تمام برائیوں سے میری جان چھوٹ جائے۔ آپؐ نے مختصراً فرمایا کہ تم جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ اس نصیحت کے پیچھے بہت بڑی مصلحت کارفرما تھی۔ وہ یہ تھی کہ اگر یہ شخص شراب پی کر گھر آئے گا اور پوچھنے پر جھوٹ نہیں بولے گا، سچ بتائے گا تو لعنت ملامت ہوگی۔ جواء کھیل کر یا زنا کر کے گھر لوٹے گا تو جھوٹ نہ بولنے پر پکڑا جائیگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سب برائیوں کی جڑ جھوٹ ہے۔ اس لیے دین اسلام میں جھوٹ کو ناپسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت میاں صاحب کے درج ذیل شعر میں جھوٹ سے نفرت کا اظہار ملتا ہے:

کوڑے بندے رب نہ بھاون یمُن زبان نہ رہندا
گل اوہدی کوئی من دا ناہیں سبھ جگ جھوٹا کہندا

دین اسلام میں حقوق العباد پر بہت زور دیا گیا ہے بلکہ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام میں عبادات پر زور 40 فی صد اور حقوق العباد کی تلقین 60 فی صد ہے۔ حضرت میاں صاحب کے کلام میں جگہ جگہ حقوق العباد کی تلقین ملتی ہے۔ سب سے پہلے آپ نے ہدایت

Marfat.com

فرمائی ہے کہ انسان کو انسانی ہمدردی کے زیور سے آراستہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اس لیے بھیجا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہو اور ایک دوسرے کے کام آئے۔ ایسا کرنے سے نیک اور صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اورانسان کی تخلیق کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ خواجہ میر درد کا شعر ہے:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

انسان کی تخلیق کا مقصداُس سے عبادت اور ریاضت کرانا ہرگز نہ تھا۔ اس مقصد کے لیے پہلے ہی سے بے شمار فرشتے موجود تھے۔ اگر انسان کو پیدا کر کے اس سے عبادت ہی کروانا مقصود تھی تو اللہ تعالیٰ انسان کی بجائے مزید فرشتے پیدا کر لیتا۔ کیونکہ انسان تو رات کو سو جاتا ہے اور عبادت بھول جاتا ہے۔ دن کو بھی کاروبار میں مصروف رہتا ہے اور عبادت کرنا بھول جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں فرشتے کھاتے نہ پیتے اور نہ سوتے ہیں۔ وہ تو ہر وقت عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ لہٰذا انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہی نہیں بلکہ انسانی محبت، انسانی ہمدردی اور انسانی اخوت ہے۔ شعر ہے:

دنیا تے جو کم نہ آوے اوکھے سوکھے ویلے
اس بے فیضی سنگی کولوں بہتر یار اکیلے

حضرت میاں محمد بخش کے نزدیک اخلاق کوئی جامد شے کا نام نہیں بلکہ ایسی متحرک شے ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہر لمحے متحرک ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک اخلاق کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ وہ اخلاقی اقدار کو زندگی کے دیگر شعبوں کی قدروں سے الگ نہیں کرتے۔ وہ زندگی کو ایک وحدت مانتے ہیں۔ جسے دنیا و دین کے مختلف خانوں میں منقسم نہیں کیا جا سکتا۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھنے والی دنیا سے انہیں سب سے بڑی شکایت یہی ہے کہ اس میں اخلاقی اقدار کو اقتصادی مسائل سے الگ کر دیا گیا ہے۔ مگر وہ انسان میں اخلاقی شعور صرف انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی طور پر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

عاماں بے اخلاصاں اندر خاصاں دی گل کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی

یہ تصور ہر صوفی کے پند و نصائح اور کلام میں موجود ہے کہ صحیح اور سچی عبادت جوانی

Marfat.com

کے زمانے میں ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں تو ہر آدمی موت کو قریب آتے دیکھ کر تسبیح پکڑ لیتا ہے اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ فارسی کا شعر ہے:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیز گار

حضرت میاں صاحب نے اسی مضمون کو اپنے خاص پیرائے میں بیان فرمایا ہے جس میں علامتوں سے خوب کام لیا ہے۔ شعر ہے:

لوئے لوئے بھر لے کڑیئے جے تُدھ بھانڈا بھرنا
شام پئی بن شام محمد گھر جاندی نے ڈرنا

اسی طرح اس آفاقی سچائی سے انکار ممکن نہیں کہ حسن، جوانی، روپ انوپ، جمال، خوبصورتی، طاقت، اختیار، اقتدار، حکومت سب کچھ عارضی ہے۔ یہ چیزیں ہمیشہ انسان کا ساتھ نہیں دیتیں۔ کبھی نہ کبھی ساتھ چھوڑ جاتی ہیں۔ انسان ان کے بغیر بدصورت، کمزور، بے اختیار اور بے اقتدار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے حضرت میاں صاحب نے اپنے کلام میں جگہ جگہ مختلف انداز سے اس آفاقی سچائی کو بیان فرمایا ہے۔ آپ کہتے ہیں:

مان نہ کریئے رُوپ گھنے دا وارث کون حُسن دا
سدا نہ رہسن شاخاں ہریاں سدا نہ پھُل چمن دا

اسی طرح مہندی والے ہاتھ ہمیشہ سرخ نہیں رہتے۔ ایک دن مہندی کا رنگ اُتر جاتا ہے۔ ترنجن میں سہیلیاں ہمیشہ چرخہ نہیں کاتتیں۔ ایک نہ ایک دن وہ بیاہی جاتی ہیں۔ پردیس چلی جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے بچھڑ جاتی ہیں۔ جوانی میں لڑکیاں بانہوں میں چوڑیاں پہن لیتی ہیں پھر خوشی سے چھنکاتی ہیں لیکن بڑھاپے میں یہ شوق بھول جاتا ہے۔ انسان بے شک کتنا ہی حسین وجمیل کیوں نہ ہو۔ آخر ایک نہ ایک دن مر کر قبر میں سما جاتا ہے۔ مٹی میں مل کر مٹی بن جاتا ہے۔ شعر ہے:

سدا نہیں ہتھ مہندی رتے سدا نہ چھنکن ونگاں
سدا نہ چھوپے پا محمد رل مل بہنا سنگاں
لکھ ہزار بہار حسن دی خاکو وچ سمانی
لا پریت محمد جس تھیں جگ وچ رہے کہانی

Marfat.com

سدا نہ رسد بازاریں وکی سدا نہ رونق شہراں
سدا نہ موج جوانی والی سدا نہ ندئیں لہراں
سدا نہ سیاں سیس گنداون سدا نہ سرخی لانی
سدا نہیں مرغائیاں بہنا سدا نہیں سر پانی

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور مکمل توکل رکھنا یہ بھی ایک اخلاقی قدر ہے جو ہمیں دین اسلام سکھاتا ہے۔ کیونکہ وہی رب ہے اور وہی خالق و مالک ہے۔ اُس پر اعتماد اور توکل رکھنے والا شخص زندگی میں کبھی ناکام نہیں رہتا۔ جو شخص سچے دل سے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے اور اُس پر توکل رکھتا ہے، ایک نہ ایک دن اسکی مایوسی کے اندھیرے دُور ہو جاتے ہیں۔ روشنی کا ہالہ اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اس کی سب اُمیدیں، آرزوئیں اور خواہشیں پوری ہو جاتی ہیں۔ یعنی جو لوگ اللہ کے بھروسے پر کشتی کو سمندر میں ٹھیل دیتے ہیں، وہ ایک نہ ایک دن ضرور کنارے لگ جاتے ہیں۔ حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں:

مشکل پاون والا آپوں آپوں ہے حل کردا
عاشق نوں لا روگ پرم دا میل سجن دا کردا
جھل جھل ہار نہ ہاریں ہمت ہک دن پھرسی پاسہ
بُھکھا منگن چڑھے محمد اوڑک بھردا کاسہ
جاں تک ساس نراس نہ ہوویں ساس ٹٹے مڑ آسا
ڈھونڈھ کرن تھیں ہٹیں ناہیں ہٹ گئیوں تاں ہاسا

اگر کسی شخص کو کوئی سچا صوفی، مرشد یا ولی اللہ مل جائے جو اس کی صحیح اور درست سمت راہنمائی کر دے تو بھی اسکی دلی مراد پوری ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ مرشد کی دعاؤں اور حوصلہ افزائی سے بہت سے مسئلے حل ہو جاتے ہیں اور تصوف کی روشنی میں تمام راستے صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں:

ہوندے بند خلاص شتابی مرد پَون جد ضامن
دھن نصیب اوہدے جس پھڑیا مرداں سندا دامن
مرد ملے تاں درد نہ چھوڑے اوگن دے گُن کردا
کامل لوک محمد بخشا لعل بناون پتھر دا

Marfat.com

اس عارضی اور فانی دنیا میں انسان کا فرض ہے کہ ایک دوسرے سے مل جل کر محبت و پیار سے زندگی بسر کرے تا کہ زندگی کے دکھ درد کم ہوں۔ اگر وہ چند روزہ زندگی فتنہ و فساد اور لڑائی جھگڑے میں گزارے گا تو بالآخر پچھتائے گا اور کفِ افسوس ملے گا۔ شعر ہے:

چوہاں دناں دی حرصے اُتے ستم دوئے تے کرنا
جھوٹا دائیا کیہ محمد اوس نہ ہوسی مرنا
یار کمینہ جس دل پُڑیا چنگا ویکھ نہ بھُل دا
جس دا سب تھیں بہتر ہووے سو کیوں در در رُلدا
ویری دے ہتھ پیندا جیہڑا ایہو جیہی کریندا
بچہ کچا جان نہ چھڈدا چُن چُن مول مریندا

جو لوگ سفر کی مشکلات، تکالیف اور مصائب دیکھ کر ڈر جاتے ہیں وہ کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ منزل صرف اُن لوگوں کو ملتی ہے جو سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ جو مشکلات کا سامنا کرتے ہیں وہ لوگ منزل پر پہنچ کر آرام، خوشی اور راحت محسوس کرتے ہیں اور کامیابی اُن کے قدم چومتی ہے۔ اس لیے سفر کرنا چاہیے، اس میں پیش آنے والی دشواریوں اور تکالیف کا سامنا کرنا چاہیے۔ شعر ہے:

کنڈے سخت گلاباں والے دُوروں ویکھ نہ ڈریئے
چوبھاں جھلیئے رتّ چوایئے جھول پھُلیں تد بھریئے
جاں مقصود میسر ہوندا رنجوں راحت تھیندی
یاد نہ رہے قضیہ کوئی جدوں فراغت تھیندی
باشک ناگاں دے سر گاہیں آون ہتھ خزانے
رتّ ڈولھیں پھٹ کھاویں شاہا سوکھے نہیں سیرانے

اسلام نے بتایا ہے کہ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی اخلاقی طاقتوں کا ایسے طریق سے اظہار کرے جس سے ان کی چمک دمک بھی بڑھ جائے اور لوگ دلی شوق سے اس کے گرویدہ ہو جائیں۔

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کا تصوّرِ مرشد

قرآن مجید فرقان حمید میں تصوف اور صوفی کے الفاظ کہیں بھی استعمال نہیں ہوئے۔ اس لیے علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے تصوّف کے مختلف اشتقاقات اور توجیحات بیان کی ہیں جن میں اتفاقات اور اختلافات کا مدوجزر بھی نظر آتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ فرماتے ہیں:

''تصوف وہ علم ہے جس سے نفس کی صفائی، اخلاق کی صفائی، ظاہر و باطن کی دنیا کی تعمیر و تشکیل مراد ہے۔ اس سے ہمیشہ کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ جس کا مقصد بھی اخلاق اور نفس کی پاکیزگی اور ظاہر و باطن کی تکمیل اور ہمیشہ کی سعادت ہے۔''

پیران پیر حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے۔ تصوف آٹھ چیزوں کا نام ہے:

۱۔ سخاوتِ ابراہیمؑ ۲۔ رضائے اسحٰقؑ ۳۔ صبر ایوبؑ ۴۔ مناجات زکریاؑ
۵۔ غربت یحییٰؑ ۶۔ خرقہ پوشی موسیٰؑ ۷۔ سیاحتِ عیسیٰؑ ۸۔ فقر سرور کونین ﷺ

حضرت معروف کرخیؒ نے تصوف کو یوں بیان فرمایا ہے:

''تصوف حقیقت کو تلاش کرنے اور خلق سے مایوس ہونے کا نام ہے۔''

حضرت ابوالحسن نوریؒ لکھتے ہیں:

''تصوف غیر شرعی نفسانی خواہشات کو ترک کرنے کا نام ہے''۔

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں:

''تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے۔ جو شخص اخلاق حسنہ میں ترقی کر جاتا ہے وہ دل کی صفائی اور باطن کی پاکیزگی میں سبقت لے جاتا ہے۔''

ان تمام توضیحات کے استنباط سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ:

تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیۂ نفس، تصفیۂ باطن، اخلاقِ حسنہ اور قربِ الٰہی

Marfat.com

حاصل ہوتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا جس کا قرآن حکیم میں ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے:

وَ یُزَکِّیْکُمْ وَ یُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ [151:2]

آپ ﷺ نے اپنی تعلیم سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن پیدا کیا۔ انہیں حکمت کی کتاب قرآنِ حکیم سکھایا اور اعلیٰ اخلاق پیدا کیے۔ ان کے ظاہر و باطن کی تعمیر و تشکیل کی اور انہیں کامل انسان بنایا۔ لہٰذا تصوف وہ راستہ ہے جس پر چلنے والا سالک قربِ الٰہی، دیدارِ الٰہی اور رحمتِ الٰہی کا طالب ہوتا ہے۔ ایسے سالک کو تصوف کی اصطلاح میں صوفی کہتے ہیں لیکن لفظ صوفی سے متعلق بھی میدان تصوف میں بہت سی آرا سامنے آتی ہیں۔ مثلاً حضرت ذُوالنون مصریؒ کا قول ہے:

''صوفی وہ ہوتا ہے جس نے دنیا کی تمام چیزوں پر خداوند کریم کو ترجیح دے رکھی ہو اور اُسے ہی پسند کیا ہو۔''

حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ کا ارشاد ہے:

''صوفی خلق سے جُدا اور حق تعالیٰ سے مُتصل ہوتا ہے۔''

حضرت شیخ ابوالسعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں:

'' صوفی وہ ہے جو ابدی اور حقیقی اسرار اپنے سینے میں مخفی رکھے۔ مصائب کو تحمل کے ساتھ برداشت کرے''۔

چند علماء کا خیال ہے کہ صوفی کا لفظ یونانی لفظ صوفیہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سوچ بچار کرنے والا، مفکر، فلسفی وغیرہ۔ تاہم کچھ لوگ صوفی کا تعلق اصحابِ صفہ سے جوڑتے ہیں جو مدینہ میں مسجد نبوی کے چبوترے پر دین اسلام کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت اس نظریے کے حق میں ہے کہ غور و فکر، عبادت و ریاضت اور روحانی امور میں مصروف وہ لوگ صوفی کہلاتے تھے جو صوف کا لباس پہنتے تھے۔ ایران میں ایسے لوگوں کو ''پشمینہ پوش'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا میں تصوف اور صوفی کی تعریف یوں لکھی ہے:

Sufism, Tasawwaf is formed from the Arabic word "sufi" which was applied in the 2nd Century of islam

Marfat.com

to men and women who adopted an ascetic or quiestic way of life. The word sufi from "suf" wool refers to garments worn by such persons.

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تصوف عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کہ ''اس نے اُون کا لباس پہنا'' چنانچہ اُون کا لباس پہننے والے خدا کے راستے کے مسافر ''صوفی'' کہلائے۔ اسی لیے صوفی دیدارِ الٰہی اور قربِ الٰہی کے جویا ہوتے ہیں۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کے تمام علوم، کتب کے مطالعہ اور مشاہدات و تجربات سے حاصل کیے جا سکتے ہیں لیکن تصوف واحد ایسا علم ہے جو مرشد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا پنجابی کے عظیم شاعر سید وارث شاہ فرماتے ہیں:

بادشاہ سچا رب عالماں دا فقر اوس دے ہن وزیر میاں
بناں مرشداں راہ نہ ہتھ آوے دُدھ باجھ نہ رِجھدی کھیر میاں

تمام باطنی مشاہدات و تجربات میں ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ باطنی کیفیت انتہائی پُرمسرت و تحیّر انگیز ہوتی ہے۔ اس نشاط کا احساس عام خوشی و مسرت سے نہایت اعلیٰ اور ارفع ہوتا ہے۔ لیکن اسی جامِ بے خودی سے ایک ولیٔ کامل، مردِ حق کا وجود ابدی بہارِ حیات سے مہک رہا ہوتا ہے۔ وہ اسی خوشبو اور تجلی کو اپنے مرید یا سالک کے قلب میں منتقل کرتا ہے علاوہ ازیں تصوف کے راستہ میں چند ایک ایسے سنگلاخ اور کٹھن مقام آتے ہیں جہاں سے ایک سالک کا مرشد کی تائید اور راہنمائی کے بغیر گزرنا محال ہے۔ اسی لیے حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا:

جے توں چاہیں وحدت ربّ دی مل مرشد دیاں تلیاں ہو
مرشد لُطفوں کرے نظارہ گُل تھیون سب کلیاں ہو
اوہناں گُلاں وچوں ہک لالہ ہوسی گُل نازک گُل پھلیاں ہو
دوہیں جہانیں مُٹھے باہو جنہاں سنگ کیتا دو ولیاں ہو

حضرت مولانا جلال الدین رومی بھی اسی نظریے کے قائل ہیں کہ اگر انسان اپنی مٹھی بھر خاک کو کیمیا بنانے کا آرزومند ہے تو اُسے کسی مردِ کامل کی آستان بوسی کرنی چاہیے کیونکہ یہ وہ گوہر ہے جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں ملتا۔ یہ صرف فقیروں، درویشوں، صوفیوں اور خاک نشینوں کی گودڑیوں میں ہی موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں:

Marfat.com

کیمیا پیدا کُن از مشتِ گِلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے
قال را بگزار مردِ حال شو
پیش مردِ کاملے پامال شو

مردانِ اولیائے کاملین کا ذاتی عرفان لامحدود اور ابدیت سے مملو ہوتا ہے جسے کبھی زوال نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کامل کی تلاش، کسی برگزیدہ مردِ حق کے آستانے پر حاضری ایک ایسی لازوال و باکمال نعمت ہے جو سالک کے قلبی دروازے کھول دیتی ہے اور اُسے اُن حقائق، انوار اور تجلیات سے روشناس کراتی ہے جو انسانی فکر کی بلندیوں، تخیل کی پروازوں سے بھی ماوراء ہوتی ہیں۔ حضرت سلطان باہوؒ مرشد کی شناخت اور اوصاف کو یوں بیان کرتے ہیں:

کامل مرشد ایسا ہووے جیہڑا دھوبی وانگن چھٹے ہو
نال نگاہ دے پاک کریندا وچ سجّی صابون نہ گھتے ہو
نیکیاں تھیں کر دیندا چٹا وچ ذرہ میل نہ رکھے ہو
سئیاں کوہاں تے مرشد وسدا تے وچ نگاہ دے رکھے ہو
ایسا مرشد ہووے باہو جیہڑا اُوں نُوں دے وچ دھّسے ہو

ایسی شخصیت اور ہستی جو صراط مستقیم دکھاتی، سلوک کی منازل طے کراتی اور ایسی روحانی تربیت کرتی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے حسن کے جلوے دل کے شیشے میں شکارے مارنے لگتے ہیں اور کشف کے تمام بند دروازے کھُل جاتے ہیں اُسے تصوف کی اصطلاح میں مرشد، راہبر، راہنما، شیخ، گورو، پیر، استاد، ہادی، عالم اور عامل کہتے ہیں۔ اگرچہ ان تمام القاب کا ایک ہی مطلب ہے لیکن مرشد کی اصطلاح اپنے اندر وسیع اور گہرے معانی و مطالب رکھتی ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ کی حضرت پیر اشاہ غازی قلندرؒ کے ساتھ روحانی عقیدت و ارادت موروثی تھی۔ جب انہوں نے شعور کی آنکھ کھولی تو اپنے سب بزرگوں کو حضرت پیرا شاہ غازیؒ کے مزار پر روزانہ حاضری دیتے، تلاوتِ کلام پاک کرتے، دعائیں مانگتے، چادریں چڑھاتے، چراغ جلاتے، پھول برساتے، آنسو بہاتے اور منتیں مانگتے دیکھا تھا، اس

Marfat.com

لیے آپ نے بھی آباؤاجداد کی تقلید میں دمڑی والی سرکار کے دربار میں روزانہ حاضری دینے کو اپنا معمول بنا لیا۔ آپ دربار میں سب سے پہلے صفائی کرتے پھر تلاوت کلام پاک فرماتے اور دعائیں مانگتے۔ اس وقت آپ پر اس قدر رقت طاری ہو جاتی کہ زاروقطار روتے تھے۔ آنسوؤں کا طوفان نہ جانے کہاں سے اُمڈ آتا تھا کہ روکے نہ رُکتا تھا۔ حضرت پیرا شاہ غازیؒ المعروف دمڑی والی سرکار سے آپ کی عقیدت، محبت اور ارادت روز بروز پختہ سے پختہ تر ہوتی گئی اور آپ کے دل میں روحانیت کے چراغ روشن ہونے لگے۔ کشف کے دروازے ایک ایک کر کے کھلنے لگے۔ کائنات کے اسرار و رموز دل کے آئینے میں نشکارے مارنے لگے۔ آپ نے فرمایا:

بادشہاں دا پیر کہاوے پیراں شاہ کر جاتا
پیرا شاہ قلندر غازی نت سوا لکھ داتا
سیک لگے جد سیوک تائیں تُرت سُنے فریاداں
پہنچے کر تاکید محمد پان مرید مُراداں
زندہ پیر کرامت ظاہر، فیض ہمیشہ جاری
باغ نبیؐ دا گل عجائب، کھڑیا سدا بہاری
عاجز نردھن اس دے در تے لکھ نعامت کھاندے
ہک دمڑی دا تحفہ لے کے دیندا دان لکھاں دے

حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ سے آپ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب تک آستانہ عالیہ پر حاضری نہ دے لیتے تھے آپ کے دل کو سکون اور قرار حاصل نہ ہوتا تھا۔ طبیعت میں بے چینی اور بے قراری رہتی تھی۔ حاضری دیتے وقت بے حد عاجزی، انکساری، خلوص، عقیدت و ارادت آپ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتی تھی۔ بعض مرتبہ جب عقیدت و رقت کا غلبہ زیادہ ہو جاتا تھا تو اپنی ریش مبارک سے مزار کی صفائی فرماتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

میں نکاری، اوگن ہاری پُر تقصیر بے چاری
مان تران تساڈا حضرت، شرم شہاں نوں ساری
جو چاہیں سو لکھیں سائیاں مالک لوح قلم دا
میں مسکین حوالے تیرے توں ضامن ہر کم دا

Marfat.com

ہک پل مشکل باہجھ تساڈے، سائے پشت پناہوں
میں عاجز نوں نام اللہ دے ردّیں نہ درگاہوں
سدا محمد بخش نمانا ہلیا کرم فضل دا
تکیہ پرناں محض تساڈا نہ کجھ رلا عمل دا
جس سر ہے دستار تساڈی میں بھی اُس دے در تے
خیر خیرات بیٹھا کھاواں جے کجھ چاہندا ورتے

روایت ہے کہ حضرت میاں محمد بخشؒ تصوف کے اُس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں سالک کے سامنے بہت سے راستے کھُلے ہوتے ہیں لیکن اُسے علم نہیں ہوتا کہ کونسا راستہ اُسے منزلِ مقصود تک پہنچائے گا اور کس راستے سے وہ بھول بھلیّوں کے جنگل میں بھٹک جائیگا۔ اس مقام پر مرشد کی ہدایت اور راہنمائی کی بے حد ضرورت ہوتی ہے چنانچہ آپ کی اس اُلجھن اور پریشانی کا احساس کرتے ہوئے ایک رات حضرت پیرا شاہ غازیؒ آپ کے خواب میں آئے اور آپ کا بازو پکڑ کر فرمایا: ''اے فرزند۔ میں تمہارا پیر ہوں اور تُو میرا مرید ہے۔'' اس سے آپ کی تشفی تو ہوگئی مگر ظاہری بیعت کے لیے ارشاد ہوا کہ ''سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت سائیں غلام محمدؒ میرے روحانی فرزند ہیں۔ بمقام کلروڑی تحصیل میر پور بیعت کرلو۔'' جب حضرت میاں محمد بخشؒ خواب سے بیدار ہوئے تو سائیں غلام محمدؒ کے دربار میں حاضری دینے کا کمال اشتیاق پیدا ہوا اور فوراً کلروڑی شریف پہنچے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ حضرت سائیں غلام محمدؒ دنیاداری چھوڑ کر اللہ کی یاد میں اس قدر محو ہو گئے ہیں کہ کسی کو اُن سے کلام کرنے کی جرأت نہیں۔

حضرت سائیں غلام محمدؒ سے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ: '' آپ کا خاندان قدیم سے جاہ و حشمت اور وجاہت دنیاوی سے ممتاز چلا آتا تھا۔ تمام نواح میں آپ کے اسلاف کی حکمرانی رہی لیکن آغازِ شباب میں ہی سعادتِ ازلی نے آپ کی راہنمائی کی۔ فطرت میں نور ہدایت جلوہ گر تھا۔ جاذب حقیقی نے کشش کے تمام اسبابِ عشرت کو چھوڑ کر کسی مرد کامل کی تلاش میں دور دراز سرزمین میں بادہ پیمائی شروع کرائی لیکن کسی آستان پر دل کو تسکین نہ ہوئی۔

حضرت جناب پیر بدوح شاہ صاحبؒ ابدال جو آپ کے قریب ہی سکونت پذیر تھے ان کی طرف آپ کا چنداں خیال نہ گیا۔ یہ مثل درست ہے کہ گھر کا پیر سبک نظر آتا ہے۔

Marfat.com

ایک روز گھوڑے پر سوار ایک ملازم کو ہمراہ لے کر کسی مرد کی زیارت کو جارہے تھے کہ ناگاہ راستے میں پیر بدوح شاہ صاحبؒ نظر آئے۔ آپ نے گھوڑی سے اُتر کر سلام کیا۔

بابا صاحب نے فرمایا۔ میاں چوہدری! جس طرف تمہاری خوشی ہے بے شک دوڑتے رہو۔ خدا نے چاہا تو میں ہی تیرا پیر ہوں اور تو ہی میرا مرید ہوگا۔ یہ سن کر حضرت کو تسلی ہوگئی۔ اُسی وقت بیعت سے سرفرازی حاصل کر کے پیر طریقت سے تلقین پا کر میدان مجاہدہ میں قدم رکھا۔ گوشہ تنہائی میں شب و روز زہد و ریاضت کا شغل اختیار کیا۔

الغرض جس وقت حضرت سائیں غلام محمدؒ عبادت سے فارغ ہوئے تو حضرت میاں محمد بخشؒ نے خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد ظاہر کیا۔ انہوں نے چند دن مزید انتظار اور صبر کرنے کی تلقین فرمائی اور پھر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اس صبر اور انتظار میں کافی دن گزر گئے۔ میاں محمد بخش صاحبؒ کے دل میں بے چینی و بے قراری حد سے بڑھ گئی اور خیال آیا کہ اپنے گاؤں واپس لوٹ جانا چاہیے۔ اُسی وقت حضرت سائیں غلام محمدؒ آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ غالباً انہیں آپ کے دل کی بے قراری اور بے صبری کا علم ہو گیا تھا۔ اس لیے فرمایا: ''آپ کا انتظار اور امتحان ختم ہو گیا۔ میرے ساتھ آیئے۔'' چنانچہ بابا بدوح شاہؒ کے مزار کے احاطے میں بیٹھ کر سائیں غلام محمدؒ نے آپ سے بیعت لی اور چند وظائف پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

اس بیعت کے بعد حضرت میاں محمد بخشؒ کے سینے میں انوار تجلیات کے عکوس یوں نمایاں ہوئے کہ آپ کا دل عرفان الٰہی کی تجلیات سے منور ہو گیا۔ آپ کی طبیعت میں جوش اور روانی پیدا ہوگئی۔ کلام میں تسلسل اور فصاحت و بلاغت نے جنم لیا۔ عاجزی انکساری کی طرف مزید جھکاؤ پیدا ہوگیا۔ آپ نے تقریباً ہر تخلیق میں اپنے مرشد حضرت سائیں غلام محمدؒ کلروڑی شریف کی مدح اور منقبت بیان فرمائی ہے۔ آپ نے اپنے شاہکار ''سیف الملوک'' میں یوں لکھا ہے:

آ قلمے مُنہ لا سیاہی چُم زمین نورانی
رت کالی چھنکا اکھیں تھیں وانگ ہنجوں دے پانی
صفت مبارک پیر مرے دی باہر حد بیانوں
پرتوں وی کجھ چکھ شیرینی جاونے پھک زبانوں

Marfat.com

مرد بھلیرا مرشد میرا شاہ غلام محمد
اہلِ شریعت، اہل طریقت وانگ امام محمد
محرم حال حقیقت کولوں واقف سی عرفانوں
پُر تقصیراں نوں تاثیراں ہوون اوس زبانوں
صحبت مجلس پیر میرے دی بہتر نفل نمازوں
ہک ہک سخن شریف اوہناں دا کردا محرم رازوں
رحمت حلم وفا محبت چارے طبعاں رلا کے
ربّ اوہ شخص شریف بنایا نیک صفاتاں پا کے
آب حیات کلام رسیلی چہرہ خضر ولی دا
درد کنوں رنگ زرد ہمیشہ آتش عشق تلی دا

آپ اپنی تصنیف ''تحفۂ میراں'' میں اپنے مرشد کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

کامل پیر مربی میرا نام غلام محمد
اہل شریعت اہل طریقت وانگ امام محمد
پیر اوہناں دا مست محبت غوثاں وچہ یگانا
شمع حقانی اوپر دائم بدوح شاہ پروانہ

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ نے اپنے ظاہری پیرومرشد غلام محمدؒ کلروڑی شریف کے ایماء پر دو مرتبہ کشمیر کا پیدل سفر کیا۔ جس کا تفصیلی تذکرہ گذشتہ ابواب میں ہو چکا ہے۔ بہت سے مزارات اور روضہ ہائے مبارک پر حاضری دی خاص طور پر شیخ احمد ولیؒ غوثِ زمانہ سے بالمشافہ نیاز حاصل کیے اور فیض پایا۔ لہٰذا آپ کو اپنے پیرومرشد سے بے حد عقیدت اور ارادت تھی۔ ان کی خدمت میں سکون قلب اور روحانی خوشی محسوس کرتے تھے۔

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کا شعری نظریہ

رب ذوالجلال والاکرام کا یہ خاص کرم ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں اولیاء کرام صوفیا عظام، عابدین اور صالحین کے قدم مبارک برصغیر کی دھرتی پر رنگارنگ گُل کھِلاتے اور خوشبوئیں بکھیرتے رہے اور وہ اپنے نیک خصائل اور اعلیٰ شمائل سے اس سرزمین کے لوگوں کی راہنمائی اور رہبری فرماتے رہے۔ اس لیے اُن عظیم لوگوں کی جس قدر بھی تعریف وتوصیف کی جائے کم ہے۔ انہوں نے اپنی ذاتی کاوشوں اور کوششوں سے ظلمت کدۂ ہند میں دینِ اسلام کے چراغ روشن کیے۔ یہاں کے باشندوں کو جاگیرداروں، وڈیروں، نسلی امتیاز و استحصال، انسانیت کی تذلیل اور پنڈتوں، برہمنوں کے ظلم وستم سے نہ صرف نجات دلائی بلکہ ان میں خود اعتمادی، انسانی عظمت، اخوت، ہم سری اور برابری کا جذبہ پیدا کیا۔ احساس کمتری کی دلدل سے باہر نکالا اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سکھایا۔

ان ہی فقیروں اور درویشوں میں میر پور آزاد کشمیر کے ایک گودڑی پوش، مجذوب، ولی اللہ اور سیلانی درویش حضرت پیرا شاہ غازی قلندر عرف دمڑی والی سرکار تھے۔ آپ ہر وقت قران مجید فرقان حمید کی زبانی تلاوت فرماتے رہتے تھے اور ہمیشہ اپنے حال میں مست اورالست رہتے تھے۔ جو بات منہ سے کہہ دیتے تھے اللہ کے حکم سے پوری ہو جاتی تھی۔ بے شمار لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، حاجات بیان کرتے اور فیض سے جھولیاں بھر کر لے جاتے تھے۔ آپ کے خاص مرید، سفر اور حضر کے ساتھی خدمتگار میاں دین محمد تھے جو ہر وقت آپ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔

جب 1155ھ میں پیرا شاہ غازی قلندرؒ نے رحلت فرمائی تو حضرت میاں دین محمدؒ نے کھڑی شریف میں ان کی قبر پر خوبصورت مزار تعمیر کروایا اور خود سجادہ نشینی اختیار کی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ کے صاحبزادے میاں شہباز گدی نشین ہوئے۔ اُن کے بعد ان کے بیٹے میاں جیون ولی اور پھر ان کے صاحبزادے میاں شمس الدین دربار

Marfat.com

شریف کے سجادہ نشین ہوئے جو حضرت میاں محمد بخشؒ کے والد محترم تھے۔

میاں محمد بخشؒ نے اپنے والد محترم سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر سموال شریف کے مدرسہ میں حافظ ناصر اور حافظ غلام حسین سے علم معقول اور علم منقول کے مختلف درجات طے کیے۔ بعد ازاں پیر غلام محمدؒ کلروڑی شریف کے ہاتھ پر بیعت کی اور کشمیر کا پاپیادہ سفر اختیار کیا۔ اس سفر کے دوران مختلف اولیاء اللہ اور صوفیا کرام سے فیض حاصل کیا۔ پھر اپنے بڑے بھائی بہاول بخش کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

آپ کی طبیعت عاجزانہ، فقیرانہ اور درویشانہ تھی۔ شاعری سے شغف تھا۔ طبیعت رواں اور موزوں پائی تھی۔ اس لیے اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے آپ کی زبان پر اشعار جاری رہتے تھے۔ بعض مرتبہ پند و نصیحت اور گفتگو بھی اشعار میں فرماتے تھے۔ طبیعت میں عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ اس قدر شب و روز عبادت و ریاضت کے باوجود کبھی نخوت و تکبر کا شکار نہ ہوئے بلکہ اپنے آپ کو گنہگار، جھوٹا اور شرمندہ کہتے تھے۔ شعر ہے:

میں پاپی شرمندہ جھوٹا بھریا نال گناہاں
ہکو آس تساڈے در دی نہ کوئی ہور پناہاں

آپ ملاقات کے لیے آنے والے مہمان کی اس قدر خدمت اور خاطر تواضع فرماتے تھے کہ وہ شرم سے پانی پانی ہو جاتا تھا۔ آپ نے اپنے مریدوں میں کبھی امیر یا غریب، چھوٹے یا بڑے اور مسلم یا غیر مسلم میں امتیاز روا نہ رکھا۔ ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے تھے۔ اس عجز و انکسار کے ساتھ ساتھ آپ اپنی شاعری کو بھی گھٹیا، کم تر، وزن سے خارج اور خوبیوں سے خالی سمجھتے تھے۔ کبھی اپنے آپ کو اعلیٰ اور عمدہ یا سب سے بڑھ کر شاعر ہونے کا دعویٰ نہ کیا بلکہ فرماتے تھے کہ جیسا برتن ہوتا ہے اُس میں سے ویسی ہی آواز آتی ہے۔ اگر برتن کچا اور ناپختہ ہے تو اُس میں سے کیسے کھنکتی اور ٹھنکتی ہوئی آواز آسکتی ہے۔ فرماتے ہیں:

سچے مرد نگاہ کرم دی نام اللہ دے پاؤ
اوگن ہارے دے لکھ اوگن پلا دے چھپاؤ
جیسے بھانڈے تیہے آوازے کیا نیویں کیا اُچے
میں ہاں نال پلیتی بھریا سخن ہوون کد سچے

مقصد ہے کہ جیسا شاعر کا کردار اور فکر ہوتی ہے ویسے ہی اُس کے اشعار ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اگر وہ اعلیٰ کردار، بلند فکر، بلند تخیل اور نفیس جذبات اور لطیف احساسات کا مالک ہے تو یقیناً اس کی شاعری عمدہ، اعلیٰ اور نفیس ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ شعر گوئی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ نہایت غور وفکر، موزوں الفاظ کے انتخاب اور جذبات و احساسات کی مکمل ترسیل سے شعر وجود میں آتا ہے۔ یعنی اچھے شعر کی آبیاری شاعر کے خون سے ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا تھا:

خشک سیروں تن شاعر میں لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعہ تر کی صورت

اسی طرح حضرت میاں محمد بخشؒ کے نزدیک شاعری بے حد نازک اور لطیف فن ہے جو ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ یوں ہی ردیف قافیہ ملا لینا، تک بندی ضرور ہے مگر شاعری نہیں۔ شاعری میں ایک ایک لفظ پر غور وخوض کرنا اور پھر اُسے مناسب انداز سے شعر کے سانچے میں ڈھالنا بے حد دقت طلب کام ہے۔ اسی لیے خواجہ حیدر علی آتش نے کہا تھا:

جڑنا الفاظ کا جڑنا نگوں سے کم نہیں
شاعری ہے کام آتش اک مرصع ساز کا

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کا نظریہ ہے کہ دردمندی، محبت، خلوص اور احساس کی دولت شعری تخلیق کے بنیادی جوہر ہیں کیونکہ شاعر اس درد وکرب اور اضطرابی کیفیات میں سے گزر کر شعر تخلیق کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

درد منداں دے سخن محمد دیہن گواہی حالوں
جس پلّے پھُل بدّھے ہوون آوے باس رُمالوں
سخن بھلا جو دردوں بھریا بِن دردوں کجھ ناہیں
نڑاں کماداں فرق رَدہ دا کیا کانے کیا کاہیں
حصے ہور کسے دے اندر درد اپنے کجھ ہوون
بن پیڑاں تاثیراں ناہیں بے پیڑے کد روون

دردمند اور حساس شاعر کے کلام کے ایک ایک لفظ سے اُس کے اندر کا درد وغم جھلکتا ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جس رومال میں پھول بندھے ہوئے ہوں اس میں سے خوشبو آتی ہے۔ شاعری وہی اچھی اور پُر تاثیر ہوتی ہے جس میں شاعر کے مافی الضمیر کا درد وغم، جذباتیت اور احساسات جھلکتے ہوں۔ اگر گنے کے اندر رس نہ ہو تو پھر گنے اور

Marfat.com

کانے (سرکنڈے) میں کوئی فرق نہیں رہتا۔اس لیے اچھا شعر ہمیشہ تاثیر سے لبریز ہوتا ہے۔ ان اشعار میں حضرت میاں صاحبؒ نے ایک اور خوبصورت بات یہ کہی ہے کہ شاعر کو اپنے جذبات و احساسات کا برملا اظہار زیب نہیں دیتا۔ لہٰذا اس کا فرض ہے کہ وہ رمز نگاری یا علامتوں کے پردے میں اپنے دل کی بات بیان کرے، ورنہ غالبؔ کی طرح بدنام ہو جائے گا:

کھُلتا کب کسی پہ میرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

شاعری دوطرح کی ہوتی ہے۔ایک وہبی شاعری دوسرے کسبی یا اکتسابی شاعری۔ وہبی شاعری وہ ہے جسے عطیۂ خداوندی بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے شاعری کا ملکہ شاعر میں ودیعت کر دیتا ہے۔اس لیے وہ شخص پیدائشی شاعر ہوتا ہے۔ وہ بے شک تعلیم حاصل کرے یا نہ کرے وہ شعر ضرور کہتا ہے بلکہ شاعری اُس پر نازل ہوتی ہے۔ بہت سے شاعر چٹے ان پڑھ ہوتے ہیں مگر اشعار اُن پر نازل ہوتے ہیں۔ ان پڑھ ہونے کی وجہ سے وہ اپنا کلام دوسرے پڑھے لکھے لوگوں سے لکھواتے اور پڑھواتے ہیں۔ دوسری قسم کے کسبی یا اکتسابی شاعر ہوتے ہیں۔ یہ پیدائشی شاعر نہیں ہوتے مگر شاعروں کی صحبت میں بیٹھ کر یا کسی استاد شاعر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے شاعری کا فن سیکھتے ہیں۔ پھر وہ محنت شاقہ اور مشق و ممارست سے شعر کہتے شاعر تو بن جاتے ہیں مگر اُن کی شاعری میں وہ تاثیر نہیں ہوتی جو ایک وہبی شاعر کے کلام کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ ایک وہبی شاعر تھے۔ قدرت نے اُن کو شاعری کا ملکہ خود ودیعت فرمایا تھا۔ ان کی شاعری عطیۂ خداوندی تھی۔ چنانچہ وہ بات کرتے تھے تو شعر ہو جاتا تھا۔ کبھی کسی ردیف یا قافیہ نے ان کے خیالات کی ترسیل کا راستہ نہیں روکا۔ بلکہ ادق اور مشکل قوافی میں بھی نہایت آسانی اور نہایت روانی سے شعر کہہ جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں غضب کی روانی، خیالات کی فروانی، الفاظ کی ارزانی، خوش بیانی اور جذبات نہانی کا عمدہ اظہار ملتا ہے۔

آپ ارشاد فرماتے تھے کہ شاعر کا کلام اُس کی ایسی تخلیق ہے جیسے کسی والد کی تخلیق اُسکے بیٹے ہوتے ہیں۔ والد کو جس طرح اپنے بیٹے پیارے لگتے ہیں اسی طرح شاعر کو اپنے اشعار پیارے لگتے ہیں۔ اگر کسی والد کے بیٹے کو تنگ کیا جائے یا مارا جائے تو والد کو بہت بُرا

Marfat.com

لگتا ہے۔ اسی طرح کسی شاعر کے اشعار کو غلط انداز سے پڑھا جائے یا اُس کی عیب جوئی کی جائے تو شاعر کو بہت بُرا لگتا ہے۔ وہ اس ظلم کو برداشت نہیں کر سکتا:

جیونکر بیٹے تساں پیارے تیویں بیت اسانوں
بیٹے نوں کوئی اُنگل لائے لگدے بیت تسانوں
دشمن وانگ دِسے اوہ سانوں جے کوئی بیت تروڑے
بیٹے نازک لال سُندر دے ایویں کن مروڑے
سٹ پسٹا کر کے پڑھیاں لذت کجھ نہ رہندی
جس دے بیٹے نوں کوئی مارے کدا اُس دی جِند سہندی

حضرت میاں صاحبؒ کے زمانے میں کچھ لوگ ایسے تھے جو بے حد بے ذوق تھے۔ شاعری کی ابجد سے بھی واقف نہ تھے۔ وہ جب حضرت میاں صاحب کے اشعار اُن کے سامنے ہی غلط انداز سے پڑھتے تھے یا توڑ مروڑ کر پڑھتے تھے تو حضرت کو بہت دُکھ ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ سیم کو ستم اور غم کو غم پڑھ جاتے تھے۔ حضرت میاں صاحب ایسے لوگوں سے پناہ مانگتے تھے۔ فرماتے ہیں:

ربّا دَیں پناہ انہاں تھیں جو ایسے کم کردے
سیم سچّے دا ستم بناون غم دا نے غم کردے

حضرت میاں صاحب کا ارشاد تھا کہ اشعار کو صحیح انداز میں صحیح تلفظ کے ساتھ اور مناسب وقفے سے پڑھا جائے تو شعر لطف دیتا ہے اور اگر پڑھنے والے کی آواز اچھی ہو تو شعر کا لطف دگنا ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک تو دودھ کی اپنی مٹھاس ہوتی ہے اور اگر اُس میں میٹھا (شکر وغیرہ) ملا دیا جائے تو اُس کا سواد دُگنا ہو جاتا ہے:

باجھ ادا آواز رسیلے لگدا شعر الونا
دودھ اندر جے کھنڈ رلائیے مٹھا ہوندا دونا

اس لیے پڑھنے والوں سے عرض ہے کہ وہ میرے اشعار کو ترنم یا نغمگی سے ادا کریں تو شعر کی تاثیر دگنی ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں:

کرے سوال فقیر محمدؔ پڑھنے والے تائیں
رونق کھڑیں نہ شعر میرے دی نال ادا سنائیں

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ سیف الملوک کبھی بھی تحت اللفظ میں نہیں پڑھی جاتی بلکہ پہاڑی اور درباری راگوں میں گائی جاتی ہے۔ اگر گانے والے کی آواز سریلی ہو تو سماں بندھ جاتا ہے اور اُس محفل سے کسی کا ہلنے کو دل نہیں چاہتا بلکہ ہلکی سی سرگوشی بھی گراں گزرتی ہے۔

قصہ سیف الملوک میں بعض مقامات پر درد، دُکھ، غم، کرب، سوز اور تڑپ کا ایسا پُراثر بیان ہے کہ سننے والے بڑے بوڑھوں کی سفید داڑھیاں آنسوؤں کی رم جھم سے بھیگ جاتی ہیں اور داڑھیوں سے ترپ ترپ گرتے قطرے دامن کو تر کر جاتے ہیں۔

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کے نزدیک وہ لوگ قابلِ نفرین ہیں جو اچھے بھلے شعر میں نقص یا عیب نکالتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو عام اصطلاح میں ناقد یا نقاد کہا جاتا ہے۔ وہ شاعر کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے اس کے اشعار میں خامیاں تلاش کرتے ہیں اور اُسکی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں کہ شاعر شیشہ گر کی مانند ہوتا ہے وہ بڑی محنت سے شیشہ بناتا ہے مگر نقاد اُسے پتھر مار کر توڑ دیتا ہے۔ وہ شیشہ نہیں ٹوٹتا بلکہ شاعر کا دل ٹوٹ جاتا ہے:

مر مر اک بناون شیشہ مار وٹا اک بھن دے
دنیا اُتے تھوڑے رہندے قدر شناس سخن دے
جے کوئی میلی اکھیں ویکھے عیب دھگانے لاوے
اوہ بھی عدل تیرے دے گھر تھیں کجھ سزائیں پاوے

حضرت میاں صاحب کو اس امر کا بے حد دکھ تھا کہ وہ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں جبکہ اشعار اور شاعر کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہی۔ پہلے زمانے کے لوگ صاحب علم تھے۔ شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ اچھے شعر پر داد کے ڈونگرے برساتے تھے اور شاعر کی بے حد قدر و عزت کرتے تھے گویا وہ قیمتی لعلوں کے سوداگر تھے۔ فرماتے ہیں:

لد گئے اوہ یار پیارے سخن شناس ہمارے
سخن صراف محمد بخشا لعلاں دے بنجارے
مجلس بہہ بہہ گئے سیانے کر کر ہوش سنبھالے
ہک دوئے سنگ ورتی اُلفت جیوں بھلیاں دے چالے

Marfat.com

لے لے گئے سخن دی لذت پی پی مست پیالے
خالی رہ گئے مٹ محمد خانے مجلس والے

اب ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ لوگوں میں شاعری کا ذوق وشوق معدوم ہوتا جا رہا ہے اور کسی کو اچھا شعر سننے کا شوق نہیں ہے۔ اگر کسی کو شوق ہے تو وہ شعر کے صرف ظاہری یعنی لفظی معنی سمجھتا ہے شعر کے اندر اُتر کر اُس کے باطنی معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا اور حقیقت یہ ہے کہ شعر کے لفظی یا لغوی معنی کچھ اور ہوتے ہیں جبکہ شعر کے باطنی معنی وہ ہوتے ہیں جو شاعر کے پیش نظر یا مقصود ہوتے ہیں:

اوّل تے کجھ شوق نہ کسے کون سخن اج سُن دا
جے سُنسی تاں قصہ اُتلا کوئی نہ رمزاں پُن دا

سچی بات بھی یہی ہے کہ اچھے شعر میں کوئی نہ کوئی رمز یا علامت ضرور ہوتی ہے۔ اس علامت کو سمجھنے سے ہی شعر کا اصل مفہوم سامنے آتا ہے اور شعر لطف دیتا ہے۔ لہٰذا حضرت میاں صاحب نے شعر کے باطن میں چھپی ہوئی اُس رمز نگاری یا علامت نگاری کو شاعری کا جزو قرار دیتے ہوئے فرمایا:

جس وچ گجھی رمز نہ ہووے دردمنداں دے حالوں
بہتر چُپ محمدؔ بخشا سخن اجیہے نالوں

اسی لیے آپ نے قصہ ''سیف الملوک'' میں دعویٰ کیا کہ میں نے حقیقی عشق کو مجازی عشق کے رنگ میں پیش کیا ہے تا کہ معمولی پڑھا لکھا شخص بھی اس سے لطف اندوز ہو سکے۔ میں نے مختلف رنگوں کی لکڑی لے کر ایک لاٹھی بنائی ہے جس کے ظاہر میں مجازی عشق اور باطن میں حقیقی عشق چھپا ہوا ہے۔ جو لوگ قصے کے اندر اُتر کر دیکھیں گے ان پر سربستہ راز کھلیں گے:

بات مجازی رمز حقانی ون وناں دی کاٹھی
سفر العشق کتاب بنائی سیف چھپی وچ لاٹھی

حضرت میاں صاحب سے پہلے گجرات کے ایک شاعر احمد یار مرالوی ہو گزرے ہیں جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ''احسن القصص'' کے عنوان سے 1258ھ میں لکھا۔ انہوں نے پنجابی کے بہت سے شاعروں کے کلام پر تنقید و تنقص کرتے ہوئے بہت سے شاعروں کے کلام کے معائب ظاہر کیے۔ مثلاً سید وارث شاہ کے بارے میں لکھا:

Marfat.com

وارث شاہ سخن دا وارث کتوں نہ ہٹکیا ولیا
پر من راہی چکی وانگوں نگا موٹا دلیا

یعنی سید وارث شاہ کے اشعار بہت اچھے نہیں ہیں۔ ان میں بہت سی خامیاں اور کمزوریاں بھی ہیں۔ اب یہ بات حضرت میاں محمد صاحب کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ وہ کسی شاعر کے کلام پر تنقید کر کے اسکی خامیاں طشت از بام نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ اغلاط سے کوئی شاعر پاک نہیں ہے۔ ہر ایک کے کلام میں غلطیاں ہوتی ہیں مگر اُن کی تشہیر کرنا عقل مندی نہیں ہے۔ میں بھی شاعر ہوں یقیناً میرے کلام میں بھی اغلاط ہوں گی کیوں کہ کوئی انسان مکمل نہیں۔ انسان غلطی کا پتلا ہے اور اُس سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ مکمل تو صرف خداوند کریم کی ذاتِ اقدس ہے۔ حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں:

جتھے جتھے وادھا گھاٹا جے میں انگل دھردا
احمد یار مصنف وانگر تاں کوئی معلم کردا
تھوڑی بہتی تہمت کولوں کون کدی بچ رہندا
پر میں آپوں اوگن ہارا دوسریاں نہیں کہندا
پردہ پوشی کم فقر دا میں طالب فقراواں
عیب کسے دے پھول نہ سکاں ہراک تھیں شرماواں

حضرت میاں صاحب نے اپنے شاہکار سیف الملوک کے آخری حصہ میں پنجابی زبان کے چالیس شاعروں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ اُن خیالات سے آپ کی فطری عاجزی، انکساری کے ساتھ ساتھ طبیعت کی نرمی، شعرا کے ساتھ ہمدردی، شاعری کی قدر اور صلح جوئی ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً سید وارث شاہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وارث شاہ سخن دا وارث نندے کون انہاں نوں
حرف اوہدے تے اُنگل دھرنی ناہیں قدر اسانوں
جیہڑے اوس چوہڑیٹے آکھے جے سمجھے کوئی سارے
ہک ہک سخن اندر خوشبوئیں وانگ پھلاندے کھارے

حضرت میاں صاحب نے ہر شاعر کے کلام کی تعریف کی ہے یہاں تک کہ احمد یار مرالوی کی قصہ گوئی اور اُسکی شاعری اور زبان و بیان کی بھی تعریف کی ہے:

Marfat.com

پھیر ولایت شعر سخن دی احمد یار سنبھالی
دھونسا مار تخت پر بیٹھا مل پنجاب حوالی
تیغ زبان چلائیوس ترکھی وچ پنجاب زمینے
سکہ ملک سخن دے اُتے جڑیوس نال آئینے
ایسی غالب بن کے چلی ضرب اوہدی وچ دھرتی
بہت حرافاں نے چھنکائی وٹا لاء نہ پرتی
ہر قصے دی وہٹی اُس نے زیور لاء سنگاری
صنعت تے تکلیفوں گہنے زینت کر کر ساری

کیونکہ حضرت میاں صاحب کسی شاعر کے کلام کے نازک شیشے کو تنقید کا پتھر مار کر توڑنے کے قائل نہ تھے اس لیے اکثر فرمایا کرتے تھے:

شاعر نام دھراون لائق قدر نہیں کجھ میرا
اوہ کھیتاں دے سائیں میرا کھل بنے پر پھیرا
گڈی وتھا پھکا چنگا پن پن ٹوپا دہاری
یار بھراواں دی کر خاطر میں بھی کھچڑی چاہڑی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

جُگ جُگ جیوے دیون والا جس ایہہ کرم کمائے
اندر میرے باغ سخن دے دھن مالی جس لائے
کلّر شور زمین نکاری آہی وانگ خراباں
اک بھیکڑ پال نہ سکدی لائق کد گلاباں
ملیا مال بنیا والی رحمت پانی لائیوس
کلر وچ محمد بخشا باغ بہار بنایوس
جنہاں طلب قصے دی ہوی سُن قصہ خوش ہوسن
جنہاں جاگ عشق دی سینے جاگ سویلے روسن

بعض لوگ شاعر نہیں ہوتے لیکن جب وہ شاعروں کو بادشاہوں کے درباروں میں انعام واکرام ملتے دیکھتے ہیں اور معاشرے میں اُن کی عزت توقیر ہوتی ملاحظہ کرتے ہیں تو وہ

Marfat.com

شاعری کا فن نہ جانتے ہوئے بھی شعر کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اُن کو ردیف اور قافیے کا کچھ پتہ نہیں ہوتا اور نہ عروض اور اوزان کی قطعاً خبر۔ اس لیے وہ شاعر کی بھونڈی نقل اُتارتے ہیں اور شاعری کا بیڑا غرق کر دیتے ہیں:

ویکھو ویکھی شعر بناون شعروں خبر نہ پاون
ایس طرح تے صفتاں سِٹھاں بہتے ڈوم بناون
ردی ردیفوں نام نہ جانن قافیوں بُدھ نہ کائی
وزن برابر ٹُٹدا جُڑدا صنعت رسم نہ بھائی

حقیقتاً شاعری ایک ایسی سعادت ہے جو بازو کے زور سے حاصل نہیں کی جا سکتی بلکہ یہ سعادت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک خداوندتعالیٰ کی طرف سے بخشی نہ جائے کیونکہ شاعری عطیہ خداوندی ہے۔ وہی شخص شاعر بن سکتا ہے جس کی فطرت میں شاعری کی سعادت قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہوتی ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ وہبی شاعر تھے۔ قدرت نے ان کی گھٹی میں یہ سعادت رکھ دی تھی اس لیے ان کی شاعری میں کہیں بھی تصنع اور بناوٹ نظر نہیں آتی۔ آپ کے کلام میں فطری روانی اور تسلسل بدرجہ اتم موجود ہے۔ ایک مصرعہ دوسرے مصرعہ سے اور ایک شعر دوسرے شعر سے اس قدر مربوط ہے کہ ان کے درمیان کوئی خلا نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں طبیعت میں اس قدر روانی تھی کہ جب کبھی کسی موضوع پر لکھنا شروع کر دیتے تھے تو اس موضوع کا کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑتے تھے۔ موزونی طبع کا گھوڑا کہیں نہ تھمتا تھا۔ ایک ہی موضوع پر بیسیوں شعر لکھ ڈالتے تھے۔ پھر زبردستی طبع کے گھوڑے کی لگام کھینچ کر روکتے تھے اور واپس اصل موضوع کی طرف لاتے تھے۔ چند اشعار دیکھیے:

اتنے بھیتؔ پھرولن جوگی ویہل نہ دے کمتالی
گل سُنا محمدؔ بخشا سیف ملوکے والی
اپنے دکھ محمد بخشا جے توں پھولن لگوں
قصہ ہک بنے گا ایہو بیٹھ صبر کر اگوں

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کی غزل گوئی

بن جانسن نے کہا تھا کہ شاعری مترنم خیالات کے اظہار کا نام ہے۔تو غزل سے بہتر اور کوئی صنف اس شعری جذبہ کے اظہار کے لیے موزوں نہیں ہے۔ گویا غزل جہاں سیاسی، سماجی اور معاشرتی مضامین کی ترجمان ہے وہاں اخلاقی قدروں، نازک جذبوں، لطیف احساسات اور خوبصورت خیالات کی عکاس بھی ہے۔ علاوہ ازیں ترنم ریز قافیوں، گاتی بجاتی ردیفوں، گُنگناتی بحروں اور نغمگی کی لہروں کی حامل بھی ہے۔ اس لیے برصغیر پاکستان و ہند میں جس قدر پذیرائی اور مقبولیت غزل کو حاصل ہوئی ہے کسی اور شعری صنف کے حصہ میں نہیں آئی۔ ہر شاعر نے اس لطیف صنف میں طبع آزمائی ضرور کی ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس صنف کو وحشی سمجھ کر دھتکارتے تھے، نفرت کرتے تھے اور نظم کو غزل پر ترجیح دیتے تھے، بالآخر وہ بھی اس صنف کے قائل ہی نہیں بلکہ مرید ہو گئے اور خود غزل کہنے لگے۔

فارسی اور اُردو میں غزلیات کے دیوان کے دیوان بھرے پڑے ہیں۔ان دونوں زبانوں میں ہر نوع اور ہر انداز کی غزل موجود ہے۔ پنجابی ادب کی محفل میں یہ صنف بہت بعد میں داخل ہوئی لیکن بعض شعرا نے اس صنف سخن میں ایسے ایسے گلہائے خوش رنگ کھلائے کہ رہتی دنیا تک اُن کی چمک دمک اور تابندگی ماند نہیں پڑے گی۔

سترھویں صدی عیسوی کے ایک بزرگ شاعر شاہ مراد کو پنجابی غزل کا پہلا شاعر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کے مجموعہ کلام ''گلزار شاہ مراد'' میں آٹھ غزلیات موجود ہیں۔ ان کی غزلیات سے تصوف کا گہرا رنگ جھلکتا ہے۔ان کی ایک غزل کے چند اشعار یوں ہیں:

خداوندا ملا مینوں سجن اتناں اُڈیکاں کیوں
اُڈیکاں تے گِناں تارے تے سِر نوں لائیاں لیکاں کیوں
دو اکھیاں میریاں ہوئیاں جو حیران آرسی وانگوں
چلن فیر نیر جوں ندیاں تے نالے کوک ڈیکاں کیوں

شاہ مُراد کے بعد صدیق لالی، استاد گاموں، حضرت میاں محمد بخشؒ اور استاد کرم کے

Marfat.com

کلام میں غزل کے کچھ نمونے ملتے ہیں۔ لیکن جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ شاہ مراد سے قبل حضرت نوشہ گنج بخش قادریؒ (1602-1691ء) عظیم صوفی شاعر تھے اور اُن کے کلام میں پنجابی غزل کے ابتدائی نمونے موجود ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد کی رائے ہے:

''پنجابی زبان میں غزل کی ابتداء کب ہوئی اور پہلا غزل گو کون تھا؟ اس کے متعلق مختلف آراء سامنے آتی ہیں۔ کسی نے شاہ مراد (جنم اور وفات بارہویں صدی ہجری) کسی نے میاں محمد بخشؒ (مصنف سیف الملوک) اور کسی نے نواب غلام حسین عرف گاموں خان کو پہلا غزل گو ظاہر کیا ہے۔ کسی کی رائے ہے کہ سید وارث شاہؒ، میاں محمد بخشؒ، نواب گاموں خان، موسیٰ لدھیانوی اور مولوی دلپذیر نے پہلے غزلیات لکھیں۔ لیکن نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری سامنے آنے پر مذکورہ تمام آراء غلط ثابت ہوئیں کیونکہ اُن میں سے ایک بھی شاعر نوشہ گنج بخشؒ کے دور کا نہیں ہے اور نہ ہی اُن سے پہلے کا کوئی شاعر ہے۔ حضرت نوشہ صاحبؒ نے جہاں اَٹ اور مانجھ جیسی نئی شعری اصناف کو پنجابی شاعری سے روشناس کرایا ہے وہاں انہوں نے غزل کی صنف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس صنف کو غزل کا نام نہیں دیا لیکن حقیقت میں وہ غزل ہے۔ مثلاً چند اشعار دیکھیے:

ہک پل سُکھ نہ آوے تدھ بن ہک پل سُکھ نہ آوے
پل پل دُوروں آہیں بھراں سے غوطے جی کھاوے
تیرے ویکھن نوں جی ترسندا اوکھن ملن نمانا مندا
کیہ کجھ کرے نمانا بندہ جے صاحب ایویں بھاوے
نوشہ کہے فقیر الٰہی بیا جیو اوّلی پھاہی
ایہہ گل لیکھیں آہی، جوں بھی سُکھ نہ پاوے''(1)

اگر حضرت میاں محمد بخشؒ کے شاہکار سیف الملوک کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اُن کے ہاں قدم قدم پر ایسے بے شمار اشعار بکھرے پڑے ہیں جن کے مضامین، بندش الفاظ اور مزاج سے غزل کا رنگ جھلکتا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے کہ ان میں کس قدر تغزل کا رنگ رچا ہوا ہے:

ظالم نین کٹاراں وانگر وچ کجلے دی دھاری
ویکھن والے نوں غمزہ سانگ کلیجے ماری

Marfat.com

سوہنا قد سہیلی دیہی نازک شاخ چنبیلی
چنن بدن گلے وچ جثیر زلفاں عطر پھلیلی (2)

تاہم حضرت میاں محمد بخشؒ نے اُن کو غزلیہ اشعار نہیں کہا اور نہ ہی غزل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن قصہ سیف الملوک میں جہاں کہیں انہوں نے محسوس کیا ہے کہ قصہ زیادہ طوالت پکڑ گیا ہے وہاں ذائقہ کی تبدیلی کے لیے غزلیات اور دوہڑے لکھے ہیں۔ مثلاً ''سیف الملوک'' میں دس غزلیات موجود ہیں۔ جن پر غزلیات کا عنوان بھی درج ہے۔ ان غزلیات میں غزل کے تمام فنی تقاضے پورے کیے گئے ہیں مثلاً ایک غزل کے چند اشعار نمونے کے طور پر ملاحظہ کیجیے:

جے محبوب پیارا اک دن وتّے نال اساڈے
جاناں اج ہما پکھیرو پھاتا جال اساڈے
چڑھ چناں تے کر روشنائی کالی رات ہجر دی
شمع جمال کمال سجن دی آ گھر بال اساڈے
دلبر دے در جا نہ سکدے حوراں ملک اسمانی
کد مجال سلام کرن دی مثل کنگال اساڈے
نااُمید سجن دے در تھیں نہ ہوساں نہ مُڑساں
کدے تے رحم پوے گا اس نوں ویکھ وبال اساڈے
کرن گدا سجن دے کوچے بادشاہی تھیں چنگا
جے اوہ پاوے آپ محمدؔ خیر رومال اساڈے

حضرت میاں محمد بخشؒ کی غزل میں باطنی کیفیات، قلبی واردات، لطیف جذبات کا خوبصورت بیان، الفاظ کا موزوں استعمال، الفاظ کی بندش، درد، کسک اور تڑپ بدرجہ اتم موجود ہے اور یہی وہ عناصر ہیں جو غزل کو دیگر شعری اصناف پر امتیاز بخشتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پنجاب کی دھرتی چوڑی چھاتی والے جوانوں، گھبروؤں، دلیروں اور بہادروں کی سرزمین ہے۔ کیونکہ یہاں کے باشندے صدیوں تک بیرونی حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے اور اُن کو پسپائی کی راہ دکھاتے رہے ہیں۔ اصل میں دشمن کا میدان میں مقابلہ کرنے کے لیے طاقت اور دلیری و جرأت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اسی سوچ نے

Marfat.com

پنجاب کے جوانوں کو اچھی خوراک، ورزش اور فوجی تربیت کی طرف راغب کیا اور انہوں نے عمدہ سے عمدہ خوراک کھانا، اکھاڑوں میں کثرت کرنا اور فوجی تربیت حاصل کرنا شروع کر دیا۔ دھیرے دھیرے یہ معمولات پنجاب کے لوگوں کی روایت اور مزاج بن گئے اور وہ سورماؤں کی بہادری کے کارنامے اور جنگ کے واقعات اور دلیری کی داستانیں سننا پسند کرنے لگے۔ اس لیے پنجابی ادب میں جس قدر بہادری کے کارناموں کی ''واریں'' لکھی گئیں شاید ہی کسی دوسری زبان میں لکھی گئی ہوں گی۔ چنانچہ پنجابیوں کے اس جنگی مزاج، دلیرانہ واقعات اور بہادری کے قصوں اور کارناموں کی وجہ سے غزل کو اس علاقے میں زیادہ مقبولیت نہ حاصل ہو سکی۔ کیونکہ غزل میں محبوب کے حسن و جمال کی تعریف اور عشق و محبت کے جذبات کا ذکر ہوتا ہے جو پنجابیوں کے سخت مزاج سے قطعاً مناسبت نہ رکھتا تھا۔ اس لیے پنجاب میں غزل کا رواج اردو غزل کے بہت عرصہ بعد ہوا اور پنجابی ادب میں اس صنف کو اردو ادب کی طرح زیادہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔

پنجابی کے بہت سے قصہ نگار فارسی زبان و ادب سے بخوبی واقف تھے۔ وہ فارسی غزل کی عظمت سے کافی حد تک متاثر تھے۔ اس لیے جب انہوں نے پنجابی میں طول وطویل قصے لکھے تو غزل کا عنصر اُن میں خود بخود پیدا ہو گیا۔ اس طرح پنجابی غزل نے پنجابی کی رومانی داستانوں اور قصوں کے اندر دھیرے دھیرے اپنا سفر شروع کر دیا۔ یہی سبب ہے کہ پنجابی شاعری میں جس قدر بھی رومانی قصے لکھے گئے اُن میں کسی نہ کسی روپ میں غزل کا رنگ موجود ہے۔

مثلاً ہیر دمودر پنجابی کا قدیم قصہ ہے جو مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں تخلیق کیا گیا۔ اس قصہ میں بھی چند ایک اشعار ایسے نظر آتے ہیں۔ جن پر غزل کا گماں گزرتا ہے۔ شعر ملاحظہ کریں:

نہ کوئی آکھو ہیرے مینوں نہ کوئی آکھو سلیٹی
ذات سنات پچھانو ناہیں میں چاکے نال چکیٹی
کدوں چوچک ماں پیو مینڈا میں کدوں اوہناں دی بیٹی
دامن آ لگی لڑ تینڈے جے پواں قبول جٹیٹی

میاں محمد دین قادری اپنے قصہ مرزا صاحباں المعروف ''تحفۃ الفقراء'' میں صاحباں کے حسن و جمال کی تعریف اس انداز سے کرتے ہیں کہ اُس میں غزل کے عناصر پیدا ہو گئے

Marfat.com

ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

نک نوک کٹار ولایتی یا نکلی لاٹ فانوس
دو نین ساغر وچ کشتیاں دھیری جیویں آبنوس
پلکاں ناوک بیڑ کے فوج کھلو گئی روس
میں ڈٹھی پاس کھلوتیاں ہند گئی سبھ کوس

اسی طرح سید وارث شاہ نے قصہ ہیر رانجھا اپنے منفرد انداز میں لکھا اور قصے کو ایسا نادر شاہکار بنا دیا کہ صدیاں گزرنے کے باوجود آج تک کوئی شاعر اس کے برابر کا قصہ ہیر رانجھا نہ لکھ سکا۔ سید وارث شاہ نے ہیر کے حسن و جمال کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ اُن کے ان اشعار پر غزل کا گماں گزرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ہونٹھ سرخ یاقوت جیوں لعل چمکن ٹھوڈی سیب ولایتی سار وچوں
نک الف حسینی دا پپلا سی زلف ناگ خزانے دی بار وچوں
دند چنبے دی لڑی کہ ہنس موتی دانے نکلے حُسن انار وچوں
لکھی چین کشمیر تصویر جٹی قد سرو بہشت گلزار وچوں

اسی طرح مولوی غلام رسول عالمپوری نے یوسفؑ زلیخا کا مشہور قصہ ''احسن القصص'' کے نام سے لکھا جس میں بازغہ بنت طالون کے متعلق یوں فرماتے ہیں:

پہلی عمر کواری رعنا سرو چمن دا پورا
زہد لئے تے صبر لٹاوے اسدا ناز نہورا
جدوں نقابوں اکھیں کھولے تیر چھٹن دو غمزے
بھواں کماناں چشم دو ناوک آب نشہ وچ رمزے

بلاشبہ مذکورہ اشعار میں غزلیہ مضمون موجود ہیں لیکن ان کو باقاعدہ غزل کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ باقاعدہ غزل میں ایک مطلع، ایک مقطع، ردیف اور قوافی کی تکرار ہوتی ہے۔ غزل کے تمام اشعار میں ایک مخصوص اندرونی وحدت موجود ہوتی ہے جو تمام اشعار کو لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں کی مانند منظّم اور مرتب رکھتی ہے۔

جہاں تک محبوب کے حسن و جمال کی تعریف اور سراپا نگاری کا تعلق ہے وہ تو پنجابی کیا اردو کے ہر قصہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ غزل کا ایک ضروری عنصر ہے مگر غزل

Marfat.com

نہیں ہے۔ غزل تو انسانی جذبات و احساسات اور قلبی واردات کی تصویر پیش کرتی ہے۔ انسان مختلف اوقات میں مختلف قسم کے خیالات کو جنم دیتا ہے اور پھر ان خیالات کو غزل کے سانچوں میں ڈھالتا ہے۔ اس طرح غزل کے ہر شعر میں مختلف خیال، مختلف جذبہ، منفرد سوچ اور فکر بیان کی جاتی ہے۔

غزل کا ایک ایک شعر تراشا ہوا نگینہ ہوتا ہے۔ اس کا اختصار، توازن اور نغمگی بذات خود ایک فن ہے۔ اور فن بھی ایسا جو لطیف، نفیس اور سُبک ہے۔ اس لیے شعر پڑھتے ہی شعر کی لطافت اور نزاکت ہمارے ذہن کو تروتازگی اور مخصوص فرحت بخشتی ہے۔ چونکہ ہر شعر میں مکمل مضمون بیان کیا گیا ہوتا ہے۔ اس لیے غزل کا شعر پڑھ کر کسی قسم کی تشنگی نہیں رہتی۔ بلکہ ذوق وشوق کے تمام تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ پنجابی شعرا کے مذکورہ اشعار کے مطالعہ سے یقیناً جمالیاتی حِس تسکین پاتی ہے مگر غزل کی اصل چاشنی سوز و گداز اور دل کے تاروں کو چھیڑنے کی کیفیت کا فقدان محسوس ہوتا ہے۔

غزل کی سب سے بڑی خوبی اُس کا لوچ ہے جو اُس میں جاذبیت پیدا کرتا ہے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ غزل گُل و بلبل، چاند و چکور، شمع پروانہ اور شبنم و پھول کے چونچلے ہیں، قطعاً صحیح نہیں ہے۔ غزل تو سماج کا آئینہ ہے، معاشرے کا پرتو ہے، دلوں اور دماغوں کی پرچھائیں ہیں، فلسفے کا لہو، تخیل کا نچوڑ اور روح کی پکار ہے۔

پرانے زمانے میں غزل کے معنی عورتوں سے باتیں کرنا۔ عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کرنا سمجھا جاتا تھا۔ حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کے زمانے میں غزل سے متعلق یہی تصور غالب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی غزلیات میں محبوب سے عشق، محبوب کے حسن و جمال کی تعریف، محبوب سے وصل اور ہجر کی کیفیات کا بیان اور محبوب کے فراق میں دل پر گزرنے والے حالات و واقعات کی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ آپ کی غزل کے چند اشعار یوں ہیں:

باجھوں اکھر عشقے والے ہور نہ سبق پڑھایوس
رب اُستاد میرے نوں دیوے نیکی تے وڈیائی
سوہنی صورت ویکھن کولوں منع نہ کریو بھائی
جمدڑیاں ایہہ عادت مینوں پاون والے پائی

Marfat.com

ہے خوش واؤ سجن دی جاویں اندر باغ سجن دے
سرو آزاد میرے نوں آکھیں کر کے سیس نوائی
باجھ دیدار تیرے تھیں سجناں خوشی نہ دسّے خوابے
مکھ وکھاویں نہ چر لاویں آویں برائے خدائی
حسن جمال کمال تیرے وچ ہور تمامی صفتاں
ہکو عیب وفا محبت نہیں اندر زیبائی
میں نت درد تیرے دی آتش سینے اندر جالاں
تلیاں وچ کڑاہ غماں دے جیوں مچھی جل جائی
توڑے دور پیا پردیسی یاد نہیں تدھ کیتا
میں مدھ پیواں سور تسانوں ہکدم نہیں خطائی
ہے خوش واؤ فجر دی آنی خاک اوہدے درباروں
اس سُرمے تھیں لئیے محمدؔ اکھیّں دی رشنائی

غزل ایک حسین وشوخ دوشیزہ کی مانند ہے جس کا روپ سروپ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جوان ہے اور جو اپنے جمال کی سحر خیزیوں سے دلوں میں پیار و محبت کا جوار بھاٹا تخلیق کرتی اور وقت کی تال پر دھیرے دھیرے پگ دھرتی چلی جاتی ہے۔

روپ کی آنچ کے ساتھ ساتھ اس میں ادائیں، ناز و نخرے، غمزے، آہیں، تبسم، مسکراہٹیں، انانیت، گھمنڈ اور غصہ ہے۔ گویا یہ جمال و جلال کی ایک پوٹ ہے۔ امیروں کی محفل میں پہنچ گئی تو دل لوٹ لیے۔ غریبوں کے ڈیرے میں در آئی تو صبر و متاع چھین لیا۔ صوفیوں کے تکیے میں سے گزری تو حق ہُو کے نعرے لگنے لگے۔ قلندروں نے اسے دیکھا تو سینے چاک کر لیے۔ زاہدوں پاکبازوں نے اسے پایا تو ہنگامہ برپا کر دیا۔ شیخ نے قدموں کی چاپ سُنی تو نعرہ لگایا اور رند بادہ خوار کے تصور میں چلی آئی تو اس نے مستی میں آکر جامِ مے کو چوم لیا۔ گویا غزل میں اتنے رنگ یکجا ہوئے ہیں تو غزل وجود میں آئی ہے۔ اس میں رمزیت ہے، ایمائیت ہے، اختصار ہے، اجمال ہے، لوچ ہے، نغمگی اور موسیقی ہے۔ یہ ایسی مدہوش کُن شراب ہے جو دل و دماغ دونوں کو جھنجھوڑتی ہے اور روح کی گہرائیوں میں اُتر جاتی ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ کی غزلیات میں اگرچہ غزل کی تمام مقتضیات موجود نہیں

Marfat.com

ہیں مگران کی غزل بنیادی تقاضوں سے ضرور ہم آہنگ ہے۔ان کے شاہکار ''سیف الملوک'' میں موجود کل دس غزلیات جو پنجابی شاعری میں غزل کے ابتدائی نمونے کے اعتبار سے بے حد اہمیت کی حامل ہیں۔ یعنی اُن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں پنجابی غزل کن کن مراحل سے گزر رہی تھی۔ مثلاً ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے جن میں فراق میں پیش آنے والی کیفیات کو نہایت درد بھرے پُرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے:

اے معشوقہ میں مر چکا اگوں دیر نہ لاویں
آیا سخت نزع دا ویلا مہر دلے وچ پاویں
بہت جرے دکھ رہی نہ طاقت اگوں ہور جرن دی
آسے آسے عمر گزاری آس میری در لیایں
من وچ وسیں تے دل کھسّیں پر مونہہ دسیں ناہیں
درد رنجانا میں نمانا نہ ہن ہور ستاویں
بھلی میرے سنگ کیتی سجناں جمدڑیاں دُکھ لائے
ہویا انت فراق محمّد کدے تے پچھن آویں

غزل کی ایک خصوصیت مناسب بحروں اور زمینوں کا انتخاب ہے۔ جذبہ وخیال کی نوعیت کے مطابق ہی بحر اور قوافی کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ غزل میں تغزل کا رنگ نمایاں ہو جاتا ہے۔ حضرت میاں صاحب کی غزل کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے ردیفوں کا استعمال نہیں کیا۔ وہ صرف قافیوں سے کام چلاتے ہیں اور قوافی کے استعمال سے نغمگی اور تغزل پیدا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کو قوافی کے استعمال میں ملکہ حاصل ہے۔ ادق سے ادق قافیہ بھی اُن کے جذبات و احساسات کی ترسیل میں کبھی رکاوٹ نہیں بنتا۔ زبان پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب ایک قافیہ استعمال کرتے تو اُس نوع کے ان گنت قوافی قطار باندھ کر اُن کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس قدر قوافی کو جب ایک غزل میں جگہ نہیں ملتی تو پھر ایک ایک مصرعہ میں دو دو تین تین قافیے استعمال کرتے چلے جاتے لیکن مجال ہے کہ کوئی قافیہ استعمال میں بے جا اور غیر ضروری محسوس ہو یا مصرعہ بوجھل ہو جائے۔ بلکہ مصرعہ میں شعری حسن، جاذبیت اور فصاحت پیدا ہو جاتی ہے:

Marfat.com

عشق محبت تیری اندر میں مشہور جہانی
راتیں جاگاں تے سر ساڑاں وانگ چراغ نورانی
بے قراری تے غمخواری سُول فراق تیرے دا
رحم کریں منہ دس پیارے ضائع چلی جوانی

☆

ڈیرے تیرے دے چوفیرے کیہ کم چوکیداراں
آہ میری دے بلن النبے رکھن چانن لایا
شکر ہزار خداوند تائیں پھری بہار چمن دی
حاصل ہوئی مراد محمد دلبر کول بہایا

حقیقت میں غزل کا موضوع انسان اور انسانیت ہے۔ غزل میں دنیا اور دنیا میں بسنے والے انسان ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں کائنات کے مجموعی تاثرات بھی ہوتے ہیں۔ غزل میں ہم سب کے ایسے مرکزی جذبات ہوتے ہیں جن کی حیثیت عالمگیر ہے۔ غزل میں ایسی جاذبیت اور کشش ہے کہ جس قدر آسانی سے غزل کے اشعار یاد ہو سکتے ہیں اور کوئی کلام یاد نہیں ہو سکتا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جو صنف خواص و عام میں مقبول ہو اس کا اثر قومی مزاج اور قومی اخلاق پر ضرور پڑتا ہے۔ شاعر جو عام طور پر متوسط طبقے کا فرد ہوتا ہے وہ اس نظامِ اخلاق کا پرستار ہوتا ہے جو بالائی طبقے کے اقتدار اور عوام کی پستی دونوں کو برقرار رکھنے میں مفید ہو۔ ممتاز نقاد آل احمد سرور اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

> ''غزل کا آئینہ خانہ زندگی کے جلووں کو منتشر کر کے رموز و علامات حجابات کی ایک دنیا آباد کر کے جذبات کی نکاسی کے لیے ایک وسیلہ مہیا کر کے اپنی خودی کی قندیل جلا کر یا حُسن کی مشعل کے سہارے لوگوں کی نگاہوں کو خیرہ کر دیتا ہے''(3)

غزل میں مثنوی کی طرح وضاحت و صراحت نہیں ہوتی بلکہ غزل وجدان کے ذریعے حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یعنی غزل وہ مسیح ہے جس کے پاس کوئی صلیب نہیں، وہ مجاہد ہے جس کے جہاد کا کوئی خاص مقصد نہیں مگر اس کا خلوص مسلم ہے۔

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کی غزل کسی فلسفۂ حیات کی نقیب نہیں صرف رومانی جذبات کی ترجمان و عکاس ہے۔ عاشق کے دل کے سمندر میں اُٹھنے والے جوار بھاٹا کی تصویر کشی ہے۔ جس میں الفاظ کی موزونی، الفاظ کی دروبست، خیالات و جذبات کی سہل اور عام فہم ترسیل ہے۔ سادہ الفاظ میں خیالات و احساسات اور جذبات کی تصویر کشی ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ کی ایک غزل کے چند اشعار دیکھیے:

دلبر دے وچھوڑے اندر جے رہیا میں زندا
ایس گناہوں آخر توڑی سدا رہاں شرمندا
اک واریں دیدار نہ ڈٹھا لیئے پیار نہ مونہوں
توڑے طلب اوسے دی اندر ہو چکا بے جندا
گھر تیرے کئی نوکر چاکر در تیرے سے کُتے
نفراں دا میں گولا سجناں کُتیاں دا پھر بندا
دردفراق تیرے دی لذت جس دن دی میں چکھی
خوشیاں کردی ویکھ لوکائی من وچ آوے خندا
زیور زیب پوشاکی توڑے ناہیں بادشہانے
گودڑیاں سروپا اسانوں ایہو لباس پسندا
چاہ میری پئی چاہ محمد گل میری گل گئی آ
من لئے میں بول سجن دے جے لکھ آکھے مندا (4)

حوالہ جات:

1- ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد، حضرت نوشہ گنج بخش (احوال و آثار) ص 478, 479
2- میاں محمد بخش، سیف الملوک، غلام حسین اینڈ سنز، لاہور، ص 122
3- آل احمد سرور، ادب اور نظریہ، لکھنؤ 1954ء، ص 11
4- میاں محمد بخش، سیف الملوک، نظامت اوقاف آزاد کشمیر، ص 280

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کی منظر نگاری

اشعار میں کوئی منظر پیش کرنا یا منظر نگاری کرنا کوئی آسان اور سہل کام نہیں ہے۔ اس فن سے صحیح معنوں میں وہی شخص کام لے سکتا ہے جو قادر الکلام شاعر ہو اور جس کو زبان و بیان پر عبور حاصل ہو۔ جو الفاظ کے عمیق معانی، اُن کی حرمت اور اشعار میں استعمال کی فنی باریکیوں سے خوب شناسا۔ وہ لفظوں میں تصویر کشی کے فن سے بخوبی واقف اور تصویر میں رنگ بھرنا جانتا ہو۔

تصویر اور کیمرے کی فوٹو میں بیّن فرق یہ ہے کہ کیمرہ اُس منظر کی ہُو بہُو فوٹو کھینچ لیتا ہے جو اُسکی آنکھ کے سامنے آجاتا ہے۔ بے شک اُس منظر میں خوبصورت پھولوں کے ساتھ بے ڈھب کیاریاں، سوکھے پتوں کے انبار، خود رو جھاڑیاں اور درختوں کی بے ہنگم شاخیں ہی کیوں نہ ہوں۔ یوں کیمرہ منظر کی ہر شے کی فوٹو اُتار لیتا ہے۔ وہ خوش شکل، بدشکل، ترتیب، بے ترتیب اور تنظیم غیر تنظیم میں فرق روا نہیں رکھتا۔ لیکن مصوّر کی تصویر کشی کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ایک مصوّر جب کسی منظر کی تصویر بناتا ہے تو وہ سب سے پہلے اُن چیزوں پر غور و فکر کرتا ہے جو اُس منظر کو دلکش اور جاذب نظر بنانے میں ممد و معاون ہوتی ہیں۔ جن کے وجود سے منظر خوبصورت بنتا اور دل کے دامن کو کھینچتا ہے۔ لہٰذا وہ تصویر کشی کرتے ہوئے اُن چیزوں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اور زیادہ نمایاں کرتا ہے جو منظر کی جان ہوتی ہیں۔ جو چیزیں اُس منظر میں بدصورتی پیدا کرتی ہیں وہ اُن سے چشم پوشی کرتا ہے۔ یوں مصور منظر کی بجائے منظر کی روح کی تصویر بناتا ہے اور اُن جزئیات کو ترجیح دیتا ہے جو منظر کی مجموعی خوبصورتی کو نمایاں کرتی ہیں۔

بالکل اسی طرح شاعری میں منظر کشی کرتے ہوئے شاعر صرف اُن چیزوں پر زیادہ توجہ صرف کرتا ہے جن کے وجود سے منظر میں خوبصورتی اور کشش پیدا ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جو چیزیں منظر میں بدصورتی پیدا کرتی ہیں اُن سے چشم پوشی اختیار کرتا ہے۔ یوں وہ منظر

Marfat.com

کی روح کی تصویر بناتا ہے اور اُن جزئیات کو ترجیح دیتا ہے جو منظر کی مجموعی خوبصورتی کو نمایاں کرتی ہیں۔ یوں کیمرے کی آنکھ سے بننے والی تصویر سے شاعر کے قلم سے وجود پانے والی تصویر زیادہ پرکشش اور دلچسپ نظر آتی ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ شاعری میں منظر کشی کے اس فن سے بخوبی واقف تھے۔ وہ جنگل، دشت، صحرا، پہاڑ، سمندر، دریا، گلستان، خارستان، کھیت، کھلیان، جزیرے، محلات، واقعات، حالات، گلیوں اور عمارات کا نقشہ مناسب اور موزوں الفاظ میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری کی نگاہوں کے سامنے اُسکی مکمل تصویر آ جاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس منظر کا ایک حصہ سمجھنے لگتا ہے۔ مثلاً قصہ سیف الملوک میں صبح کا منظر دیکھیے۔ جس میں بادِ نسیم کے چُھو جانے سے کلیاں کِھل کر پھول بن جاتی ہیں۔ مرغ اذانیں دے کر صبح کے طلوع ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ نشہ میں ڈوبی ہوئی بادِ صبا اپنی خنکی کے باعث جوانوں کی نیند کو مزید گہرا کر دیتی ہے۔ مسافر اپنی گٹھڑی اُٹھا کر راستہ ناپتے ہیں۔ قافلے والے بانگ جرس سے عزم سفر باندھتے ہیں۔ زاہد، صوفی اور نمازی اٹھ کر مسجد کا رُخ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہر ذی روح تسبیح و تہلیل میں مگن ہو جاتا ہے:

دھمی صبح ہویا خوش ویلا جھلی واؤ صبا دی
نیندر مست جواناں لذت پیراں ذکر دعا دی
باغیں پنکھی محلیں ککڑ کردے کوکاں چانگاں
گجی نوبت بادشاہانی مسجد ملیاں بانگاں
کمراں کس پدھاں نوں اُٹھے راہ پئے کرواناں
کالی رات گئی لو لگی سوھیا جگت زماناں
زاہد صوفی پاک نمازی خوش ہو ڈاہن مصلّے
شکر عبادت پوری کر کے اسی گھراں ول چلے
اس صادق تھیں کاذب ہوندی ہور ہوندا ...
جس بچوں دل جانی وچھڑن بھٹھ پیا اوہ کہنا

حضرت میاں محمد بخشؒ کی اس منظر نگاری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وطن اور مقامیت کی خوبصورت جھلک دکھائی دیتی ہے جو اُن کی وطن سے محبت کے جذبے کی

Marfat.com

ترجمانی کرتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اُن کے خمیر میں وطن کی معمولی سے معمولی چیز سے بھی بے پناہ محبت موجود تھی۔ وطن کی مٹی کی خوشبو اُن کے رگ و پے میں رچی بسی تھی۔ قصہ سیف الملوک میں سراندیب جزیرے کے ایک باغ کا ذکر کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ وہ سراندیب کا باغ کم اور کشمیر کا باغ زیادہ نظر آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

رنگ محل چبارے دھولر بھوہرے باراں دریاں
اوس حضوری باغے اندر پر مارن نہ پریاں
سبزہ وانگ پوشاک خضر دی پاک ہویا جل نہا کے
پھُل گلاب سکندر وانگوں بیٹھے تخت سُہا کے
نرگس مست محبت کیتا شاہ پری دیاں نیناں
عرض کرے سر کڈھ شگوفہ میں بھی درشن لیناں
ہتھ کھلار چنار کھلوتے زاہد ہار کنارے
کرن دعائیں مولیٰ سائیں پری دکھا کر مارے
کیلے کھلے اکیلے جھولن شاہ پری ول پکھے
آکھن ٹھنڈے ہوکے کھاؤ چرخ پھلی دے رکھے
اُٹھ اُٹھ نمدی شاخ چلیے دی جویں گرو ول چیلہ
گُل عباسی مار اوباسی کہے نشے دا ویلہ
اُچا ہو سفیدا نازک تکدا راہ پری دا
ہار سنگار نہ گنتر جوگا ڈالی ہری بھری دا
سیو سیوادار کھلوتے ناکھاں مصری جیہیاں
تارن نذراں رُکھ چمن دے سجریاں تے بیہیاں
چائیں امب کھلوتے ڈالے انب گئے سن بھاروں
شاہ پری رس چوپے ساڈی یا خوش ہوئے چاروں
خوب خوبانی سی رنگ رتی داغ نہ رتی لگا
شاخاں لٹک زمیں پئے آئیاں مُل پری دا لگا
تربوزے خربوزے مٹھے سردے ہرے بھرے سن

Marfat.com

گلگل چوٹے کھٹے مٹھے نیبو سنگترے سن
کھلے بٹنگ بیٹنگ کنارے پک ہوئے رس والے
شاہ پری ول ڈِگ ڈِگ پیندے مت سانوں مکھ ڈالے
سچے موتی ڈل ڈل کردے گچھے بھرے انگوراں
داکھاں مل مل باکھاں جھوجن آلے دین کھجوراں

ان تمام پھلوں اور پھولوں کا تعلق وادی کشمیر سے ہے مگر منظر نگاری میں اُن کا تعلق سراندیپ جزیرے کی سرزمین سے ظاہر کیا گیا ہے۔ گویا اس منظر کے پس منظر میں حضرت میاں محمد بخشؒ کی حب الوطنی کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔

اسی طرح جب آپ شارستان کی دوشیزاؤں کا ذکر فرماتے ہیں تو پس منظر میں پوٹھوہار کے علاقے کی نہایت حسین وجمیل لڑکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اُن کی عادات واطوار اُن کے لباس، شکل وصورت، نازو انداز اور ہار سنگار سب کے سب پوٹھوہاری نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر پوٹھوہار یا کشمیر کی لڑکیاں خوشی کے موقع پر مل کر ماہنگے گاتی اور رقص کرتی ہیں۔ وہ کلائیوں میں چوڑیاں یا چوڑا، گلے میں سرخ رنگ کے کُرتے اور سروں پر سفید دوپٹے اوڑھتی ہیں۔ اُن کی شلواریں گھیرے دار کھُلی کھُلی ہوتی ہیں۔ بعض لڑکیاں پھول دار کپڑے یعنی چھینٹ کی قمیض یا کالے کُرتے پہنتی ہیں مگر اُن کے سروں پر سادی چادر ضرور ہوتی ہے۔ پریوں کے دیس شارستان میں خوشی کی ایک تقریب کا منظر ملاحظہ فرمایئے:

چمکو چمک پوشاکاں سُچیاں اک تھیں اک چڑھاوے
ہر اک بدر منیر حُسن دی نجم نسا کہاوے
کڑیاں پھرن ترنجن جُڑیاں بنیاں پہن پچریاں
ہسن کھیڈن ماہنگے پاون اُپر باراں دریاں
چمکن سالو لمکن واگاں چھنکن چُوڑے سُچے
جوڑ مروڑ کڈھن لک پتلے لٹک ٹرن قد اُچے
ساوریاں رنگ گورے سیاں کنک ونے رنگ مکے
شرم حضور کوئی کوئی کردی ہس ہس اکھ مٹکے
ہکناں دے گل سُوہے کُرتے سرتے بھوچھن بگے

Marfat.com

دھڑی سندھور لگے وچ شیشے چمک پری نوں لگے
ہکناں دے سر سبز دوپٹے سوہن رنگی انگی
گھیرے دار سُتھن چن لائی سرمائی کر رنگی
ہکناں سرخ پوشاک تمامی پیراں تھیں لگ چوٹی
باغ اندر جیوں گھاہ ہرے وچ ساون نیچ بہوٹی
ہکناں چھاپے دار پوشاکاں جوڑے نال بناتی
پب اٹھاون چال وکھاون کڈھ کڈھ چلن چھاتی
ہکناں دے سر سادی چادر گل وچ کُرتے کالے
سُتھن جٹکی سر پر مٹکی ٹُرن کبوتر چالے
مونڈھے مارن باہاں اُلارن گردن ہک مروڑن
حسن مروڑاں کرن اجوڑاں تروڑاں دے دے تروڑن
نین کٹاراں بھواں کماناں تک خنجر بے دستے
نال سیّاں دے کھوہ گیئاں دے کوٹھی ملن رستے
کنڈل دار دو زلفاں لٹکن بھتیّاں نال فلیلاں
چلن بن کے جھانجھر چھنکے منکے ہار حمیلاں
کجلے پاؤن تے مٹکاؤن لاون داغ تِلاں دے
اولھے بہہ بہہ گاؤن سولھے ڈھولے گیت دلاں دے

اگر چہ حضرت میاں صاحب کے کلام میں فطری حسن کی تعریف وتوصیف موجود ہے مگر شعری حُسن کے علاوہ اُن کا ضمنی مقصد کچھ اور بھی ہے۔ یعنی وہ کسی نظریئے یا خیال کی تائید میں ایسی منظر کشی کرتے ہیں کہ اُن کے شاہکار سیف الملوک میں منظر کشی یا تصویر کشی کسی دوسرے موضوع کی تمہید اور پس منظر کی ترجمان ہے۔ مثلاً مندرجہ بالا امثلہ میں دوشیزاؤں کی سراپا نگاری سے کسی قسم کی لذت کشی یا سفلی ذوق کی تسکین مقصود نہیں ہے بلکہ اپنے عہد کی سماجی اقدار کا تحفظ اور حالات و واقعات اور تاریخ کا محفوظ رکھنا مطلوب ہے۔

عورتوں کے جس لباس کا ذکر مذکورہ بالا اشعار میں موجود ہے۔ آج کل کشمیر یا پوٹھوہار کے علاقے میں خاص کر دیہاتوں میں خال خال نظر آتا ہے۔ جدید دور میں ٹیلی وژن

Marfat.com

اور انٹرنیٹ کی یلغار نے قدیم معاشرتی اور سماجی قدروں کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے مگر ''سیف الملوک'' میں ان کی تصویریں محفوظ ہیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے جن جن پھولوں کا ذکر فرمایا ہے اُن میں سے بہت سے اب اس جدید دور میں نایاب ہو گئے ہیں صرف تواریخ اور قصّے کہانیوں میں اُن کا ذکر ملتا ہے۔ علاوہ ازیں اشیاءِ فطرت سے حضرت میاں محمد بخشؒ کی جو دلچسپی اور وابستگی تھی اُس کا اظہار اُن سینکڑوں ہزاروں تشبیہوں اور استعاروں سے بھی ہوتا ہے جن میں کائنات کی حسین و جمیل اشیاء سے شاعر نے مشابہتیں اور مماثلتیں حاصل کی ہیں۔

میرے نزدیک حسن فطرت کے متعلق حضرت میاں محمد بخشؒ کے رجحانات کو سمجھنے کے لیے ان کے کلام کے اس حصے کا مطالعہ بے حد ضروری ہے جس میں مناظر اور مظاہر کی مرکب اور بسیط تصویریں موجود ہیں۔ جن میں جمالیاتی کشش بے حد ہے۔ مثلاً:

باغ بہار بازاراں مرویں نہر ہر وچ چوراہے
انبلتاسے پھلیاں لٹکن چور لگے جیوں پھاہے
رُت بسنت بہار پھُلا ندی نویاں شاخاں سرواں
آہلنیاں پر بستر کیتے با آرام تدرواں
زلف پری دی مُشک خُتن دی دھم گئی ہر پاسے
گُل پھل باغ بغیچے سارے مل لیے اُس باسے
وقت بہار چمن وچ رونق ہر بوٹے ہر گُل دی
نرم نسیم محبت والی خوب معطر جُھلدی
سبزہ تیز زبان تریلوں کردا دُر فشانی
نعمت کولوں ہریا بھریا کہندا حمد ربانی
ہر پاسے خوشبو پھلاں دی مغز معطر کردی
ہر میوے تھیں باس بہشتی قوت دے جگر دی

شہزادہ سیف الملوک جب دیو بہرام کا قلع قمع کر دیتا ہے تو پھر ملکہ خاتون کو لے کر اُس کے والدین کے پاس سراندیپ جزیرے کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ مگر اُس کے پاس نہ کوئی کشتی اور نہ ہی کوئی بحری جہاز ہے۔ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر ان کو گھاس پھونس کے ساتھ باندھ کر ایک ٹلا بناتا ہے جو پانی میں تیرنے لگتا ہے۔ پھر اُس پر ملکہ خاتون کو سوار کر

Marfat.com

کے ایک لمبے بانس کے ساتھ سمندر میں کھیون ہوا سفر شروع کر دیتا ہے۔ مگر بہت جلد ہی سمندر میں طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ ٹلا ڈگمگانے لگتا ہے۔ شہزادہ سمندر کی طوفانی لہروں، تند و تیز ہواؤں اور جھکڑوں سے ٹلے کو بچاتا اور ملکہ خاتون کی حفاظت کرتا ہے۔ اس سمندری طوفان کا ایک منظر دیکھیے :

لہراں اندر آیا ٹلا ول ول دھکے کھاندا
کدے پتال اندر لہہ جائے کدے گگن چڑھ جاندا
کدے پئے وچ گھسن گھیراں پھردا اندر پھیراں
پھیراں وچ گجے ایوں پانی چوٹ لگے جیوں بھیراں
چُست گھراٹ پھرے جیوں تیویں پانی ترکھا بھوندا
لہراں قہراں دے منہ ٹلا ڈوبن اُتے ہوندا
رات ہنیری ندی چوفیرے نظر نہ پون کنارے
جانی توں ہتھ دھوتے بیٹھے ایہہ مارے کہ مارے
ظالم واؤ مخالف جُھلی جھکھڑ جُلے دیندا
بدل پا غباری آیا مارو مار کریندا
لتھا رتھ اجیہا یارو کیہ گل کتھ سناواں
کِتے جہازاں لانگ نہ لگدی کانگ چڑھی دریاواں
بدل آکھے اجے ورہنا توڑے پھیر نہ وسّاں
کیتے شہر اُجاڑ بتھیرے واہیاں کوہلاں کسّاں
جھکھڑ آکھے زور تمامی لا خلق نوں دساں
ہک ہک ندی سمندر ہوئی ندیاں وانگر لسّاں
جیا جون رولے وچ آخر سپ سنسار بلائیں
کجھ رُڑھدے کجھ کھاون آون شاہزادے دے تائیں

حضرت میاں محمد صاحب کا کمال یہ ہے کہ جس منظر کی تصویر کشی کرتے ہیں اُس کے متعلق ہر چیز کا ذکر تفصیل سے کرتے ہیں اور اُس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑتے بلکہ اُسکی جزئیات کا ذکر وضاحت سے کرتے ہیں۔ پھر اُن جزئیات سے بڑے کینوس پر بڑی تصویر

Marfat.com

بناتے ہیں جو قاری کی دلچسپی اور دلکشی کا سامان پیدا کرتی ہے۔ اُسکی معلومات میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ جس بھی پیشے یا فن کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک ماہر فنکار کی طرح کرتے ہیں اور اس پیشے سے متعلق تمام اصطلاحات کو اس طرح تفصیل سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے تبحّر علمی پر حیرت ہوتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اُس پیشے کا ماہر شخص بھی اُن تمام اصطلاحات اور اُن کی تفصیل سے پوری طرح واقف نہ ہو۔

جس طرح آپ نے مذکورہ بالا مثال میں سمندری طوفان، آندھی، بارش، اندھیری رات، سانپ، سنسار، مگرمچھ، جھکھڑ، بادل، گردوغبار اور کشتی رانی سے متعلق مختلف اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔ یہ آپ کی وسیع معلومات اور تخیل کی پرواز پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ آپ ایک ایسے پہاڑی علاقے کے رہنے والے تھے جہاں سے سمندر سینکڑوں میل دور ہے اور آپ نے زندگی میں کبھی سمندر، کشتی، بحری جہاز، ناؤ اور ٹلا نہ دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی سمندری طوفان کا مشاہدہ کیا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے اپنے تخیل و افکار کی بنا پر سمندری طوفان کا ایسا بھرپور نقشہ کھینچا ہے کہ شاید کوئی بحری جہاز کا کپتان بھی اس طرح بیان نہ کر سکے:

ہک دن کرنا رب دا ہویا اُٹھی سخت ہنیری
دھند غبار سنسار چھپایا لگی جھڑی گھنیری
کڑکے بدلی دھڑکے پھرنا بجلی دے چمکارے
دور جہازاں کھڑ کھڑ مارے جھکھڑ دے اولارے
نوح والا طوفان از غیبوں غرق کرن نوں آیا
شاہ سپاہ تمام پکارن رکھیں بار خدایا
بدل قہر نزول مچایا لہر سمندر آئی
ماگرمچھ سنسار بلائیں رڑھدے دین دوہائی
صاف کیتے کوہ قاف ہنیری برفاں وانگر جھڑدے
چڑھدے دے کھڑ لہندے مارے لہندے دے کھڑ چڑھدے
فوجاں وانگن نویاں ہاٹھاں آون کر کر ہلّے
زوروں زور سوایا بدّل جھکھڑ گھڑی نہ ٹھلے

جس طرح حضرت میاں صاحب کی بزمیہ شاعری نہایت عمدہ، اعلیٰ اور نفیس ہے۔

Marfat.com

اسی طرح ان کی رزمیہ شاعری بھی قابلِ تحسین ہے۔ قصہ سیف الملوک میں جہاں جہاں بھی لڑائی یا جنگ کا ذکر آیا ہے آپ نے نہایت ہی عمدہ، موزوں اور مناسب الفاظ میں جنگ کا یوں نقشہ کھینچا ہے کہ اُس میں سے تلواروں کی چمکار، گھوڑوں کی ہنکار، جوانوں کی للکار، دشمنوں کی پکار، تیروں کی بوچھاڑ، تازہ خون کی مہکار، طاقت کا نشہ اور خمار، زخمیوں اور لاشوں کے انبار، گھوڑے خچر بے شمار، گھوڑوں کے بھاگنے سے دھند وغبار اور اس پر حضرت میاں صاحب کے پر جوش اشعار ایک منظر نگاہوں کے سامنے باندھ دیتے ہیں:

زمین زمن وچ پیا ٹکارا ترکاں دی ہنکاروں
سی مرغاں تن تران ٹُرٹا لشکر دی للکاروں
پایا زور رکاباں اُتے آسن مل سواراں
نیزہ باز قواعد کردے ازماون ہتھیاراں
دُھوڑ دُھوڑ ہوئے مونہہ متھے گرد چڑھی سر خوداں
پنداں ہو گئے اس جگ وچ طبق آہے جو چوداں
قہر غضب دے نعرے سُن سُن پھٹ پھٹ پئے کلیجے
ہتھیاراں دی تابش کولوں بل اُٹھے ہڈ بھیجے
گل گھوٹو دی موت دیاں نوں پائی آن کمنداں
نیزے سنجے لادن بیرے تیغاں کٹن بنداں
لوتھاں وچ زمین زمینوں جاناں وچ ہوائی
خاک لہو دا گارا بنیا پیر نہ دھریا جائی
مارو مار اسمانوں آئی کہہ کیہ دوش شہانوں
پیا ہنیرا تے روشنائی نٹھی دُور جہانوں
اتنے خون زمیں پر ہوئے باہر انت شماروں
گندھک سرخ ہوئی اوہ دھرتی تتی تیز انگاروں
چمکو چمک وجن تلواراں نویاں سان چڑھائیاں
رتی رحم نہ زخم کرن تھیں زہروں پان چڑھائیاں
گوشے جوڑ کمان کمینوں مارے تیر خدنگاں

Marfat.com

لیندے خبر زمان زمینوں بجُھن مثل نہنگاں
باشک ناگ کمنداں والے کنڈل کھولن مارن
لشکر دے گنج لُٹن کارن آرن مونہہ کھلارن
وجن تیز شپاشپ تیغاں تیر نہ دیون واری
دوئے ہاٹھاں گھل مِل آیاں لتھا مینہہ ہتھیاری
نیزے سَل سَل ٹانکے لاون سیخاں سلّن سانگاں
مردے ہاڑ لگے وچ رن دے لہو چڑھائیاں کانگاں
چھم چھم وسّن تیر خدنگی جیوں رتھ پھاگن والے
چھِک کماناں پئے جواناں ہتھیں پُر پُر چھالے

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ اور مسئلہ جبر و قدر

جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے اور انسان کو زیورِ شعور سے خداوند کریم نے آراستہ و پیراستہ کیا ہے اُس دن سے انسانی افکار کا مرکز کائنات اور ماورائے کائنات رہا ہے۔ انسانی فکر نے اس کائنات کے بے شمار سربستہ رازوں سے پردہ اُٹھایا ہے اور ان گنت خفیہ خزانوں اور دفینوں کا پتہ چلایا ہے۔ پھر اُسے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے صرف بھی کیا ہے۔ یہ انسانی سوچ اور فکر ہی کا کمال ہے کہ انسان درختوں کی شاخوں سے اُتر کر، غاروں سے باہر نکل کر بستیاں آباد کر چکا ہے اور آرام و آسائش کی ہمہ اقسام کی سہولتوں سے مستفید ہو رہا ہے۔ اس فکر و شعور کی بدولت اُس نے اپنے خیالات اور جذبات کے اظہار کے لیے زبان ایجاد کی اور حیوان سے حیوان ناطق بن گیا۔ پھر اس زبان میں روح اور دل کی تسکین کے لیے ادب تخلیق کیا اور دنیا کو خوب سے خوب تر بنا دیا۔

ارباب مذہب اور فلسفہ دانوں نے ہر زمانے میں تمام مسائل کے ساتھ ساتھ مسئلہ جبر و قدر پر بھی غور و خوض کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ہم اخروی زندگی پر ایمان رکھتے ہیں اور دنیاوی زندگی میں کیے گئے اعمال کی اُخروی زندگی میں جزا اور سزا کے قائل ہیں تو ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ سب سے پہلے یہ فیصلہ کریں کہ آیا ہم اپنے اعمال میں آزاد و خود مختار ہیں یا کوئی مشیتِ اعلیٰ ہے جس نے پہلے ہی سے ہمارے لیے سب کچھ مقرر کر رکھا ہے اور اُسے ہمارا مقدر بنا دیا ہے اور اسی وجہ سے ہم سے مجبوراً ایسے ہی اعمال سرزدہ ہو رہے ہیں جو روزِ اوّل سے ہمارے مقدر میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جزا اور سزا کا سوال اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم اپنے اعمال میں خود مختار ہوں اور اپنی مرضی سے خیر اور شر کو منتخب کر سکیں۔ اگر ہم اپنے اعمال اور افعال کے ذمہ دار نہیں اور جبراً وہ ہم سے کروائے جا رہے ہیں تو پھر وہ ہستی ان اعمال و افعال کے انجام کی ذمہ دار ہے جو ہم سے یہ سب کچھ کروا رہی ہے۔ میر تقی میر نے کہا تھا:

Marfat.com

ناحق ہم مجبوروں پہ تہمت ہے مختاری کی
جو چاہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا

اگر انسان کو اپنے اعمال و افعال پر اختیار حاصل ہوتا تو وہ اچھائی اور برائی، خیر و شر میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیتا۔ پھر اس کا انجام خود ہی بھگتتا، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ انسان جو چاہتا ہے وہ کر نہیں سکتا اور جو کرتا ہے اس میں اس کی مرضی شامل نہیں ہوتی۔ اسی طرح فارسی زبان کے شاعر نے کہا ہے:

جہاں از خود بیروں آوردہ کیست؟
جہانش جلوۂ بے پردہ کیست؟
مرا گوئی کہ از شیطان حذر کن
بگو بامن کہ او پروردۂ کیست؟

ترجمہ: (اس جہان کو کس نے پیدا کر کے ظاہر کیا ہے اور اس جہان میں کس کے جلوے ظاہر ہو رہے ہیں۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تو شیطان سے پرہیز کر۔ مجھے یہ بات تو بتاؤ کہ شیطان کو پیدا کس نے کیا ہے؟)

اگر انسان کو نیکو کار ہی بنانا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ بُرائی (شیطان) کو پیدا ہی نہ کرتا۔ انسان خود بخود نیک، عبادت گزار اور پرہیز گار بن جاتا۔ یہ بے حد طویل بحث ہے جو ہزاروں برسوں سے شاعروں، فلسفیوں اور علماء کرام کے درمیان زیر بحث رہی ہے مگر کسی تسلی بخش جواب سے ہنوز محروم ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو تقدیر کا روایتی تصور اسی عقیدہ پر اُستوار ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ وہی قادر مطلق ہے۔ اس کے ایما سے ہر کام انجام پاتا ہے۔ یہاں تک کہ پتّا بھی ہلتا نہیں بے مرضی مولا۔ اس لیے انسان سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں وہ سب کے سب قادرِ مطلق کی منشا کے مطابق وجود پاتے ہیں اور یہی تقدیر ہے۔ اس لیے انسان کی کوشش اور جدو جہد لاحاصل ہے۔ جو ہوتا ہے وہ پہلے سے طے شدہ ہے اور تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ قرآن پاک کے ارشادات ملاحظہ کریں:

☆ ''اللہ جسے چاہے ہدایت فرما دے، اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہی کے اندھیروں میں دھکیل دے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔''

☆ ''تو ہی عزت عطا فرمانے والا ہے تو ہی ذلت دینے والا ہے۔ سب کچھ تیرے

Marfat.com

ہاتھ میں ہے"۔

☆ "بے شک اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔"

☆ "سوائے اللہ کے اور کسی کے پاس اختیار نہیں۔"

ان آیاتِ مقدسہ سے یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس مختارِ کل ہے۔ اُسے ہی ہر قسم کا اختیار حاصل ہے۔ انسان اُسکی تخلیق ہے۔ وہ صرف وہی کچھ کرنے پر مجبور ہے جو خالق و مالک نے اس کے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ یوں انسان کے اعمال و افعال میں اس کی اپنی کوئی مرضی شامل نہیں ہے۔ تقدیر کے اس عقیدہ کو "جبر" کا نام دیا گیا ہے۔

امام ابوبکر بن ابواسحٰق اپنی کتاب "تصرف" میں رقمطراز ہیں:

"اجبار کے معنی یہ ہیں کہ کرنے والا کسی ایسے کام کو نہ کرنا چاہے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور وہ کسی اور کام کو پسند کرتا ہے۔ پھر مجبور ہو کر انسان اسی کام کو جسے وہ ناپسند کرتا ہے اختیار کرے اور اپنی پسند کے کام کو چھوڑ دے"۔ (1)

یوں کام کو پسند کرنا یا نہ کرنا صرف دنیاوی معاملات تک تو ٹھیک ہے لیکن دین اور مذہب کے معاملے میں یہ بات قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے خود دین اسلام پسند فرمایا ہے۔ اور دین اسلام کے مقابل میں صرف کفر ہے۔ کوئی مومن دین اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کرنا پسند نہیں کرتا۔ قرآن مجید فرقان حمید کا ارشاد ہے:

حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ [الحجرات 7:49]

ترجمہ: (اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر فسق اور عصیان کو تمہارے لیے ناپسند کر دیا۔)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بہترین دین عطا فرمایا ہے تو پھر وہ کفر کی طرف کیوں راغب ہوتا ہے؟ حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویریؒ کے نزدیک ایمان لانے میں انسان کو پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ اس میں اکراہ اور جبر قطعاً نہیں ہے مگر ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

Marfat.com

قدر کا عقیدہ:

جبر کے نظریے کے بالکل مخالف نظریے کا نام نظریہ قدر ہے۔ اس نظریے کے مطابق انسان اپنے اعمال و افعال میں خود مختار ہے۔ اُسے آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی اور ارادے سے جو چاہے کرسکتا ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے نہ تو پہلے سے کوئی راستہ مقرر کر دیا گیا ہے اور نہ ہی اُس پر کوئی پابندی یا قدغن ہے کہ وہ فلاں کام کرسکتا ہے اور فلاں کام نہیں کرسکتا۔ صرف اُسے اتنی آگاہی دے دی گئی ہے کہ فلاں فلاں کام نیکی اور اچھائی کے ہیں جن کا انجام اچھا ہے اور فلاں کام برائی کے ہیں اور اُن کا انجام بُرا ہے۔ جنت میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو نیک کام کریں گے اور جو لوگ بُرے کاموں میں اُلجھے رہیں گے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اب انسان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ نیکی کا راستہ اپنائے یا بُرائی کی ڈگر اختیار کرے۔

قدر کا عقیدہ رکھنے والے لوگوں نے اپنے عقیدہ کو ٹھوس اور مدلل بنانے کے لیے قران مجید فرقان حمید سے دلائل حاصل کیے ہیں۔ اُن کی پہلی دلیل یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کا جوابدہ قرار دیا گیا ہے۔ اب اگر وہ مجبور محض ہے اور دنیا میں آکر وہی کچھ کرتا ہے جو پہلے سے اُس کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے تو اس کے اعمال کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہو سکتی بلکہ تقدیر پر عائد ہوتی ہے۔ اس ضمن میں دوسری دلیل یہ ہے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک بہتر نہیں بناتا جب تک انسان کو خود اپنی حالت بہتر بنانے کا احساس نہ ہو۔ ان دلائل کی روشنی میں لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس نے قدریہ عقیدے کو اپنالیا۔

امام غزالی اس سلسلے میں نہایت وقیع رائے رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انسان کی خود ارادیت اور مجبوری ایک دوسرے سے متضاد نہیں بلکہ دونوں بیک وقت حق ہیں۔ کیونکہ ارادہ تو اللہ تعالیٰ کا ہی ہوتا ہے لیکن کسی طور اس ارادے کا کچھ حصہ انسان کو حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کی مدد سے وہ بظاہر اپنے اعمال اور کردار میں خود مختار ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان کی یہ خود مختاری اللہ کے کامل ارادے میں کوئی نقص نہیں پیدا کرتی۔ مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے ارادہ، عمل اور فعل میں ایک خاص حد تک خود مختار ہے لیکن اُس کا یہ اختیار محدود ہے۔ اور اسی حد تک ہے جس حد تک اللہ تعالیٰ کے کامل ارادے میں اس سے کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔

Marfat.com

اس ضمن میں حضرت علیؓ کا قول بے حدوزنی اور اہمیت کا حامل ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ انسان ایک حد تک خود مختار ہے اور ایک حد تک مجبور محض ہے۔ ایک اعرابی نے آپ سے پوچھا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ انسان یا تو کُلی طور پر خود مختار ہے یا پھر کُلی طور پر مجبور ہے۔ یہ بین بین کا مسئلہ عام آدمی کے ادراک سے بالاتر ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا قران مجید فرقان حمید ہمیں یہی تعلیم دیتا ہے۔ اُس شخص نے پوچھا۔ وہ کس طرح؟

آپؓ نے فرمایا: ''تم ایک ٹانگ اُٹھاؤ اور دوسری ٹانگ پر کھڑے ہو جاؤ۔''

اس اعرابی نے ایسا ہی کیا۔ ایک ٹانگ ہوا میں معلق کر کے دوسری ٹانگ پر کھڑا ہو گیا۔ پھر آپؓ نے فرمایا: ''اب تم دونوں ٹانگیں ہوا میں اُٹھا کر کھڑے ہو جاؤ۔''

وہ اعرابی ہنسنے لگا اور کہا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ میں گر جاؤں گا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: ''بس یوں سمجھ لو کہ انسان ایک حد تک خود مختار ہے۔ یعنی ایک ٹانگ اُٹھا کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ دونوں ٹانگیں اُٹھا کر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یعنی وہ ایک حد تک مجبور ہے۔'' اس سلسلے میں امام جعفر صادق کا مشہور قول ہے۔

— "مذھباً لاقدر والا جبر ولکن امر بین الامرین"

ترجمہ: (ہمارا مذہب نہ قدر ہے اور نہ ہی جبر ہے بلکہ دونوں کے مابین ہے)

حضرت میاں محمد بخشؒ نظریہ جبر کے قائل تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انسان کی قسمت میں لکھ دیا ہے اُسے تبدیل کرنے کا انسان کو اختیار حاصل نہیں۔ آپ کا شعر ہے:

ہائے افسوس نہ دوس کسے تے لکھی قلم ربانی
سجناں باجھ محمد بخشا زہر ہوئی زندگانی

انسان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ قسمت میں لکھے ہوئے کو مٹا سکے یا اُس میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا کر سکے۔ شعر ہے:

باب میرے وچ ایویں آہی لکھی روز ازل دی
جف القلم محمد بخشا لکھی کدی نہ ٹلدی

شاہپال کی والدہ مہر افروز سیف الملوک کو سمجھاتے ہوئے کہتی ہے:

مہر افروز عذر کریندی سیف ملوکے اگے
اے بیٹا کد مِٹدی جیہڑی قلم دُھراؤں وگے

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کے نزدیک نظریہ جبر کا یہ مطلب نہیں کہ انسان سب کچھ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر آپ خود ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے اور یہ دلیل پیش کرے کہ جو کچھ کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے ہی کرنا ہے میرے تو اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت میاں صاحب جبر کے بارے میں اس خام خیالی کی سخت نفی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عمل کرنا انسان کا فرض ہے۔ اس عمل کو قبول کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ آپ کا شعر ہے:

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھُل لانا لاوے یا نہ لاوے

انسان کو نیک عمل کرنے میں کبھی غفلت یا سُستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ مستعدی سے عمل میں مگن ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ نیک اعمال ہی اُس کے لیے توشہ آخرت ہے۔ جس قدر اُس کے دامن میں نیک اعمال ہوں گے اُسی قدر جنت الفردوس میں اس کے درجات بلند ہوں گے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

ڈھل نہ کر اک روز دی لگ پو اجے کام
ایہو کم محمدا ایہو غرض تمام

صوفیا کرام اور علماعظام نے جبر کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

1۔ جبر مذموم 2۔ جبر محمود

جبر مذموم یہ ہے کہ انسان کا کسی بھی قوی یا ضعیف اختیار پر بھروسہ نہ کرنا ہے۔ علماء کی اکثریت نے قران حکیم اور سُنت رسول اللہؐ کے حوالے سے اس نظریے کو باطل قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس نظریے کا قائل شخص نیک اعمال سے خالی دامن، گناہوں میں دلیر اور شہوات میں بیباک ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کے مد مقابل جبر محمود صوفیا میں مقبول اور دل پسند رہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جبر محمود کا منشا مشاہدہ اختیار خداوندی ہے۔ یعنی ایک صوفی حق جل واعلیٰ کے تصرفات و اختیارات عالم میں جاری وساری دیکھ رہا ہے۔ اس لیے باوجود اس اعتقاد کے ہم کو بھی واقع میں کچھ اختیار دیا گیا ہے۔ اس اختیار خداوندی کے رو برو اپنے اس اختیار ضعیف کو محض معدوم تو نہیں کالعدم سمجھتا ہے۔ یہ جبر محمود ہے۔

برصغیر کے بیشتر صوفیا کرام جبر محمود کے قائل تھے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ بھی جبر محمود کو مانتے تھے۔ آپ کا نظریہ تھا کہ انسان کو اعمال و افعال کے اکتساب پر اختیار حاصل ہے مگر

Marfat.com

اُسے زندگی اور موت اور تقدیر پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔آپ کا شعر ہے:

کیہڑا کم جہان دا اس تھیں جو رہے
پر ہک موت محمدا اس پر ڈاھڈی ہے

جبر مذموم کا نظریہ رکھنے والے لوگ انسان کے بُرے افعال کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اللہ کی مرضی کے بغیر اس کائنات میں ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا تو انسان کو کیا اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ایک قدم بھی اُٹھا سکے۔لیکن حضرت میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں کہ نیک اور بد اعمال کا انسان خود ذمہ دار ہے۔اللہ تعالیٰ صرف افعال کا خالق ہے مگر انسان اُن کو کسب کرتا ہے اور عمل کرتا ہے۔آپ کا شعر ہے:

کم نہیں ایہہ انبر دا سر اُس دے بد نائیں
سبھ کم کردے مرد اللہ دے حکم کریندا سائیں

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے جو کچھ انسان کی قسمت میں لکھ دیا ہے وہی ہو کر رہے گا۔اسی بنا پر انسان زندگی میں وہی راستہ اختیار کر لیتا ہے جو اس کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے۔حضرت میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

بردے کیتوس بادشاہ دتے تخت چھڈا
مرزا کون محمدا کئی گئے مُہا
سسّی دھی سلطان دی جمدی نیر رُڑھی
پنّوں دھوتے کپڑے لکھی قلم وڑھی
ہوئی زلیخا کملی چکھ پریم پُڑی
رانجھا چاک محمدا لکھی کدوں مُڑی(2)

اس ضمن میں عبدالسلام ندوی اپنی کتاب ''اقبال کامل'' میں لکھتے ہیں:

''سلسلہ کائنات میں ایک ذرے سے لے کر آفتاب و ماہتاب تک ایک خاص قانون کے پابند ہیں اور اس محدود دائرے سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے۔لیکن اس کے مقابلہ میں انسان کی قدرت، اختیار اور ایجاد و اختراع کی کوئی حد ہی نہیں۔آفتاب و ماہتاب، زمین و آسمان، کوہ و دریا، شجر و حجر، حیوانات و نباتات اور معدنیات سب خدا

Marfat.com

کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور ان کی تخلیق میں انسان بالکل عاجز ہے۔ وہ ایک ذرے کو بھی پیدا نہیں کرسکتا۔ اس لیے اس کو مختار، قادر اور آزاد نہیں کہہ سکتے۔ لیکن مادیت وجسمانیت کا ذرہ ذرہ غیر منظم حالت میں بکھرا پڑا ہے۔ ہر جگہ انتشار، بے ترتیبی اور نشیب وفراز ہے اور ان مادیات وجسمانیات میں خود ترتیب وتنظیم کی قدرت نہیں۔ یہ صرف انسان ہے جو ان میں ترتیب وتنظیم پیدا کرتا ہے۔ اس لیے عالم مادی اور عالم جسمانی اپنی ترتیب وتنظیم کے لیے انسان کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں۔ اب ان کی حیثیت ایک طفل شیر خوار کی ہو جاتی ہے اور انسان اس کی پرورش کر کے اس کو ایک حسین وجمیل اور جوان بنا دیتا ہے اور اسی تربیت وپرداخت کی بنا پر وہ خدا کے سامنے دعوی کرتا ہے:

تو شب آفریدی چراغ آفریدم — سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی — خیابان وگلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم — من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

ترجمہ: (اے اللہ تعالیٰ تو نے رات پیدا کی، میں نے چراغ پیدا کر دیا۔ تو نے مٹی پیدا کی، میں نے اس مٹی سے پیالہ بنا دیا۔ تو نے اپنی قدرت سے ویرانے، پہاڑ اور چراگاہیں پیدا کیں میں نے اُن کو گلستانوں، باغوں اور گلزاروں میں بدل دیا۔ میں وہ ہوں جس نے پتھر کو چمکا کر آئینہ بنا دیا۔ اور سانپ کے زہر سے پینے کی چیز یعنی تریاق تیار کر دیا۔)

ان مباحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ انسان ایک حد تک مختار اور ایک حد تک مجبور ہے۔ حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں۔

حکم تیرے دن لکھ نہ ہل دا جو چاہیں سو ہوندا
جس نوں آپ دلیری بخشیں اوہ میدان کھلوندا

1- امام ابوبکر بن ابو اسحٰق، تصرف، اردو ترجمہ: پیر محمد حسن، ص 71
2- میاں محمد بخش، قصہ سوہنی مہینوال، ص 47

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کا جذبۂ وطنیت

حضرت میاں محمد بخشؒ کی ولادت کھڑی شریف کے چک ٹھاکرہ میں 1830ء کو ہوئی۔ کھڑی شریف اُس محدود قطعہ زمین کا نام ہے جہاں حضرت پیرا شاہ قلندرؒ، حضرت میاں دین محمدؒ، حضرت میاں شمس الدینؒ، حضرت میاں بہاول بخشؒ، حضرت میاں محمد بخشؒ اور دیگر صوفیا کرام و اہل اللہ کے مزارات ہیں۔ یہ قطعہ بے حد زرخیز، سرسبز و شاداب، پُرسکون روحانی فضاء سے معمور ہے۔ یہاں گھنے سبز درخت، پھلدار اور پھولدار پودے، گھنی چھاؤں والے چھتنار درخت اور ان کی شاخوں پر رنگ برنگے چہکتے پرندے ارضیٔ جنت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ نے اسے ساوی جھنگی کا نام دیا ہے:

ساوی جھنگی جوبن رنگی جلوہ حسن کمالوں
شاخاں مستاں سر لٹکائے دم دم جھولن حالوں
طوطے میناں خُمرے بولن کوئل مور لٹورے
دھن پیرا دھن پیرا جس نے رزق اساڈے ٹورے (1)

حضرت میاں صاحب کو اس ساوی جھنگی سے بے حد پیار تھا۔ بچپن اور جوانی کے زمانے میں اُن کا زیادہ وقت یہیں گزرتا تھا۔ بعدازاں جب فقیری اور درویشی چولا پہن لیا تو ہمیشہ کے لیے یہاں مٹی کے بنے ہوئے حجرے میں رہائش اختیار کرلی۔ ہر وقت عبادت، ریاضت اور شعر و شاعری میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کھڑی شریف کا تعارف اپنی تخلیق قصہ شیریں فرہاد میں ان الفاظ میں کراتے ہیں:

کھڑی اندر چک ٹھاکرہ پنڈ وڈا سردار
جس وچ وسے محمد پیرا شاہ سچیار
کنڈے کول پہاڑ دے پین دریا کنار
کھڑی رنگیلا ملک ہے دوہاندے وچکار(2)

Marfat.com

امپیریل گزٹیئر آف انڈیا میں میر پور کے متعلق درج ہے:

Mir Pur Town in Birnber District Jummu Province Kashamir Situated in 33.11N and 73.49E at an elevation of 1236 feet above Sea level, It lies 22 miles north of British Contonment of jehlem.

اُس زمانے میں میر پور ضلع بھمبر کا ایک قصبہ تھا۔ آجکل میر پور ایک ضلع ہے۔ جہاں بے حد بارونق بازار، بلند و بالا پلازے، پُر آسائش کوٹھیاں، نفیس ہوٹل اور سرسبز باغات، دریائے جہلم اور منگلا جھیل ہے۔ میر پور کے پہاڑ سے جنوب کی جانب اگر ڈھلوان سڑک سے نیچے اُتریں تو دور تک ایک خوبصورت اور سرسبز وادی دکھائی دیتی ہے۔ یہ وادی جہلم سے لے کر میر پور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی چوڑائی دو میل اور لمبائی پندرہ میل ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے 84 گاؤں آباد ہیں۔ زمین بہت زرخیز ہے لوگوں کا پیشہ کاشت کاری ہے۔ یہاں کے لوگوں کی اکثریت لندن، بریڈفورڈ اور مانچسٹر میں آباد ہے۔ منگلا ڈیم کی وجہ سے یہاں پانی عام دستیاب ہے۔ پوٹھوہاری بولی میں کھاڑی اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں گڑھے اور ٹیلے ہوتے ہیں۔ زمین کہیں اونچی اور کہیں نیچی ہوتی ہے۔ چنانچہ جہلم سے لے کر میر پور تک یہ ساری وادی اونچے نیچے ٹیلوں اور گڑھوں سے بھری پڑی ہے۔ اسی وجہ سے اس وادی کا نام کھاڑی یا کھاڑیاں مشہور ہے۔ بعدازاں انگریزوں نے اپنی آسانی کے لیے کھاڑیاں کو کھاریاں بنالیا مگر اس وادی کا نام کھاڑی سے کھڑی بن گیا۔ حضرت میاں صاحب نے اُسے کھڑی ملک کہنا شروع کر دیا۔ اس لیے فرمایا:

جہلم گھاٹوں پربت پاسے میر پورے تھیں دکھن
کھڑی ملک وچ لوڑن جیہڑے طلب بندے دی رکھن

ترجمہ: جولوگ مجھ سے ملنے کے آرزومند ہیں وہ کھڑی ملک میں مجھ سے مل سکتے ہیں اور یہ ملک دریائے جہلم کے گھاٹ سے پہاڑ کی جانب ہے اور میر پور شہر سے جنوب کی طرف آباد ہے۔

اس طرح آپ نے اپنی مثنوی نیرنگ عشق میں اپنا ٹھکانہ کھڑی ملک ہی بتایا ہے۔ شعر ہے:

جے شاعر دا پچھے کوئی جائے بسرام
ملک ہے پاس جہلم دے کھڑی نام

Marfat.com

یہ مقام حضرت میاں محمد بخشؒ کی جنم بھومی ہے اور جنم بھومی سے کس کو پیار نہیں ہوتا۔ یہ پیار انسانوں کے علاوہ جانوروں اور پرندوں میں بھی ہوتا ہے جسے عام اصطلاح میں جذبہ وطنیت یا حُب الوطنی کا نام دیا جاتا ہے۔ حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کو بھی اپنے اس وطن سے بے حد محبت اور پیار تھا۔ انہوں نے اس پیار و محبت کو اپنے شاہکار قصہ سیف الملوک میں کئی ایک مقامات پر مختلف انداز اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے ظاہر کیا ہے۔

قصہ سیف الملوک میں شہزادہ سیف الملوک پری بدیع الجمال کی تلاش میں طویل سفر اختیار کرتا ہے۔ اُس کا والد مصر کا بادشاہ عاصم بن صفوان اُسے سمجھاتا ہے کہ پردیس کے پھولوں سے وطن کے کانٹے اچھے ہوتے ہیں۔ پردیس کی دولت سے وطن کی غربت، پردیس کی شاباش سے وطن کی جھڑکیں اور خواری بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔ پردیس کے لذیذ حلوے سے وطن کی دھرتی میں پیدا ہونے والا سرسوں کا ساگ زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وطن میں کُتے بن کر رہنا بھی پردیس کی بادشاہت سے بہتر ہوتا ہے:

توڑے کُتے بن کے رہیئے وچ وطن دیاں گلیاں
در در جھڑکاں سہیئے تاں بھی پھر پردیسوں بھلیاں
جے توں سٹ گیوں پردیسیں مرساں تیرے ہاوے
جے رب خیریں پھیر لیاندوں ایہہ افسوس نہ جاوے

اگر پردیس سے واپسی پر تم سے دوبارہ ملاقات ہوجاتی ہے تو پھر بھی تمہارے پردیس جانے کے غم کا داغ دل کے دامن سے نہیں دُھلے گا۔ کیونکہ وطن کو چھوڑنا ہی سب سے بڑی حماقت ہے۔ اس بات کا احساس حضرت میاں صاحب کو اُس وقت ہوا جب آپ کھڑی شریف سے دُور کشمیر کے سفر پر پیدل چلے گئے تھے۔ وہاں اپنے وطن کھڑی شریف کو بہت یاد کرتے تھے۔ وطن سے دُوری کے اس احساس کو آپ نے سیف الملوک کی والدہ کی زبان سے یوں بیان کیا ہے کہ وہ اپنے لاڈلے بیٹے کو وطن چھوڑ کر جانے سے منع کرتی ہے۔ اس وقت والدہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش رواں دواں ہے۔ مثال دیکھیں:

ایہہ کیہ عشق لگا تدھ اُلٹا چلیوں چھوڑ وطن نوں
ایویں مورت دے جھلکاروں لائیوئی روگ بدن نوں

Marfat.com

موج جوانی مان گھراں وچ رہو وطن دا راجا
یا پھر موت سرے تے دسدی کر اُس دا کجھ ساجا

جب سیف الملوک شہزادہ اپنے پختہ عزم کا اظہار کرتا ہے تو کہتا ہے کہ اس کا ہر صورت میں شارستان جانا بے حد ضروری ہے ورنہ وہ مرجائے گا۔ اے میری ماں اگر میں تمہاری آنکھوں کے سامنے مر جاؤں تو تم مجھے دفنا کر پُر سکون ہو جاؤ گی اور اگر سفر پر چلا جاؤں تو تمہیں میرے واپس آنے کی امید ضرور رہے گی۔ سیف الملوک کے ان دلائل سے ماں راضی ہو جاتی ہے اور اُسے سفر پر روانہ کرتے ہوئے ایسے الفاظ میں الوداع کہتی ہے جن سے وطن کی محبت کا جذبہ جھلکتا ہے:

الوداع پردیسیں چلّیوں ہے میرے فرزندا
خبر نہیں ہُن کیہ کجھ ہوسی موت زراعت بندا

شہزادہ سیف الملوک کے لوں لوں میں وطن کی محبت خون کی مانند سرایت کیے ہوئے ہے۔ وہ اپنے والدین، اپنے ملک، اپنے دوستوں، سلطنت اور درباریوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور کسی طور پر اپنے وطن، اپنی جنم بھومی سے جُدا ہونا نہیں چاہتا مگر بدیع الجمال پری کے عشق میں مبتلا اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہے۔ وہ اپنی والدہ کو دلاسہ دینے کے لیے نہایت دلائل سے بات کرتا ہے:

دانہ پانی ایس وطن تھیں سہلھ گیا ہُن میرا
جس جس پاسے لکھیا ہوسی پیا کراسی پھیرا
ایہہ گل آکھ شہزادہ رو کے سر بھرنے ہو جھڑدا
چُم زمین سٹے سر سجدے پیر ماؤں دے پھڑدا

قصہ میں ہر کردار کا خالق شاعر خود ہوتا ہے۔ شاعر اپنی فکر و سوچ، جذبات و احساسات، نظریات و عقائد وغیرہ اپنے تخلیق کیے ہوئے کردار کی زبان سے کہلواتا ہے یعنی ہر کردار کے پیچھے اُس قصے کا مصنف بول رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب شہزادہ سیف الملوک کوئی بات کرتا ہے یا کسی خیال یا جذبے کا اظہار کرتا ہے تو اُسکے پیچھے شاعر بول رہا ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ اپنے وطن سے اپنی محبت کا اظہار شہزادہ سیف الملوک کی زبان سے کرتے ہیں۔ حضرت میاں صاحب نے وطن کی محبت میں پیدا ہونے والی حسیات کی تصویر کشی کر کے اپنی

Marfat.com

حُب الوطنی کا اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر جب وہ وطن کے باغات، بہاروں، اور گلزاروں کا ذکر کرتے ہیں یا وطن کے چہچہاتے پرندوں، مہکتے پھولوں اور رس بھرے پھلوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو حقیقت میں وہ وطن سے اپنی محبت کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں:

پت ہرے پھل چٹے چنبا ہس ہس دھرتی لیٹے
پچھلا داغ غماں دا لالہ دے دے ورق لپیٹے
گلواسی آواسی مارے سرخ دہان کھلارے
آیا وقت نشے دا نیڑے ہوئی تم خمارے
ست برگے پھل پیلے کڈھے مل مل رکھے پاساں
عجب بسنت بنا کھلوتا گنت آیا تاں لاساں
ہسدی دندیں شکر گزارے نازک سنگھ داوَدی
نرگس سُن مستانہ ہویا آمد دی خشنودی

اسی طرح اپنے وطن کے پرندوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت میاں محمد بخشؒ بے حد فخر محسوس کرتے ہیں۔ اُن پرندوں کی خاصیت، شکل و شباہت اور آواز وغیرہ کے بیان میں بھی وطنی تفاخر بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔ جیسے:

شوقوں طوق پیا گل قمری کوکو کوکے بولے
کوئل تان لائی ہو اُچی کردے ناچ ممولے
بلبل طوطے سوہلے گاون حال پئے حیواناں
کھوہ دا کتا چنگی مارے بیل پھرے دیواناں

انگریزوں کے برصغیر میں آنے سے قبل میر پور اور بھمبر کا علاقہ پنجاب میں شامل تھا۔ اسی لیے حضرت میاں صاحب کی زبان پنجابی ہے اور وہ اپنے آپ کو پنجاب کا باشندہ سمجھتے تھے۔ پنجاب کی سرزمین، رسم و رواج، روایات، ہواؤں اور فضاؤں سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اس محبت کا اظہار ان کی تخلیق مثنوی نیرنگ عشق میں وضاحت سے ملتا ہے:

ڈٹھے کئیں ملک اندر جاگ تے خواب
نہ ڈٹھا مثل حسن آباد پنجاب

Marfat.com

عجب پنجاب ہر ملکوں نیاری
بہشتاں وچ ہے حوراں نوں پیاری
رسوم اُس دی کئی ملکاں تھیں اُچی
زمین اُس دی ہے گلشن تھیں بھی سچی
ہوا اس دی ہے گرمی وچ بھی دل خواہ
عجائب نیر ٹھنڈے سایہ واہ واہ

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ اپنی کتاب سیف الملوک کی اشاعت کے سلسلے میں لاہور بھی تشریف لائے تھے اور چوک جھنڈا میں مولانا عبداللہ عبدی کے گھر میں مہمان رہے تھے۔ اس دور میں لاہور کی سیر سے بھی لطف اندوز ہوئے۔ چنانچہ قصہ سوہنی مہینوال میں لاہور سے محبت کا اظہار یوں کیا ہے:

نہ کوئی خطرہ راہ دا نہ کوئی دھوکھا ہور
لنگھ بیاس محمدا پوہتا آن لاہور
ڈٹھوس تخت لاہور دا خوب بنا آئین
راوی کول سُہاوندی سوہنے باغ زمین
شہر تمامی سُندرے وچ نگور رنگین
ویکھ لاہور محمدا دِسے نگور کمین

مذکورہ اشعار کے مطالعہ سے یہ بات کھُل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت میاں محمد بخشؒ کے پاکیزہ دل میں وطن سے محبت کے جذبات کا سمندر موجزن تھا۔ وطن کی مٹی، وطن کے پھولوں، پرندوں، لوگوں، پہاڑوں، دریاؤں اور صحراؤں سے آپ کی محبت لازوال تھی۔ آپ نے اشعار کے ذریعہ اس قلبی محبت کو ایسے موثر پیرائے میں بیان فرمایا ہے کہ قارئین کے دلوں میں بھی وطن سے محبت کا جذبہ بیدار ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وطن سے محبت کا جذبہ اُس وقت بیدار ہوتا ہے جب انسان اپنے وطن سے دور ہوتا ہے۔ اُس وقت پردیس کی مشکلات اور مصائب اُسے اپنے وطن کے آرام وسکون کی یاد دلاتے ہیں۔ پردیس میں تنہائی اُسے دوستوں اور عزیز واقارب کی یاد دلاتی ہے پھر اُسے اپنے وطن کی قدر ومنزلت کا شدید احساس ہوتا ہے۔

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ کا نظریہ ہے کہ وطن سے محبت ہی انسان کی صحیح پہچان اور تشخص ہے۔[1] جو لوگ اس مقدس جذبے سے عاری ہوتے ہیں اُن کی کوئی پہچان نہیں ہوتی۔ وہ متوازن لوگ نہیں ہوتے۔ وطن سے محبت کرنے والے لوگ عزت و وقار اور اپنی پہچان کا اعزاز رکھتے ہیں۔ وطن سے محبت کرنے والے ہی وطن کی خوشحالی اور ترقی کے ضامن ہوتے ہیں۔ بعض شاعروں نے اپنے کلام میں تخلص کے ساتھ اپنے وطن کا نام استعمال کر کے نہ صرف وطن سے محبت کا اظہار کیا ہے بلکہ اپنی پہچان اور شہرت حاصل کی ہے۔ مثلاً حفیظ جالندھری، ولی دکنی، داغ دہلوی، حالی پانی پتی، اقبال لاہوری، مولانا جلال الدین رومی، فردوسی طوسی، اکبر الہ آبادی، جوش ملیح آبادی، ساحر لدھیانوی، منظور وزیر آبادی، حافظ شیرازی، قمر شرقپوری، جوگی جہلمی، مشتاق اسلام آبادی، پیر فضل گجراتی وغیرہ۔ حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں:

مینوں دن دن دُکھ زیادہ ہوروں ہور سیاپے
کتھے وطن کتھے سنگی ساتھی کتھے دُکھیئے ماپے

❁

1- میاں محمد بخش، سیف الملوک، شیخ غلام حسین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور، ص 17
2- میاں محمد بخش، قصہ شیریں فرہاد، ص 18

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخشؒ کا پسندیدہ عدد

قران مجید فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً (سورۃ الاعراف آیت 142، سپارہ 9)

ترجمہ: (اور ہم نے موسیٰ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور اُن دس شب کا تتمہ بنایا۔ سو اُن کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب ہو گیا)

اللہ تعالیٰ نے چالیس راتوں کی جو تعداد مقرر فرمائی یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور دانائی کا راز مضمر ہے۔ بزرگانِ دین اور علمائے اکابرین کا قول ہے کہ جو کام نیک نیتی سے مسلسل چالیس دن تک کیا جائے وہ شخصیت کا ایک جزو اور شخصیت کی عادتِ ثانیہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی لیے رمضان شریف کے تیس فرض روزوں کے ساتھ ساتھ شوال مکرم کے مزید دس روزوں کا تتمہ بھی بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ جن کو شامل کر کے چالیس روزے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص مسلسل چالیس روزے رکھ لیتا ہے تو پھر روزہ رکھنا اُسکی عادت بن جاتی ہے اور وہ کسی غیبی قوت کے زیر اثر بلا ارادہ سحری کے وقت خود بخود بیدار ہو جاتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور افطاری کے وقت دسترخوان بچھا کر بیٹھ جاتا ہے۔

اسی طرح سرکاری طور پر حج کا دورانیہ چالیس روز کو محیط ہے۔ جن میں سے تیس دن حاجی مکہ معظّمہ میں اور دس روز مدینہ منوّرہ میں قیام کرتا ہے اور مسجد نبوی میں چالیس نمازیں پوری کرتا ہے تب جا کر حج کے تمام مناسک پورے ہوتے ہیں۔

جب کوئی پیر و مرشد اپنے مرید کو تصوّف کی مختلف منازل میں سے گزارتا ہے تو سخت عبادت اور ریاضت کے لیے چالیس دن کا چلّہ کاٹنے کا حکم دیتا ہے۔ یوں مرید چالیس دن رات تک کسی جنگل، قبرستان، مزار یا تنہائی میں مرشد کا بتایا ہوا خاص وظیفہ پڑھتا ہے۔ تو شیطان اُسے ڈرانے اور بہکانے کے لیے مختلف روپ بہروپ بدل کر آتا ہے۔ کبھی شیر، کبھی

Marfat.com

جن، کبھی اژدھا کبھی چیتا، کبھی آندھی وطوفان، کبھی آگ کا الاؤ بن کر اُسے ڈراتا ہے۔ مُرید کی پُشت پر چونکہ مرشد کا ہاتھ ہوتا ہے، اس لیے شیطان ناکام اور مرید کامیاب رہتا ہے۔ چلّے کے بعد اس مرید میں خاص روحانی قوت پیدا ہو جاتی ہے جو تصوف کی دیگر منازل طے کرنے میں اسکی ممد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔

اس طرح جب کوئی عورت بچے کو جنم دیتی ہے تو اطبا اُسے چالیس دن تک آرام کرنے اور قوت بخش اغذیہ کھانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ یوں چالیس دنوں کے بعد اُسکی قوت بحال ہو جاتی ہے، نقاہت دور ہو جاتی ہے اور وہ روزمرہ کے معمولات میں پھر سے مگن ہو جاتی ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ چالیس دن کی احتیاط سے انسان میں نئی قوت جنم لیتی ہے، نیا جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کام کی انجام دہی میں عادت اور مہارت حاصل کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مریض علالت کے بعد رُوبصحت ہوتا ہے تو ڈاکٹر اُسے چہل قدمی کی ہدایت کرتا ہے۔ یعنی وہ علالت کے بستر سے اُٹھ کر چالیس قدم چلے۔ وہ چالیس قدم اس مریض میں جہاں طاقت اور زور پیدا کرتے ہیں وہاں اُس کے اندر حوصلہ، خود اعتمادی، دوبارہ جینے کی اُمنگ اور یقین کی دولت بھی پیدا کرتے ہیں۔ یوں مریض ایک نئی زندگی کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔

بزرگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص داڑھی رکھنے کی نیت کرے تو وہ چالیس دن تک شیونگ کے سامان کے قریب نہ پھٹکے اور چالیس روز حجام کی دکان کے سامنے سے نہ گزرے۔ چالیس دنوں کے بعد خط بنوائے اور داڑھی کے بالوں کو سنوارے تو داڑھی خوبصورت بن جائے گی۔ گویا چالیس دن کا عمل ارادے کی پختگی، ایقان کی دولت، عمل کا تسلسل، عادت ثانیہ اور مصمم عزم کی دولت عطا کرتا ہے۔ شاید اسی لیے حضرت میاں محمد بخشؒ کو چالیس کا عدد بے حد پسند ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے تینتیس برس کی عمر میں 1869ء کو سیف الملوک جیسا شاہکار تخلیق کیا تو اُس سے اپنے بیان کیے گئے موضوع، خیال اور جذبے کے لیے تائید اور تاکید حاصل کی ہے۔ مثلاً: علمائے دین فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آفات اور مصائب میں گرفتار ہو تو چالیس روز شبِ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اس کی بارگاہ میں گریہ زاری کرے، دعائیں مانگے تو اس کی آفات ٹل جائیں گی۔ تنگی سے خوشحالی حاصل ہوگی اور دلی مراد پوری ہوگی۔

Marfat.com

مصر کا بادشاہ عاصم بن صفوان جب اولاد نرینہ سے مایوس ہو جاتا ہے تو سوچتا ہے کہ یہ وسیع سلطنت، مال و دولت، سپاہ و لشکر، محلات، بھر پور خزانے، جائیداد، لعل و جواہر، بیگمات اور امراء وزراء، نوکر چاکر سب کچھ میرے کس کام کا؟ جب میں بے اولاد اس جہان سے رخصت ہو جاؤں گا تو اغیاران سب چیزوں پر قابض ہو جائیں گے۔ میری ساری محنت، جدو جہد اکارت جائیگی۔ اگر میرے ہاں کوئی بیٹا ہوتا تو وہ میرے تاج و تخت کا وارث ہوتا اب تو کچھ بھی نہیں ہے۔ بادشاہ بے حد مایوسی کی حالت میں محل کے ایک کمرے کے گوشے میں فرش نشین ہو جاتا ہے۔ کمرے کو اندر سے مقفل کر لیتا ہے اور شب و روز اللہ کی عبادت اور سخت ریاضت میں مشغول ہو جاتا ہے اور عاقبت سنوارنے کی فکر میں مگن ہو جاتا ہے۔ لیکن چالیس دنوں کے بعد وزراء اور اُمراء اُس سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتے ہیں یوں تنگی سے خوشحالی کا راستہ کھلتا ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

نہ اوہ کول کسے نوں سدّے گل کلام نہ کردا
گریہ زاری کم ہمیشہ گھڑی آرام نہ کردا
چالھی روز ہوئے اُس ایویں مولیٰ اگے روندا
عُسر دوں یُسر محمد بخشا اوڑک اک دن ہوندا

عاصم بن صفوان وسیع و عریض سلطنت کا مالک تھا۔ بہت سے ایسے علاقے اور ممالک بھی اس کی سلطنت میں شامل تھے جن پر دیگر بادشاہ حکمران تھے مگر وہ سب کے سب عاصم بن صفوان کے باجگزار تھے۔ ان بادشاہوں کے چالیس شہزادے خدمت گزاری کے لیے ہر وقت عاصم بن صفوان کے دربار میں حاضر رہتے تھے حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں:

کیتا کرم الٰہی میں تے بہتے تخت سنبھالے
چالھی شاہزادے بنت میری خدمت کرن سُکھالے

مصر کے بادشاہ کے وزیر صالح ابن حمید نے نجومیوں، رمّالوں، عاملوں، فاضلوں کو دربار میں بلوایا اور اُن سے بادشاہ کے ہاں اولاد نرینہ کے نہ ہونے کا ذکر کیا اور تدبیر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ستاروں کا حساب لگا کر مختلف زائچے بنا کر یہ خوش خبری سنائی کہ اگر بادشاہ عاصم بن صفوان بدخشاں کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی رچائے تو اُس کے بطن سے خوبصورت بیٹا پیدا ہوگا۔ وزیراعظم صالح ابن حمید، بادشاہ سے اجازت لے کر

Marfat.com

بدخشاں کی طرف روانہ ہوا مگر وہ اکیلا نہ تھا۔ اس کے ہمراہ سلطنت کے چالیس وزیر، دانشمند، عاقل اور صاحب کمال بھی تھے۔ شعر ہے:

صالح ابن حمید وزیرے نال لائے سرکردے
چالھی ہور وزیر سیانے صاحب عقل ہنر دے

نجومیوں کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور بدخشاں کی شہزادی کے بطن سے شہزادہ سیف الملوک پیدا ہوا۔ شہزادے کی تعلیم و تربیت بے حد ناز و نعم سے ہوئی۔ اُس نے مختلف علوم و فنون حاصل کیے۔ ایک دن اُس کے والد نے خوش ہو کر اُسے قیمتی اور نایاب تحائف بھجوائے۔ ان میں ایک عجیب و غریب تحفہ تھا۔ ایک ریشمی کپڑے پر دو تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ ایک تصویر شہزادہ سیف الملوک کی تھی۔ دوسری تصویر شارستان کی شہزادی بدیع الجمال پری کی تھی۔ شہزادہ اُسے دیکھتے ہی اُس پر عاشق ہو گیا اور اُس کی تلاش کے لیے بحری بیڑے لے کر عازم سفر ہوا تو اُس کا پہلا پڑاؤ چین تھا۔ جہاں اُسکی ملاقات چین کے شہزادے فغفور سے ہوتی ہے۔ فغفور اُس سے چین آنے کا مقصد دریافت کرتا ہے۔ تو شہزادہ اُسے خط میں لکھتا ہے:

میں اپنے اک مطلب کارن آیا۔ چھوڑ وطن نوں
اس مقصود لئی نت بھالاں پانی وتی بن نوں
جے میں واگ غنیماں آواں آناں فوج گھنیری
چالھی شاہ تختاں دے سائیں ہین منیندے میری

چین کا شہزادہ سیف الملوک کا دوست بن جاتا ہے اور اپنے ملک کے تمام سیاح، سوداگر، فقیر، سپاہی، بڑے، بوڑھے اکٹھے کر لیتا ہے اور اُن کو حکم دیتا ہے کہ وہ پری بدیع الجمال اور شارستان کے متعلق شہزادہ سیف الملوک کو ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں اور اس کی ہر ممکن مدد کریں۔ مگر اُن میں سے کسی ایک نے بھی شارستان کے متعلق کبھی نہ سنا تھا۔ صرف ایک بوڑھا شخص استنبول سے متعلق چند معلومات فراہم کرتا ہے۔ اُس بوڑھے شخص کی عمر ایک سو چالیس برس تھی:

ایہناں وچوں اک سی بڈھا پھر آیا کئی ورساں
گزری عمر اوہدی سی یارو ہک سو چالھی برساں

چین سے رخصت ہونے کے بعد شہزادے سیف الملوک کے بہت سے بحری

Marfat.com

جہاز سمندری طوفان کی نذر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وزیر زادہ صاعد اُس سے بچھڑ جاتا ہے۔ شہزادے کے بحری جہاز کو ایک دیو ہیکل مگر مچھ ٹکر مار کر دو ٹکڑے کر دیتا ہے۔ ایک ٹکڑے پر شہزادہ اور چالیس سپاہی بچ رہتے ہیں۔ دوسرا سمندر میں ڈوب جاتا ہے:

اک ٹوٹے تے رہیا شہزادہ چالھی ہور سپاہی
دوجے ٹوٹے تے جو آہے رڑھ ہوئے سبھ راہی

سفر کے دوران شہزادہ سیف الملوک کو بے شمار مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہولناک جزیرے میں وہ بوزنوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے جو اُسے پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے جاتے ہیں۔ بادشاہ کا نام فیروز ہے اور وہ مصیبت کا مارا ہوا ایک انسان ہے۔ جس کو بندروں کے بادشاہ نے اپنی بیٹی سے زبردستی بیاہ دیا تھا اور خود چالیس دنوں بعد اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ فیروز بادشاہ، سیف الملوک کی دعوت کا اہتمام کرتا ہے حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں:

حکم کیتا پھر بوزنیاں نوں جھب لیاؤ کھانے
چالھی باندر کھانے کارن اٹھ لنگر ول دہانے

☆

عقد نکاح میرا اس جائی خوب طرح جد ہویا
بوزنیاں دا شاہ اوہ اگلا چالھیں روزیں مویا

فیروز بادشاہ سے سیف الملوک شہزادے کی دوستی ہو جاتی ہے اور وہ چالیس روز تک شہزادے کی مہمان نوازی کرتا ہے:

سیف الملوک تائیں شاہ رکھیا چالھی روز اُس جائی
نت شراب کباب کھواوے خاطر کرے سوائی

فیروز بادشاہ اُسکی راہنمائی کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اس جزیرے کا نام ہولنگ ہے۔ اس کی لمبائی چالیس دنوں میں طے ہوتی ہے۔ اس سے آگے سکساروں کا ملک شروع ہو جاتا ہے:

چہلاں روزاں دا ہے رستہ ایہہ ولایت ساری
نام اس دا ہولنگ جزیرہ جس دی میں سرداری

شہزادہ سیف الملوک بادشاہ سے رخصت ہونے کی اجازت لیتے ہوئے کہتا ہے:

Marfat.com

جس مطلب دے کارن ٹُر یا اے جے نہیں اوہ لدھا
چالھی روز رہیا بہہ ایتھے الفت تیری بدھا

جزیرہ ہولنگ سے شہزادہ سیف الملوک گھوڑے پر سفر اختیار کرتا ہے۔ ایک بندر اس کی راہنمائی کرتے ہوئے آگے آگے چلتا ہے۔ جب وہ سکساروں کی سرحد پر پہنچتے ہیں تو بندر گھوڑا لے کر واپس مڑ جاتا ہے لیکن شہزادے کو چالیس سکسار چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں:

جاں اوہ دھوڑ غباری پائی نظر چوپھیرے پاندے
چالھی تن سکساراں وچوں آن ہوئے پھر واندے

شہزادہ سیف الملوک اور اس کے ساتھی نہایت جانفشانی سے سکساروں کے ساتھ لڑتے ہیں اور اُن کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اُن سے جان بچا کر شہزادہ اور اُس کے ساتھی اُس علاقے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مگر آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا کے مصداق شہزادہ اپنے جان نثاروں کے ہمراہ حبشیوں کا قیدی بن جاتا ہیں۔ اس سفر کے بارے میں حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب یوں رقمطراز ہیں:

ایس طرح بے خرچے جاندے گزر گئے دن چالھی
ویکھو ہک تھیں ہک چڑھیندی سختی عشق دسالی

شہزادہ سیف الملوک بے جگری سے حبشیوں کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور چوالیس حبشیوں کو تہہ تیغ کر دیتا ہے:

زنگی مار گوائے جانوں چوہاں اُپر چالھی
سٹیں پھٹیں کئیں تروڑے کیتے ہُنے خالی

حبشی چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ علاوہ ازیں ہتھیاروں سے لیس تھے۔ اس لیے وہ شہزادہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو بادشاہ کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔ بادشاہ غضبناک ہو کر ان کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ مگر ایک حبشی شہزادہ سیف الملوک کی سفارش کرتا ہے:

جیہناں پکڑ لیاندے آہے اُٹھے دے دہائی
شاہا ایہہ نہ مارن جوگا وڈا جوان عطائی

Marfat.com

چالھی زنگی ایس اکلے مار گوائے کھلیاں
ایسا شیر جوان گنواویں کون کہے گا بھلیاں

حبشی بادشاہ کی بیٹی نہایت بدصورت خوفناک حبشن ہے جو شہزادہ سیف الملوک پر عاشق ہو جاتی ہے اور اُس سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کرتی ہے۔ شہزادہ صاف انکار کر دیتا ہے تو وہ غصے میں آ کر اُن سب کو قید میں ڈالنے اور چکی پیسنے کا حکم دیتی ہے۔ اسی طرح قید خانے میں چکی پیستے پیستے اُن کو چالیس دن گزر جاتے ہیں:

رات پئے تاں چکی جکڑن مرمر پیہندے دانے
ایسے طرح عذاباں اندر چالھی روز وہانے

شہزادہ سیف الملوک اور اُس کے چند ساتھی سیر و شکار کا بہانہ بنا کر حبشن کی قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ گھاس پھونس اور لکڑیوں کی ایک کشتی (ٹلا) بناتے ہیں اور دریا میں سفر شروع کر دیتے ہیں۔ تین چار روز بعد ایک دیو ہیکل پرندہ کشتی کو پنجے میں دبوچ کر اُڑ جاتا ہے۔ شہزادہ اس کشتی سے پھسل کر سمندر میں گر جاتا ہے۔ پھر تیر کر کنارے پر پہنچتا ہے وہاں سے ایک دیو ہیکل اژدھے کی دم پکڑ کر پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے۔ وہاں سے ایک پرندے کے پاؤں پکڑ کر ہوا میں اُڑتا ہے اور ایک اژدھے کے ساتھ اس کی جنگ دیکھتا ہے۔ پھر پیدل سفر کر کے شہر زناں میں داخل ہوتا ہے۔ شہر کے دروازے پر چالیس جوان پہرہ دیتے ہیں:

کیہ تکدا دروازے اُتے بیٹھے چالھی بندے
زینت زیور لگے سھناں سونے موتی سندے

شہزادہ اُن سے اجازت لے کر عورتوں کی ملکہ کے دربار میں پہنچتا ہے مگر ملکہ اُسے خوبصورت دیکھ کر اس سے محبت کرنے لگتی ہے۔ اُسنے اپنے ملک کی سیر کراتی ہے۔ وہاں کے رسم و رواج دکھاتی ہے۔ خوب خاطر مدارت کرتی ہے۔ وہاں سے اجازت لے کر شہزادہ اکیلا سفر جاری رکھتا ہے۔ ایک لق و دق صحرا میں حورائل فرشتے سے اُس کی ملاقات ہوتی ہے جو اُسے مصائب ختم ہونے کی خوش خبری دیتا ہے اور بدیع الجمال پری سے جلد ملاقات کی نوید سناتا ہے اور اسم اعظم سکھاتا ہے۔

شہزادہ وہاں سے دیو اسفند باش کے قلعہ تک پہنچتا ہے۔ وہاں ملکہ خاتون سے

Marfat.com

ملاقات ہوتی ہے۔ وہ شہزادے کو بتاتی ہے کہ عام انسان کا اس قلعہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے دیو اور جن بھی اس قلعہ سے چالیس دن کے فاصلے پر ہی رہتے ہیں اور قریب نہیں بھٹکتے:

راکش غول وڈیرے اس تھیں خوف ہمیشہ کھاون
چہل دناں دے پینڈے اُتوں نہیں اُریرے آون

حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب کا مقولہ ہے کہ اگر کوئی امیر آدمی شومی قسمت سے غربت کا شکار ہو جائے تو اُس کے دماغ سے چالیس دن تک امارت کی بُو نہیں جاتی۔ اسی طرح اگر کوئی غریب آدمی اچانک کروڑ پتی بن جائے تو چالیس دن تک اُسکی ہڈیوں سے غربت دُور نہیں ہوتی۔ گویا چالیس دن ایک مکمل وقت اور دو خصلتوں اور عادتوں کے درمیان تسلی بخش فاصلہ ہے۔ جس میں کایا پلٹ سکتی ہے۔ چنانچہ شہزادہ سیف الملوک ملکہ خاتون کے والد تاج الملوک سے جب ملتا ہے تو وہ خوشی سے نہال ہو جاتا ہے۔ بیش بہا تحفے تحائف سیف الملوک کی خدمت میں پیش کرتا ہے:

تنبو خیمے سرخ قناتاں مُل جہاندے بھارے
ستر ستر اُشتر شتر لدے زر دے سارے
ست صندوق زمرد موتی لعل جواہر ہیرے
چالھی ہور صندوق پوشاکاں رخت قماش ذخیرے

سراندیپ ملک میں شہزادہ سیف الملوک کی دوبارہ ملاقات وزیر زادہ صاعد سے ہوتی ہے۔ تو وہ اُسے اپنے ساتھ لے کر بادشاہ کے محلات کی طرف جاتا ہے۔ ان کے ساتھ چالیس چوبدار نفیس لباس پہنے چلتے ہیں:

ہوئے سوار نراں تے دونویں اگے دوڑے اردل
چالھی شاطر بھجدے جاندے نال لباس مکلل

صاعد اپنے سفر کی کہانی بادشاہ تاج الملوک کو سناتا ہے اور بتاتا ہے کہ:

چالھی روز رہی سی جھلدی واء مخالف ظالم
تختے تے میں رڑھدا رہیا نہ وسدا کوئی عالم

Marfat.com

چالھی روز چلی پھر کشتی واہو واہ شتابی
اوتھے میں بھی تکے بہتے رنج مصیبت آبی

بادشاہ نے خوش ہو کر شہزادہ سیف الملوک اور وزیر زادہ صاعد کو بے شمار تحفے تحائف پیش کیے جن میں چالیس خوبصورت غلام بھی شامل تھے:

چالھی ہور غلام پیارے سُندر صورت والے
خدمتگار ہوشیار سیانے خوب جہاں دے چالے

مصر کا بادشاہ عاصم بن صفوان بڑی آن بان اور شان والا تھا۔ وہ وسیع سلطنت وسیع لشکر کا مالک تھا۔ چالیس شہزادے اُس کی خدمت میں دست بستہ حاضر رہتے تھے:

ہتھیں بدّھے گولے اُس دے چالھی ہور شہزادے
انت حساب شماروں حدّوں لشکر اوس زیادے

حضرت سلیمانؑ جنوں، پریوں اور انسانوں کے بادشاہ تھے۔ ایک دن دربار لگائے بیٹھے تھے کہ کسی نے حسن یوسف علیہ السلام کا ذکر چھیڑ دیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے سوال کیا کہ کیا حضرت یوسف علیہ السلام جیسا کوئی دوسرا بھی صاحبِ حسن و جمال ہوا ہے۔ اگر کوئی روئے زمین پر موجود ہو تو ڈھونڈھ کر لاؤ۔ میں ڈھونڈھ کر لانے والے کو انعام و اکرام دوں گا۔ بہت سے جن، دیو اور پریاں چالیس روز کی مہلت لے کر دنیا کے مختلف خطوں میں پھیل گئے تا کہ وہ یوسف ثانی تلاش کر کے انعام و اکرام حاصل کریں:

چالھی روز ہوئی تد مہلت ڈھونڈو زمیں زمن نوں
پریاں دیو تکیندے پھردے ہر جنے ہر زن نوں

ملکہ خاتون اور بدرہ خاتون کے دیس سراندیپ میں سیف الملوک اور بدیع الجمال پری کی ملاقات ہوتی ہے تو دونوں ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کرنے لگتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے شادی کے بندھن میں بندھنا چاہتے ہیں۔ مگر راستے میں بے شمار مشکلات حائل ہیں۔ بے حد سوچ بچار کے بعد پری بدیع الجمال ایک حل بتاتی ہے کہ میری دادی مہر افروز مجھ سے بہت پیار کرتی ہے۔ میرا والد شاہ شاہپال اس کی ہر بات مانتا ہے۔ اگر سیف الملوک میرا خط لے کر دادی کے پاس چلا جائے تو کام بن سکتا ہے لیکن میری دادی دور دراز ملک شارستان میں رہتی ہے۔ جہاں جانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ میرا ایک عفریت جس کا نام

Marfat.com

حاطف ہے میں اس کو حکم دیتی ہوں کہ وہ سیف الملوک کو کندھوں پر بٹھا کر شارستان پہنچادے گا۔ حاطف عفریت، شہزادہ سیف الملوک کو کندھوں پر بٹھا کر ہوا میں اُڑتا ہے۔ نیچے زمین پر بہت سے عجیب وغریب ممالک، خطے، سمندر، آتش اور پہاڑ گزرتے ہیں۔ ان میں سے ایک گلیم گوشوں کا ملک بھی ہے۔ جن کے قد سو سو گز اونچے اور کمبل کی مانند بڑے بڑے کان ہیں:

سو قلاچ اُچے قد بعضے دو دو سے قلاچاں
بہتا چھوٹا قد ایہناں دا چالھی گز میں جاچاں
اوہ اوہناں دا شہر ولایت چالھی دن دا رستہ
کون کوئی لنگھ سکدا اوتھوں مارن کرن شکستہ

شہزادہ سیف الملوک نے ملکہ خاتون کو دیو اسفند باش کی قید سے آزادی دلانے کے لیے دیو کو جان سے مار ڈالا تھا۔ اس لیے اسفند باش کا باپ شاہ ہاشم اپنے بیٹے کے قاتل کی تلاش میں تھا۔ اُس نے قاتل کو تلاش کرنے کے لیے بہت سے دیوؤں اور پریوں کو مامور کر رکھا تھا۔ چالیس پریوں کے ایک غول نے چالیس دن کے بعد سیف الملوک کو باغ ارم میں دیکھ لیا اور اُسے گرفتار کر کے شاہ ہاشم کے سامنے پیش کر دیا:

قلزم دا شاہزادہ جس دن کُٹھا سیف ملوکے
چالھی روز گذشتہ ہوئے دن فریادے کوکے
کوئی کدھرے کوئی کدھرے لوڑے کڑک دیواں بھاری
اوس دیہاڑے چالھی پریاں آئیاں وچ اُڈاری

شاہ ہاشم کو جب پتہ چلتا ہے کہ اس کے بیٹے اسفند باش کا قاتل شہزادہ سیف الملوک ہے تو غصے سے کانپنے لگتا ہے اور سیف الملوک کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ شفاعت نامی جلاد بادشاہ سے رحم کی اپیل کرتا ہے اور دلیل یہ دیتا ہے کہ تمہارے بیٹے کی موت قدرت کی طرف سے آئی تھی اور وہ مر گیا۔ ورنہ اس کمزور انسان میں اتنی طاقت کہاں کہ ایک قوی ہیکل دیو کو مار سکے۔ اس لیے اسے قتل کرانے کی بجائے زنداں میں ڈال دیا جائے:

دس ہزارہ اتھ دیو جنگی چہل ہزار عفریتے
اکسے حملے نال ہلائے مار گوا پڑ جیتے

Marfat.com

اُدھر شاہ شاہپال نے چالیس پریوں کو باغ ارم میں بھیجا کہ وہ شہزادہ سیف الملوک کو عزت اور احترام کے ساتھ میرے دربار میں لے آئیں۔ مگر وہاں شہزادہ موجود نہ تھا:

اس ویلے پھر چالھی پریاں بھلیاں بھلیاں گھلیاں
باغ ارم تھیں چا لیاؤ شاہزادے نوں کھلیاں

ان کو جب وہاں شہزادہ نہ ملا تو پھر شاہپال نے چالس ہزار پریوں کو تلاش کرنے کے لیے مختلف مقامات پر روانہ کیا:

چہل ہزار پری نوں جلدی حکم کیتا شاہپالے
ہر جائی ہر تھاں کتھائیں ہر کوئی اس نوں بھالے

جب چالیس ہزار پریاں شہزادے کو تلاش کرنے میں مصروف ہوتی ہیں تو ان کو راستے میں ایک مسافر پری ملتی ہے۔ وہ شہزادے کے بارے میں خبر دیتی ہے کہ شہزادے کو:

چہلاں پریاں چائیں چائیں قلزم پاسے کھڑیا
اتنی خبر مینوں بھی اگے پتہ نہیں کجھ اڑیا

شاہ شاہپال کو پتہ چل جاتا ہے کہ شہزادہ سیف الملوک شاہ ہاشم کی قید میں ہے۔ وہ اُس سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ سیف الملوک کو واپس کر دے یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ شاہ ہاشم جنگ کی تیاری شروع کر دیتا ہے:

لکھ پری وچ گنتر آئی چہل ہزار عفریتاں
کیتوس سبھ اسباب اکٹھا کر جھگڑے دیاں نیتاں
مسلمان پری لکھ کٹھی چہل ہزار عفریتوں
مینوں بی سن بال بچے دے مارن لگیوں جیو توں

شاہ شاہپال جنگ جیت جاتا ہے۔ شاہ ہاشم مجبوراً شہزادہ سیف الملوک کو کنوئیں سے نکال کر شاہپال کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ شاہپال سیف الملوک کی شادی بدیع الجمال کے ساتھ رچا دیتا ہے لیکن اس خوشی کو دوبالا کرنے کے لیے وہ چالیس سیانے حکیم، سو پریوں اور دو سو عفریتوں کو مصر بھیجتا ہے تا کہ وہ بادشاہ عاصم بن صفوان اور اس کے عزیز و اقارب کو باغ ارم لے آئیں اور وہ بھی شادی میں شریک ہوں:

Marfat.com

فاضل چہل حکیم سیانے ہور پری سو چارے
دو سو نال عفریت بہادر ڈیرہ چاون ہارے

مصر کا بادشاہ اس خوش خبری سے بے حد خوش ہوا کہ اس کا بیٹا اپنے مشن میں کامیاب رہا۔ اُس نے شاہ مُہرے والی پری بدیع الجمال کو نہ صرف پالیا ہے بلکہ اُس سے شادی بھی کر رہا ہے۔ بادشاہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے چالیس دن کا چلہ کاٹا اور اُس نے چالیس راتیں جاگ کر گزاریں:

اس دن تھیں اس دم توڑی جس دن خبراں آئیاں
عاصم شاہ چلے وچ سمھو راتیں جاگ لنگھائیاں

شہزادہ سیف الملوک کی شادی میں اس کے والدین کے علاوہ سراندیپ کا بادشاہ، قلزم کا بادشاہ ہاشم، صاعد، ملکہ خاتون، بدرہ خاتون، انکی والدہ، ایک سو چار پریاں، چالیس دانا حکیم بھی شریک ہوئے اور ان کے علاوہ خلقت بے شمار:

چاراک سے پری ہے خاصی چہل حکیم سیانے
سراندیپ شہر دا والی ہر کوئی جس نوں جانے

مصر کا بادشاہ عاصم بن صفوان جب باغ ارم کی جانب روانہ ہوا تو اس کے ہمراہ سونے کے چالیس خزانے بھی تھے:

باغ ارم ول ہوئی تیاری کر سارے سمیانے
ہور متاع حسابوں باہر سونا چہل خزانے

شادی میں کھانے کے وقت بے شمار دسترخوان بچھ گئے اور سونے اور چاندی کی چالیس ہزار پلیٹیں اُن پر سجا دی گئیں۔ ان پلیٹوں پر لعل و جواہر اور موتی جڑے ہوئے تھے:

روٹی وقت ہویا جس ویلے آئے دسترخوانے
چہل ہزار رکاب جڑاؤ موتی لعل یگانے
چہل ہزار رکاب سنہری کجھ چاندی دے آہے
قدر بقدر تماماں اگے آن غلاماں لاہے

سب باراتی چالیس دن تک شاہپال کے مہمان رہے۔ اُن کے کھانے اور آرام کا بہترین انتظام کیا گیا تھا:

Marfat.com

چالھی روز ایہہ خرچ اُٹھایا میل رہیا سبھ بنیا
ایڈا کاج شاہپالے کیتا دھن مائی جس جنیا

سیف الملوک جب بدیع الجمال کو بیاہ کر مصر لے آیا تو مصر میں چالیس دن تک جشن ہوتا رہا:

پاون بیلاں وانگر میلاں خوشیں میر شہزادے
دن چالھی ایہہ جشن کیتو نیں دم دم چین زیادے
چالھی چلے جنہاں نوں گزرے گوشے بہن سکھایا
دل دا عود محبت آتش اندر دھوپ دکھایا

قصہ سیف الملوک میں اس قسم کے بہت سے اشعار اور بھی موجود ہیں جن میں حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنا پسندیدہ عدد چالیس استعمال کیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ ہر شعر میں انہوں نے کوئی نہ کوئی نیا پن پیدا کیا ہے۔ بہر کیف قصہ سیف الملوک المعروف سفر العشق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت میاں محمد بخشؒ کو چالیس کا عدد بے حد مرغوب تھا۔ اسی لیے بہ نسبت دیگر اعداد کے قصہ سیف الملوک میں اس عدد کا استعمال زیادہ ملتا ہے۔

Marfat.com

انتخاب سیف الملوک

(1)

رحمت دا مینہ پا خدایا باغ سُکا کر ہریا
بُوٹا آس اُمید میری دا کر دے میوے بھریا

فرہنگ: مینہ: بارش۔ سُکا: سوکھا ہوا۔ ہریا: سرسبز۔ میوے بھریا: پھل دار۔ بُوٹا: پودا۔

ترجمہ: اے خداوند! اپنی رحمت کی ایسی بارش برسا دے کہ میرا سوکھا ہوا باغ سرسبز ہو جائے اور میری آس اُمید کے پودے کو پھل لگا دے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ میری شاعری کا باغ سوکھا اور خشک ہے اپنی رحمت کی ایسی بارش برسا دے کہ یہ باغ سرسبز و شاداب ہو جائے اور اس کو بے شمار پھلوں سے بھر دے۔

(2)

سدا بہار ئیں اس باغے کدے خزاں نہ آوے
ہوون فیض ہزاراں تائیں ہر بُھکھا پھل کھاوے

فرہنگ: سدا: ہمیشہ۔ فیض: فائدہ۔ بُھکھا: بھوکا۔

ترجمہ: اے مولا کریم! اس باغ میں ہمیشہ بہار قائم رکھنا اور اسے کبھی بھی خزاں برباد نہ کرے۔ ہزاروں لوگ اس باغ سے فائدہ حاصل کریں اور بھوکوں کو اس سے پھل میسر آئیں۔

(3)

بال چراغ عشق دا میرا روشن کر دے سیناں
دل دے دیوے دی رشنائی جاوے وچ زیناں

فرہنگ: سیناں: سینہ۔ رشنائی: روشنی۔ دیوے: چراغ۔

ترجمہ: اے مولا کریم! میرے دل میں عشق کا ایک ایسا چراغ جلا دے جس سے میرا سینہ روشن ہو جائے اور پھر اس دل کے چراغ کی روشنی پوری دنیا میں پھیل جائے۔

Marfat.com

(4)

سخن میرے دی شکروں ہوون مٹھے مونہہ قلم دے
شعر میرے دی عطروں کاغذ لاوے خال رقم دے

فرہنگ: سخن: شاعری۔ شکر: مٹھاس۔ خال: تل۔ رقم: لکھنا۔

ترجمہ: اے میرے مولا کریم! اپنی رحمت سے میری شاعری میں ایسی مٹھاس اور شیرینی بھردے کہ جب قلم میرے شعر لکھنے لگے تو اُس کا منہ میٹھا ہو جائے۔ اُس کی لکھائی میں بھی مٹھاس پیدا ہو جائے۔

(5)

اول حمد ثناء الٰہی جو مالک ہر ہر دا
اُس دا نام چتارن والا ہر میدان نہ ہردا

فرہنگ: اول: پہلے۔ حمد: اللہ کی تعریف۔ ثناء: تعریف۔ چتارن: ورد کرنا، یاد کرنا۔

ترجمہ: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات کی تعریف کرنا لازم ہے جو ہر ذی روح کا خالق اور مالک ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جو کام اللہ کی تعریف سے شروع کیا جائے اُس میں برکت اور رحمت ہوتی ہے اور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اور ہر وقت اس کے نام کا ورد کرتا ہے وہ کبھی بھی کسی میدان میں بھی نہیں ہارتا۔ ہمیشہ کامیاب و کامران رہتا ہے۔

(6)

کام تمام میسر ہوندے نام اوہدا چت دھریاں
رحموں سُکے ساوے کردا قہروں ساڑے ہریاں

فرہنگ: میسر: حاصل ہونا۔ چت: دل۔ دھرناں: رکھنا۔ ساوے: سرسبز۔

ترجمہ: جو شخص اللہ کا نام دل سے ورد کرتا ہے اور اُسی پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کے سب کام سنوار دیتا ہے۔ جہاں اس کی صفت غفار ہے وہاں وہ جبار و قہار بھی ہے۔ اس لیے جس پر رحم کرتا ہے وہ اپنے کرم سے اُس کے سوکھے کھیت بھی سرسبز و شاداب کر دیتا ہے۔ لیکن جب وہ قہر کرنے پر آتا ہے تو اس کے سبز کھیتوں کو بھی جلا ڈالتا ہے۔

Marfat.com

(7)

آدم تھیں لے اس دم توڑی لاکھ ہوئے مر مٹی
صورت جُدا جُدا سبھس دی علم اوہدے وچ مٹی

فرہنگ: توڑی: تک۔ مٹی ہونا: مرجانا۔ سبھس: تمام۔

ترجمہ: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک لاکھوں لوگ مر گئے اور مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے مگر ہر ایک کی صورت دوسرے سے مختلف ہے۔ کیونکہ وہ ایسا مصوّر ہے جس نے اربوں کھربوں انسان پیدا کیے مگر کسی ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی۔ یہ بات اس کے یکتا اور بے مثال مصوّر ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

(8)

آپے دانا آپے بینا ہر کم کردا آپے
واحد لاشریک الٰہی صفتاں نال سیہاپے

فرہنگ: دانا: عقل مند۔ بینا: دیکھنے والا۔ صفتاں: خوبیاں۔ سیہاپے: پہچانا جائے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عقل کل ہے۔ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ دیکھنے والا ہے اس لیے اُسکی نظر میں کائنات کی ہر چیز موجود ہے۔ وہ ہر کام خود ہی انجام دیتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اُسے انجام دے دیتا ہے۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ وہ بے شمار صفات کا مالک ہے اور کائنات میں اپنی صفات کی بنا پر جانا پہچانا جاتا ہے۔

(9)

واہ وا صاحب بخشن ہارا تک تک ایڈ گناہاں
عزت رزق نہ کھسے ساڈا دیندا فیر پناہاں

فرہنگ: بخشن ہارا: بخشنے والا۔ ایڈ: اس قدر۔ کھسے: چھین جانا۔

ترجمہ: سبحان اللہ! اللہ تعریف کے لائق ہے۔ ہم لوگ گناہ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس قدر مہربان، رحمٰن اور رحیم ہے کہ ہمارے گناہ دیکھ کر بھی ہماری عزت اور روزی روٹی ہم سے ہرگز نہیں چھینتا۔ پھر بھی وہ اپنی رحمت کے سایہ میں ہمیں پناہ دیتا ہے۔

Marfat.com

(10)

ہر عاجز پر رحمت کردا کرے قبول دعائیں
بِن منگے لکھ دان دوائے محرم دل دا سائیں

فرہنگ: عاجز: مسکین۔ دان: بخشش یا خیرات۔ محرم: واقف۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس قدر رحمٰن اور رحیم ہے کہ ہر غریب اور مسکین پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور جو بھی بندہ دعا مانگتا ہے، اس کی دعا قبول کرتا ہے اور مُرادیں بر لاتا ہے۔ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے اس لیے اپنے بندے کو بِن مانگے ہی ہزاروں لاکھوں کی بخشش کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ خالق و مالک ہے۔

(11)

قطرے ہک منی دے تائیں کیہ کجھ جوبن دیندا
پانی اُتے صورت لکھے حکمت عجب کریندا

فرہنگ: منی: مادہ۔ جوبن: خوبصورتی۔ حکمت: دانائی۔

ترجمہ: حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب نے قرآن حکیم کا غور سے مطالعہ فرمایا تھا اور آیات کے معنی پر خوب گہری نظر رکھتے تھے۔ اس لیے اس شعر میں قران پاک کی ایک آیت کے معنی بیان کیے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے منی کے ایک گندے قطرے سے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اُسے حسن و جوانی عطا کی۔ گندے قطرے سے خوبصورت انسان پیدا کرنا اس کی قدرت کا کمال ہے۔ یہ بھی اُسکی حکمت اور دانائی ہے کہ پانی پر تصویر بناتا ہے۔ یعنی اُس منی کے ایک قطرے میں انسان کے نقوش، خدو خال، بالوں کا رنگ، آنکھوں کی رنگت اور قدبُت سب کچھ موجود ہوتا ہے۔

(12)

سِپاں اندر موتی کردا رکھ کے قطرہ پانی
شکماں وچوں باہر آنے صورت بی بی رانی

فرہنگ: سیاں: سیپ یعنی صدف۔ شکماں: شکم کی جمع یعنی پیٹ۔ بی بی رانی: بھولی بھالی۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے سیپ کے اندر پانی کے قطرے کو موتی میں تبدیل کر دیتا

Marfat.com

ہے۔ایک روایت ہے کہ جب آسمان پر نیساں کا بادل چھا جاتا ہے تو سمندر کی تمام سیپیاں سطح سمندر پر مُنہ کھول کر تیرنے لگتی ہیں۔ابر نیساں برستا ہے تو بارش کا ایک قطرہ سیپی کے منہ میں گرتا ہے تو وہ منہ بند کر کے سمندر کی تہہ میں چلی جاتی ہے۔خدا کی قدرت سے وہی قطرہ چمکدار موتی بن جاتا ہے۔

(13)

کنّاں باجھوں سُننے والا تکدا اے بِن نیناں
باجھ زبان کلام کریندا نہ اس بھائی بھیناں

فرہنگ: نیناں: آنکھیں۔ باجھوں: بغیر۔ کریندا: کرتا ہے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا کوئی جسم یا صورت نہیں ہے۔وہ زمینوں اور آسمانوں کا نُور ہے۔اگرچہ اس کے کان نہیں ہیں مگر وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھیں نہیں ہیں مگر وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اگرچہ اس کی زبان نہیں ہے مگر وہ انبیاء کرام سے کلام کرتا ہے۔کسی نے اُسے جنم دیا ہے اور نہ ہی اُس نے کسی کو اپنے جسم سے پیدا کیا ہے۔نہ اس کی کوئی بہن ہے اور نہ بھائی ہے۔

(14)

رستہ چھوڑ نبیؐ دا ٹُریاں کوئی نہ منزل پُگ دا
جے لکھ محنت ایویں کریئے کلر کول نہ اُگدا

فرہنگ: پُگ دا: پہنچتا، کامیاب ہوتا۔ کلر: سیم زدہ، بنجر زمین۔ کول: کنول۔

ترجمہ: جولوگ نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ دیتے ہیں وہ کبھی بھی منزل پر پہنچ نہیں پاتے۔بنجر زمین میں بے شک کتنا ہی ہل چلاؤ، محنت کرو، اس میں کنول نہیں اُگتا۔ یعنی گمراہ شخص ہمیشہ گمراہ ہی رہتا ہے۔وہ کبھی منزل کو نہیں پا سکتا۔وہ نیک نہیں بن سکتا۔

(15)

واہ کریم اُمت دا والی مہر شفاعت کردا
جبرائیل جیہے جس چاکر نبیاں دا سرکردا

فرہنگ: اُمت: مسلمان قوم۔ مہر: محبت۔ چاکر: ملازم۔ سرکردہ: سردار۔

ترجمہ: سبحان اللہ! رسول کریم ﷺ مسلمان قوم پر کس قدر کرم اور رحمت کرنے والے

Marfat.com

ہیں۔ آپ ﷺ روز حشر اپنی اُمت کی سفارش فرما کر اُس کی بخشش کرائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے اُس کے گناہ معاف کرائیں گے۔ آپ ﷺ تمام انبیاء کے سردار ہیں۔ اسی لیے معراج شریف کو جاتے ہوئے تمام انبیاء کرام کی نماز کی امامت آپ ﷺ نے فرمائی اور فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپ ﷺ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہے۔

(16)

اوہ محبوب حبیب ربانا حامی روز حشر دا
آپ یتیم یتیماں تائیں ہتھ سرے پر دھردا

فرہنگ: حبیب: پیارا، دوست۔ حامی: حمایت کرنے والا۔ روز حشر: قیامت کا دن۔ دھردا: رکھتا ہے۔

ترجمہ: ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پیارے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب انبیاء کرام سے زیادہ آپ ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ آپ ﷺ قیامت کے دن مسلمانوں کی حمایت اور مدد کریں گے۔ آپ ﷺ کی ولادت با سعادت سے چار ماہ قبل آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رحلت فرما گئے تھے اور آپ کی ولادت کے چند سال بعد آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بی بیؓ بھی دنیا سے پردہ فرما گئی تھیں۔ آپ ﷺ یتیم ہو گئے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ تمام یتیم بچوں سے محبت رکھتے تھے۔ ان کا خاص خیال کرتے تھے۔

(17)

جے لکھ واری عطر گلابوں دھوئیے نت زباناں
نام اوہناں دے لائق ناہیں کیہ قلمے دا کاناں

فرہنگ: نت: ہمیشہ۔ کاناں: سرکنڈے کا قلم۔

ترجمہ: یہ شعر دراصل مولانا عبدالرحمٰن جامی کے اس فارسی شعر کا پنجابی ترجمہ ہے۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

اگر ہم لوگ اپنی زبانوں کو لاکھ مرتبہ گلاب کے عطر سے دھولیں، پاکیزہ کرلیں، تب بھی حضور اکرم ﷺ کا پاکیزہ نام محمد ﷺ زبان سے ادا کرنا حد سے زیادہ گستاخی اور بے ادبی ہے۔ مطلب یہ ہے ہماری زبانیں گندی اور ناپاک ہیں۔ آپ کا اسم مبارک پاک ہے۔

Marfat.com

ان ناپاک زبانوں سے آپ کا نام لینا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ یہی حال سرکنڈے کی قلم کا ہے کہ بے شک اُسے لاکھ مرتبہ عطر سے دھولو پھر بھی اُس سے آپ کا نام لکھنا بے ادبی ہے۔

(18)

نال اشارت ٹکڑے کیتا جس نے چن اسمانی
سُکر وڑاں تھیں جس پڑھایا کلمہ ذکر زبانی

فرہنگ: اشارت: اشارہ۔ سُکروڑاں: سوکھے روڑ۔

ترجمہ: جب کفار نے آپؐ سے معجزہ دکھانے کا تقاضا کیا تو آپؐ نے چاند کی طرف اُنگلی سے اشارہ فرمایا۔ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اسی طرح ابوجہل مٹھی میں چند کنکر لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا۔ اگر حضور یہ بتا دیں میری مٹھی میں کیا چیز ہے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ آپؐ نے حکم فرمایا تو سوکھے کنکروں نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔

(19)

غوثاں قطباں دے سر میراں قدم مبارک دھریا
جو دربار اوہناں دے آیا خالی بھانڈا بھریا

فرہنگ: غوثاں: تصوف کا بلند درجہ۔ قطب: تصوف میں ایک مقام۔

ترجمہ: ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ معراج کی رات جب براق پر سوار ہونے لگے تو سواری قدرے اونچی تھی۔ اُس وقت حضرت غوث اعظمؒ کی روح حاضر ہوئی اور رسول ﷺ آپ کی آپ کی گردن پر پاؤں رکھ کر براق پر سوار ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جس طرح میرے پاؤں تمہاری گردن پر ہیں اسی طرح تمہارے قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہوں گے۔ چنانچہ ایک دن غوث پاکؒ نے خطبے میں فرمایا۔ ''قدمی هذا رقبته کل ولی الله'' یعنی میرے قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہیں۔ یہ ارشاد سُن کر شیخ علی بن الہیتی اُٹھ کر منبر کے قریب گئے اور غوث پاکؒ کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھ لیا۔ اس شعر میں اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ تمام اولیاء کرام، غوثوں اور قطبوں کی گردنوں پر حضرت غوث اعظمؒ کا قدم مبارک ہے۔ آپ کے لنگر خانے سے ہر شخص برتن بھر کر کھانا لے جاتا ہے۔

Marfat.com

(20)

سُن فریاد پیراں دے پیرا دھکا دئیں نہ مینوں
بیکساں دا والی توہیں شرم دتی رب تینوں

فرہنگ: پیراں دے پیرا: پیروں کا پیر مراد غوث پاک۔ بے کس: بے سہارا۔ شرم: حیا۔
ترجمہ: اے پیروں کے پیر یا غوث اعظم دستگیرؒ! خدا کے لیے آپ میری فریاد سنیں اور مجھے اپنے دروازے سے نہ دھتکاریں۔ اگر آپ نے مجھے دھتکار دیا تو پھر دنیا میں میرا کوئی سہارا نہ ہوگا۔ میں ٹھکرایا ہوا بے سہارا انسان ہوں اور آپ کی محبت، رحمت اور برکت کا طلبگار ہوں۔ آپ کو اللہ نے عزت اور شرم و حیا عطا کی ہے۔ میں صرف آپ کے در پر سوالی بن کر آیا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے مایوس اور نامراد واپس نہیں بھیجیں گے۔

(21)

عاجز نردھن اُس دے در تے لکھ نعامت کھاندے
ہک دمڑی دا تحفہ لے کے دیندا دان لکھاں دے

فرہنگ: عاجز: کمزور۔ نردھن: غریب۔ نعامت: نعمت۔ دان: بخشش۔ دمڑی: ایک سکہ
ترجمہ: غریب غربا، کمزور، لاچار، بے کس اور بے سہارا لاکھوں لوگ حضرت پیرا شاہ غازی قلندرؒ المعروف دمڑی والی سرکار کے دربار پر حاضر ہو کر طرح طرح کی نعمتیں کھاتے ہیں۔ میرا مرشد کس قدر عظیم ہے کہ صرف ایک دمڑی یعنی معمولی سکّے کا تحفہ لے کر لاکھوں روپوں کی بخشش کر دیتا ہے۔

(22)

بادشاہاں دا پیر کہاوے پیراں شاہ کر جاتا
پیرا شاہ قلندر غازی نت سوا لکھ داتا

فرہنگ: پیر: مرشد۔ جاتا: جانا۔ نت: ہمیشہ۔ سوالکھ داتا: زیادہ بخشش کرنے والا۔
ترجمہ: پیرا شاہ قلندر بڑے بڑے بادشاہوں کا بھی پیرو مرشد ہے۔ علاوہ ازیں بڑے بڑے پیر بھی اُسے اپنا مرشد اور ہادی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ پیرا شاہ قلندر غازی ہے اور وہ لوگوں پر ہمیشہ بخشش کرتا ہے۔ اس لیے لوگ اُسے سوالکھ داتا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

Marfat.com

(23)

مردا ہمت ہار نہ مُولے مت کوئی کہے نمردا
ہمت نال لگے جس لوڑے پائے باجھ نہ مردا

فرہنگ: مردا: اے جوان۔ مولے: ہرگز۔ نمردا: بزدل۔ لوڑے: ضرورت۔ باجھ: بغیر۔

ترجمہ: حضرت میاں محمد بخشؒ کا فلسفہ ہے کہ ہمت اور جوانمردی ''مردوں کا زیور'' ہے۔ جو مرد ہمت و جواں مردی سے زندگی میں کام لیتا ہے وہ ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ اے مرد! ہرگز ہمت نہ ہارنا اور ہمت سے ہمیشہ کام لینا ورنہ لوگ تجھے نامرد، بزدل، کمزور اور کم حوصلہ ہونے کا طعنہ دیں گے۔

(24)

جاں تک ساس نراس نہ ہوویں ساس ٹٹے مڑ آسا
ڈھونڈھ کرن تھیں ہٹیں ناہیں ہٹ گئیوں تاں ہاسا

فرہنگ: جاں تک: جب تک۔ ساس: سانس۔ نراس: مایوس۔ ہاسا: مذاق، ہنسی۔

ترجمہ: اے جواں مرد! جب تک سینے میں سانس ہے اور جب تک جان میں جان ہے کبھی مایوس نہ ہونا۔ اگر کبھی ہمت جواب دے جائے تو پھر نئے سرے سے اُمید باندھ لینا کیونکہ مایوسی گناہ ہے۔ جس منزل کی تلاش کے لیے گھر سے نکلے ہو۔ اس کو تلاش کرنے سے کبھی نہ رکنا، کبھی پیچھے نہ ہٹنا۔ اگر تم پیچھے ہٹ گئے تو لوگ تمہارا مذاق اُڑائیں گے۔

(25)

جھل جھل ہار نہ ہاریں ہمت ہک دن پھرسی پاسا
بُھکھا منگن چڑھے محمد اوڑک بھردا کاسا

فرہنگ: جھل جھل: برداشت کرنا۔ ہک دن: ایک روز۔ پاسا: رخ۔ اوڑک: آخر کار۔ کاسا: پیالہ، کشکول۔

ترجمہ: اے جواں مرد! اگر کوشش کرنے کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے تو مایوس نہ ہو جانا، پھر سے کوشش کرنا۔ یوں ناکامیاں برداشت کر کے ہمت نہیں ہارنا چاہیے بلکہ مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ منزل کی طرف بڑھتے رہنا چاہیے۔ یقیناً ایک دن پانسہ ضرور

Marfat.com

پلٹ جائیگا اور کامیابی حاصل ہوگی۔ اس امر کی مثال یہ ہے کہ اے محمد بخش! اگر کوئی بھوکا فقیر گھر سے مانگنے کے لیے نکلے تو آخر کار اُس کا پیالہ بھیک سے بھر جاتا ہے۔

(26)

بات مجازی رمز حقانی ون وناں دی کاٹھی
سفر العشق کتاب بنائی سیف چھپی وچ لاٹھی

فرہنگ: مجازی: عارضی۔ حقانی: حقیقت۔ رمز: علامت۔ ون وناں: طرح طرح۔
سیف: تلوار۔

ترجمہ: یہ قصہ سیف الملوک بظاہر عشق مجازی یا دُنیاوی عشق کا قصہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں یہ حقیقی عشق کی داستان ہے۔ میں نے جگہ جگہ سے طرح طرح کی لکڑی اکٹھی کی ہے اور پھر اس سے عشق کے سفر کی کہانی تیار کی ہے۔ جس طرح مختلف اقسام کے درختوں سے لکڑیاں حاصل کر کے گھر تعمیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح میں نے بھی مختلف کہانیوں کی مدد سے حقیقی عشق کے ارتقاء کی کہانی لکھی ہے۔ اس لیے یہ بظاہر ایک لاٹھی نظر آ رہی ہے مگر اندر اس کے تلوار چھپی ہوئی ہے۔

(27)

جنہاں طلب قصے دی ہوسی سُن قصہ خوش ہوسن
جنہاں جاگ عشق دی سینے جاگ سویلے روسن

ترجمہ: جو لوگ قصہ کہانی سننا پسند کرتے ہیں وہ قصہ سن کر خوش ہوں گے۔ لیکن جن لوگوں کے سینے میں عشق کی آگ روشن ہے وہ صبح سویرے اُٹھ کر شہزادہ سیف الملوک کے دُکھ یاد کر کے رونا شروع کر دیں گے۔

(28)

قصے ہور کسے دے اندر درد اپنے جھ ہوون
بن پیڑاں تاثیراں ناہیں بے پیڑے کد روون

فرہنگ: بن پیڑاں: درد کے بغیر۔ تاثیر: اثر۔ بے پیڑے: درد کے بغیر۔

ترجمہ: اس شعر میں حضرت میاں محمد بخشؒ نے بہترین شاعری کا ایک اُصول بیان فرمایا

Marfat.com

ہے کہ شاعر بے شک کسی دوسرے شخص کا قصہ بیان کرے لیکن اس میں اپنا درد اور سوز بھر دے کیونکہ درد کے بغیر شعر میں اثر پیدا نہیں ہوتا۔ سچ ہے کہ جس شخص کو درد محسوس نہ ہو وہ کبھی نہیں روتا۔ چنانچہ جب قصے میں درد اور دکھ بھر دیا جاتا ہے تو قصہ پُرتاثیر بن جاتا ہے۔

(29)

درد منداں دے سخن محمد دیہن گواہی حالوں
جس پلّے پھُل بدھے ہوون آوے باس رمالوں

فرہنگ: دردمند: ہمدرد۔ سخن: شاعری۔ باس: خوشبو۔ پلّے: رومال

ترجمہ: اے محمد بخش! جو لوگ اپنے دل میں درد اور سوز رکھتے ہیں اُن کی باتوں اور شاعری سے دردمندی، انسانی ہمدردی، عاجزی اور انکساری ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس رومال کے پلّو میں پھول بندھے ہوئے ہوں اُس رومال سے پھولوں کی خوشبو آتی ہے۔

(30)

جنہاں عشق خرید نہ کیتا ایویں آ بگتے
عشقے باجھ محمد بخشا کیا آدم کیا کُتے

فرہنگ: خریدکرنا: اختیارکرنا۔ آبگتے: آوارہ پھرنا۔ کیا آدم: کیا انسان۔

ترجمہ: جن لوگوں نے عشق مجازی یا عشق حقیقی کا کبھی مزہ نہ چکھا اور دنیا میں عشق کے بغیر ہی زندگی بسر کرتے رہے تو گویا اُن لوگوں نے اپنی زندگی برباد کرلی۔ کیونکہ عشق ہی آدمی کو انسان بناتا ہے۔ اس میں انسانیت، احساس، دُکھ درد اور سوز پیدا کرتا ہے۔ اے، محمد بخش! عشق کے بغیر انسان اور کُتے میں کوئی فرق نہیں جیسے کُتے آوارہ پھرتے ہیں ویسے ہی انسان بھی عشق کے بغیر آوارہ پھرتے ہیں۔

(31)

جس دل اندر عشق نہ رچیا کُتے اُس تھیں چنگے
خاوند دے گھر راکھی کردے صابر بھُکھے ننگے

فرہنگ: رچیا: بسا۔ چنگے: بہتر۔ خاوند: مالک۔ راکھی: حفاظت۔

ترجمہ: حضرت میاں صاحب کا نظریہ ہے کہ انسان کی تکمیل کے لیے عشق کرنا بے حد

Marfat.com

ضروری ہے ورنہ انسان ادھورا رہ جاتا ہے۔اس لیے فرمایا کہ جس انسان کے دل میں عشق کی آگ نہیں بھڑکتی، اُس انسان سے تو کُتے ہی اچھے اور بہتر ہیں کہ وہ اپنے مالک کے عشق میں مبتلا اس کے گھر کی حفاظت تو کرتے ہیں۔ بے شک اُن کوکھانا کھانے کو نہ دو پھر بھی مالک سے وفاداری کرتے ہیں۔اے انسان تیرا مالک خداوند کریم جو تجھے روزی روٹی دیتا ہے، پہننے کے لیے کپڑا دیتا ہے، تو پھر بھی اس کی عبادت نہیں کرتا اور نہ ہی اُس کے عشقِ حقیقی میں مبتلا ہوتا ہے۔

(32)

عشقوں باجھ ایمان کویہا کہن ایمان سلامت
مرکے جیون صفت عشق دی دم دم روز قیامت

فرہنگ: باجھ: بغیر۔ کویہا: کیسا۔ صفت: تعریف۔

ترجمہ: ایمان کی پختگی کی شرط عشق سے مشروط ہے۔عشق کے بغیر ایمان کی پختگی مشکوک ہے۔لہٰذا صحیح ایمان وہی ہے جو عشق کو ساتھ لیے ہوئے ہے۔کیونکہ عشق کو قدم قدم پر بے شمار مصائب، تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔عشق ہر روز موت کا سامنا کرتا ہے اور پھر سے زندہ ہوتا ہے۔لہٰذا جس ایمان میں عشق شامل ہے وہی اصل ایمان ہے۔

(33)

پُل صراط عشق دا پینڈا سو جانے جو ٹُردا
آس بہشت دلیری دیندا نرگ وچھوڑا کھڑدا

فرہنگ: پُل صراط: بال کی مانند باریک پُل ہے جس پر سے گزر کر جنت میں داخل ہونا ہوگا۔ پینڈا: سفر۔ نرگ: دوزخ۔ کھڑدا: لیجانا۔

ترجمہ: عشق کی منزل کا راستہ پُل صراط کی مانند بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ عاشق کو اُس دشوار گزار راستے پر چلنا پڑتا ہے۔ جو عاشق اُس راستے پر چلتا ہے وہی راستے کی دشواریوں سے واقف ہوتا ہے۔ عاشق جب اُن مشکلات پر قابو پالیتا ہے تو وہ بہشت کے قریب ہو جاتا ہے اور دوزخ سے دُور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

(34)

چوراں نوں توں قطب بنایا میں بھی چور اُچکا
جس در جانواں دھکے کھانواں ہک تیرا در تکا

فرہنگ: قطب: اولیاء اللہ کا ایک درجہ۔ در: دروازہ۔ تکا: دیکھوں۔

ترجمہ: اس شعر میں شاعر نے تلمیح استعمال کی ہے جو اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایک چور چوری کی غرض سے سیدنا غوث اعظم کے گھر میں داخل ہوا۔ آپ نے اُسے پکڑ لیا۔ اُس نے معافی مانگی اور آئندہ کے لیے چوری سے توبہ کرلی۔ آپ نے اُسے قطب کا درجہ عطا کر دیا اس چور یعنی قطب کی قبر بغداد میں آپ کے مزار کے احاطہ میں اب بھی موجود ہے۔

حضرت میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں کہ یا میراں! آپ نے اپنی نظر کرم سے ایک چور کو قطب کا عظیم درجہ عطا کر دیا۔ میں بھی ایسا ہی ایک چور ہوں۔ جس دروازے پر جا کر سوال کرتا ہوں وہاں کے لوگ مجھے دھتکارتے ہیں۔ اب تو مجھے صرف آپ کا ہی دروازہ ایسا نظر آتا ہے جہاں سے مجھے نجات اور بخشش حاصل ہو سکتی ہے۔

(35)

پردہ پوشی کم فقر دا میں طالب فقراواں
عیب کسے دے پھول نہ سکاں ہر ہک تھیں شرماواں

فرہنگ: پردہ پوشی: عیبوں پر پردہ ڈالنا۔ فقر: درویشی۔ طالب: چاہنے والا۔ پھولنا: ڈھونڈنا

ترجمہ: لوگوں کے عیبوں اور گناہوں پر پردہ ڈال کر چھپانا فقیروں اور درویشوں کا کام ہے اور میں فقیروں کا خدمت گزار اور ان سے محبت کرنے والا درویش ہوں۔ میں کسی کے عیب اور برائیاں تلاش کرتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہوں۔ کیونکہ میں خود گناہ گار اور عیوب سے بھرا ہوا ہوں۔

(36)

کیسر ستا ہے کشمیرے پچھو مُل لاہوروں
پستہ تے بادام محمد ستے ملن پشوروں

فرہنگ: کیسر: زعفران۔ مُل: قیمت۔ پشوروں: پشاور سے۔

ترجمہ: حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں کہ زعفران کشمیر میں پیدا ہوتا ہے اس لیے کشمیر

Marfat.com

میں سستا بکتا ہے اگر اس کی قیمت لاہور سے پوچھو تو وہاں مہنگا فروخت ہوتا ہے۔ اسی طرح پستہ اور بادام پشاور سے سستے ملتے ہیں۔ دیگر شہروں میں وہ مہنگے داموں بکتے ہیں۔ میرے علاقہ کھڑی شریف کے لوگ میرے کلام کی قدرو قیمت سے واقف نہیں ہیں جبکہ دوردراز علاقوں کے لوگ میرا کلام پسند کرتے ہیں۔ جیسے لندن، بریڈفورڈ میں میاں صاحب کا کلام بے حد قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

(37)

میں شوہدا مر خاک ریلساں جھل ہجر دی کانی
جے رب سچے روشن کیتے رہسن سخن نشانی

فرہنگ: شوہدا: بے چارہ۔ ریلساں: مل جاؤں گا۔ جھل: برداشت۔ کانی: تیر۔

ترجمہ: میں غریب بے چارہ کمزور شخص جدائی کا تیر کھا کر مر جاؤں گا اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جاؤں گا۔ اگر سچے رب کو منظور ہوا تو میرے یہ اشعار میری موت کے بعد بھی چراغوں کی مانند روشن رہیں گے اور میرا نام ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

(38)

چاہیے عشق سپاہی ایسا میں نوں مار گواوے
تھانہ کڈھ طبیعت والا صفتاں سبھ بدلاوے

فرہنگ: مَیں: تکبر، غرور۔ تھانہ: پولیس کا دفتر۔ صفتاں: خوبیاں۔

ترجمہ: عشق کو سپاہی کی مانند سخت مزاج، اکھڑ اور زبردست ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی سختی سے دل کے اندر چھپے ہوئے تکبر اور غرور کو ڈنڈے مار مار کر ختم کر دے اور طبیعت میں موجود تھانے یعنی خود داری اور نفس پرستی کو نکال کر باہر پھینک دے اور تمام رذیل عادتوں، خواہشوں اور اُمنگوں کو نیک عادتوں اور خصلتوں میں تبدیل کر دے۔

(39)

سُکے پیر ندی تھیں لنگھن وچ سمندر چل دے
ہرگز مثل سمندر کیڑے آتش وچ نہ جل دے

فرہنگ: سُکے پیر: خشک پاؤں۔ لنگھن: گزرتے ہیں۔ سمندر: ایک کیڑا جو آگ میں پیدا

Marfat.com

ہوتا، آگ کھاتا ہے اور آگ میں ہی مرجاتا ہے۔ آتش: آگ۔ مثل: مانند۔

ترجمہ: اللہ کے نیک بندے یعنی صوفیاء کرام ندی میں سے گزر جاتے ہیں مگر ان کے پاؤں تک گیلے نہیں ہوتے بلکہ خشک رہتے ہیں۔ وہ سمندر میں بھی ایسے ہی چلتے ہیں جیسے خشک زمین پر چلتے ہیں۔ یہاں تک کہ آگ بھی ان کو جلا نہیں سکتی۔ جس طرح پارسیوں کے معبدوں میں جہاں دن رات سینکڑوں برس تک مسلسل آگ جلتی رہتی ہے وہاں ایک ایسا کیڑا پیدا ہو جاتا ہے جس کو سمندر کہتے ہیں۔ وہ کیڑا آگ میں جنم لیتا ہے، آگ کھاتا ہے اور آگ میں ہی مرکر راکھ ہو جاتا ہے مگر آگ اسکو جلا نہیں سکتی۔ اسی طرح اللہ والوں کو آگ جلا نہیں سکتی۔

(40)

اوّل الف اکلّا ہوویں نقطے چھوڑ جنجالی

بکّو صورت ہندسہ دی بہت حسابوں خالی

فرہنگ: اول: پہلی بات۔ جنجالی: عذاب۔ حسابوں: حساب سے۔

ترجمہ: میں تمہیں عشق اختیار کرنے کا طریقہ بتاتا ہوں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ الف حرف کی طرح اکیلا ہو جا۔ نقطوں کا عذاب چھوڑ دے جس طرح الف (ا) کے اوپر نیچے کوئی نقطہ نہیں ہوتا ایسے ہی تمام رشتوں ناطوں اور دوستوں یاروں کے جنجال سے باہر نکل آ۔ کسی سے کوئی رشتہ اور تعلق نہ رکھ۔ ایک صورت، ایک حرف اور ایک ہندسہ بن جا اور ہر قسم کے حساب کتاب سے پاک صاف ہو جا۔

(41)

کتّیں سوت اخلاص عمل دا بیٹھ نورے دی لوئی

پان پریت دُکان دُکھاں دی اُنے کریگر کوئی

فرہنگ: کتیں سوت: سوت کاتنا۔ اخلاص: خلوص۔ لوئی: کمبل۔ اُنے: بُننا۔ کریگر: کاریگر۔

ترجمہ: اے دوست تم خلوص اور نیک اعمال کا سُوت کات کر نُور کا کمبل بناؤ۔ فارغ بیٹھنے سے یہی کام بہتر ہے کہ تم نیک اعمال کرتے رہو۔ محبت کرنا دکھوں کی دکان کھولنے کے برابر

Marfat.com

ہے۔لیکن کوئی کوئی کاریگر اس دکان پرنور سے کمبل بننے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔یعنی نیک لوگ بُرے اور گندے ماحول میں بھی اپنا دامن پاک اور صاف رکھتے ہیں۔

(42)

چیتا چیتا کنڈ نہ دیویں عشق لڑائیوں اڑیا
سولے جاسی برخورداری جو اس سُولی چڑھیا

فرہنگ: چیتا چیتا: یادرکھنا۔ کنڈ: پشت۔ سولے: آسانی سے۔ برخورداری: خدمت۔

ترجمہ: میری اس نصیحت کو ہمیشہ یادرکھنا کہ عشق کی جنت میں کبھی پیٹھ نہ دکھانا یعنی کبھی ہار نہ ماننا بلکہ مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔اگر تو عشق کی سُولی پر چڑھ گیا تو آسانی سے دنیاوی دولت سے پیچھا چُھوٹ جائیگا۔

(43)

ہالی لوک کریندے واہیاں سِکدے دُھپے سڑدے
سارے رنج بھُلّے جدرج کے مِن پائیاں گھر کھڑدے

فرہنگ: ہالی: کسان۔ واہیاں: کھیتی باڑی۔ مِن: ناپ،تول۔ پائیاں: وزن کا پیمانہ۔ کھڑدے: لیجاتے ہیں۔

ترجمہ: ہل چلانے والے کسان سارا دن سخت دھوپ میں ہل چلاتے ہیں۔ وہ دھوپ میں سوکھتے اور سڑتے ہیں اور موسم کی سختیاں برداشت کرتے ہیں۔لیکن جب پائیوں کے حساب فصل گھر لے جاتے ہیں تو سارے دُکھ، سختیاں اور مصائب بھول جاتے ہیں۔

(44)

جے دلبر مونہہ لائے ناہیں توں مُکھ مول نہ موڑیں
ڈونگھی ندی عشق دی اندر جیو جامہ سب بوڑیں

فرہنگ: منہ نہ لانا: پسند نہ کرنا۔ مُول: ہرگز۔ جیو: دل۔ جامہ: لباس۔ بوڑیں: ڈبو دینا۔

ترجمہ: اے دوست! اگر محبوب تم سے بات کرنا بھی پسند نہ کرے اور تم سے نفرت کا اظہار کرے تب بھی اُس سے مایوس نہ ہونا اور نہ ہی اس کا دروازہ چھوڑنا۔ کیونکہ عشق کی ندی بہت گہری ہے۔ اس ندی میں اپنا دل، اپنا لباس، جسم اور جان سب کچھ ڈبو دینا تب جا کر تمہیں

Marfat.com

کامیابی حاصل ہوگی۔

(45)

آسے آسے گئی جوانی فکر پیا ہن ایہا
کالیاں رنگ وٹایا گورا آیا موت سنیہا

فرہنگ: آسے: اُمید۔ ایہا: یہ۔ کالیاں رنگ وٹایا گورا: کالے بال سفید ہو گئے۔ سنیہا: پیغام

ترجمہ: اُمید ہی اُمید میں جوانی کا زمانہ گزر گیا۔ اب میرے کالے بال سب سفید ہو گئے ہیں یعنی بڑھاپا آ گیا ہے۔ اب مجھے فکر لگ گئی ہے کہ موت بہت قریب آ گئی ہے اور میں مطلب، مقصد کو ابھی تک حاصل نہیں کر پایا۔

(46)

جان کندن دی تلخی ڈاہڈی سُن گلاں تن کنبے
پک کتابیں خبراں اگے دوزخ بھاہ الّبے

فرہنگ: جان کندن: نزع کا عالم۔ تلخی: مصیبت۔ بھاہ: اگ۔ الّبے: شعلے۔

ترجمہ: جس وقت انسان کے جسم سے جان نکل رہی ہوتی ہے اُس وقت انسان کو بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ یہ باتیں سُن کر جسم کانپ اُٹھتا ہے۔ قران مجید، احادیث اور تفاسیر میں یہ درج ہے کہ گنہگاروں کے لیے دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ اور بھڑکتے ہوئے شعلے ہوں گے۔

(47)

پڑھنا علم ضرور بندے نوں کیتا فرض الٰہی
کردا علم دلے نوں روشن ہوندی دُور سیاہی

فرہنگ: دلے: دل۔ روشن: جگمگاتا۔ سیاہی: کالک۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ اس لیے ہر بندے کو علم ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ کیونکہ علم دل اور روح کو روشن کرتا ہے اور دل کی سیاہی یا کالک یا اندھیرا دُور ہوتا ہے۔

Marfat.com

(48)

علمے کارن دنیا اُتے آون ہے انساناں
سمجھے علم وجود اپنے نوں نہیں تاں وانگ حیواناں

فرہنگ: کارن: سبب۔ وانگ: مانند۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم حاصل کرنے کے لیے دنیا میں بھیجا ہے۔ اس کا دنیا میں آنے کا پہلا مقصد حصولِ علم ہے۔ لہٰذا انسان کو سمجھنا چاہیے کہ اگر اُس کے پاس علم کی دولت ہے تو اسکی ہستی اور وجود قائم ہے۔ اگر نہیں تو پھر اُس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(49)

حکمے باجھ نہ نکلن ہوندا جے سو کرے تیاری
پنکھی پتنگ پیا وچ پنجرے کیونکر کرے اُڈاری

فرہنگ: حکمے: اللہ کا حکم۔ پنکھی: پرندہ۔ پتنگ: پروانہ۔ اُڈاری: پرواز

ترجمہ: اگر انسان سفر پر جانے کی سو مرتبہ بھی تیاری کرے لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہوتا وہ گھر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ پنچھی پنجرے میں قید ہوتا ہے، وہ آزاد ہونا چاہتا ہے مگر اللہ کے حکم کے بغیر وہ کیسے پرواز کرسکتا ہے۔

(50)

عاشق دا جو دارو دسّے باجھ ملاپ سجن دے
اوہ سیانا جان ایانا روگ نہ جانے من دے

فرہنگ: دارو: علاج۔ باجھ: بغیر۔ سیانا: عقل مند۔ ایانا: بے وقوف۔ روگ: مرض۔

ترجمہ: جو شخص عشق کے روگ کا علاج محبوب کے ملاپ کے بغیر تجویز کرتا ہے وہ عقل مند نہیں بلکہ بے وقوف ہے۔ جو دل کے روگ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ عشق کے روگ کا شافی علاج محبوب کا ملاپ ہے۔ اس سے عاشق کے دل کو خوشی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

Marfat.com

(51)

دنیا دی ہر مشکل تائیں دولت کرے آسانی
ڈاہڈے قفل اُتارے ایہہ بھی کنجی ہے رحمانی

فرہنگ: ڈاہڈے: سخت۔ قفل: تالے۔ کنجی: چابی۔ رحمانی: اللہ کی۔

ترجمہ: دولت ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے دنیا کی ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ جو کام کسی طرح حل نہ ہوتا ہو وہ دولت کے بل بوتے پر حل ہو جاتا ہے۔ دولت اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ایک ایسی چابی ہے جس سے ہر قسم کا تالا کھل جاتا ہے یعنی ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔

(52)

صبر کریں تاں اجر ملے گا آئی خبر کتابوں
صبر اوتارے قفل محمد ہر ہر مشکل بابوں

فرہنگ: اجر: معاوضہ۔ کتابوں: قران مجید سے۔ قفل: تالا۔ بابوں: دروازے کا۔

ترجمہ: میں نے یہ خبر یہ اطلاع اور معلومات قران مجید فرقان حمید سے حاصل کی ہیں کہ جو شخص صبر سے کام لیتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ اجر یعنی پھل عطا کرتا ہے۔ کیونکہ صبر سے ہر مشکل سے مشکل مسئلے کا تالا کھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنّ اللہ مع الصابرین"

(53)

جے لکھ عقل تمیزاں کریئے اوڑک ہونی ہونا
ہسدیاں کھیڈدیاں کس بھاوے بیٹھ غماں وچ رونا

فرہنگ: تمیزاں: ادب آداب۔ اوڑک: آخرکار۔ ہونی: تقدیر۔ بھاوے: اچھا لگنا۔

ترجمہ: بلاشبہ لاکھ عقل، سمجھ بوجھ اور شعور و ادب سے کام لیا جائے لیکن آخر کار وہی ہوتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔ یعنی تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے۔ تقدیر کے لکھے کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ ورنہ کسی کو بھی اچھا نہیں لگتا کہ وہ ہنسنا، کھیلنا چھوڑ کر غموں اور دکھوں کو اپنا کر رونے بیٹھ جائے۔

Marfat.com

(54)

اندر عشق جلاندا جیونکر آتش سُکیاں پتّاں
مت نہیں دل میرا مندا مت ہن دیو متّاں

فرہنگ: آتش: آگ۔ سُکیاں پتاں: سوکھے پتے۔ مت: نصیحت۔ مت: نہ۔

ترجمہ: مجھے عشق اندر ہی اندر اس طرح جلاتا جارہا ہے جس طرح آگ سوکھے پتوں کو جلاتی ہے، یعنی میرے دل میں آگ کا الاؤ جلتا ہے۔ اب میرا دل کسی نصیحت کو قبول نہیں کرتا۔ اس لیے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اب کسی قسم کی کوئی نصیحت نہ کریں کیونکہ اب مجھ پر کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔

(55)

آپوں ٹھوکر لائی شیشے بھج ہویا ہن ٹکڑے
کیونکر پاج لگی ہن ثابت جے لایئے سو اوکڑے

فرہنگ: بھج: ٹوٹ جانا۔ پاج: عیب، خامی۔ اوکڑے: کوششیں۔

ترجمہ: افسوس صد افسوس! میں نے خود ہی نازک شیشے کو ٹھوکر مار کر توڑ دیا ہے۔ اب وہ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ اب بے شک سو سو کوششیں اور جتن کریں اور کتنا ہی زور کیوں نہ لگائیں۔ اب ان ٹکڑوں کو آپس میں جوڑنا ناممکن ہے۔ اگر جوڑ بھی لیا جائے تو ان ٹکڑوں کے درمیان میں بال برابر خامی یا عیب ضرور رہ جائیگا۔ خیال رہے دل بھی ایک آئینہ ہے جو غم والم کے زور سے ٹوٹ جاتا ہے۔

(56)

کس سنگ پھولاں دُکھ سجن دے سُول ہڈاں وچ وڑیا
دل وچ یار محمد کاہنوں اوراں پُچھاں اڑیا

فرہنگ: سنگ: ساتھ۔ سُول: درد۔ کاہنوں: کس لیے۔ اوراں پُچھاں: دوسروں سے پوچھوں

ترجمہ: میں کسی دوست اور ساتھی کے ساتھ اپنے دُکھ درد کیسے بانٹوں۔ دُکھ درد تو میری ہڈیوں میں رچ بس گئے ہیں۔ اے محمد! جب دل کی گہرائیوں میں دوست رہتا ہو تو دوسروں سے کیوں پوچھوں کہ میرا یار کہاں ہے۔؟

Marfat.com

(57)

چار دہاڑے عمر جوانی کر لئے عیشاں موجاں
سدا نہیں ایہہ دولت دنیا سدا نہ لشکر فوجاں

فرہنگ: دہاڑے: دن۔ عیشاں: عیش وعشرت۔ موجاں: بہاراں۔ سدا: ہمیشہ۔

ترجمہ: اے انسان! اس دنیا کی زندگی صرف چار دن کی ہے یعنی بے حد مختصر ہے۔ تمہاری جوانی کی عمر ہے اس لیے خوب عیش وعشرت کرو۔ موج بہار میں زندگی کے یہ چار دن گزار دو۔ اس دنیا کی دولت ہمیشہ ساتھ نہیں رہتی اور نہ ہی لشکر اور فوجیں ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔ بابر نے سچ کہا تھا: بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔

(58)

توڑے کُتے بن کے رہیئے وچ وطن دیاں گلیاں
در در جھڑکاں سہیئے تاں بھی فیر پردیسوں بھلیاں

فرہنگ: توڑے: بے شک۔ سہیئے: برداشت کریں۔ بھلیاں: اچھی ہیں۔

ترجمہ: اگر کوئی شخص اپنے وطن میں کُتا بن کر رہے۔ مراد یہ ہے کہ اُسکی وطن میں کوئی عزت نہ ہو اور جہاں بھی وہ جائے لوگ اُسے جھڑک دیں دھتکار دیں، تب بھی وہ پردیس یعنی غیر وطن سے بدرجہا بہتر ہے۔

(59)

بھلکے موت آئی جس ویلے سے افسوس کریں گا
عملاں باجھ نہ تُلہ شناہیں کویں سمندر تریں گا

فرہنگ: بھلکے: آنے والی کل۔ سے100: سینکڑوں۔ تُلہ: کشتی۔ شناہیں: تیرا کی

ترجمہ: کل یعنی آنے والے زمانے میں جب تجھے موت اپنی آغوش میں لے لے گی تو پھر تجھے بے حد افسوس اور پچھتاوا ہوگا۔ انسان کے نیک اعمال کشتی کی مانند ہوتے ہیں جس میں وہ بیٹھ کر اگلے جہان کا سمندر عبور کرتا ہے۔ مگر تیرے پاس گھاس پھونس کی عارضی کشتی بھی تو نہیں ہے۔ تُو اگلے جہان میں اتنے وسیع سمندر کو کیسے عبور کرے گا۔

Marfat.com

(60)

نہ کوئی رُو ملاحظہ اوتھے نہ کوئی عذر بہانہ
جو کجھ کریں سویو مِلسی ڈاہڈا عدل شہانہ

فرہنگ: رُوملاحظہ: جان پہچان۔ عذر: بہانہ۔ مِلسی: ملے گا۔ ڈاہڈا: زبردست۔

ترجمہ: اگلے جہان میں جان پہچان، لحاظ، واقفیت اور سفارش کوئی چیز کام نہیں آئے گی اور نہ ہی کوئی حیلہ بہانہ چلے گا۔ اے انسان! تو جو نیک اعمال اس دنیا میں کرے گا وہی اگلے جہان میں تیرے کام آئیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا شاہی اور سخت انصاف والا عدالتی نظام ہے۔

(61)

عورت کت سی تاہیں لاسی کڑتا سُتھن سلاری
مرد کپّے گا سویو کھیتی جس دا بیج کھلاری

فرہنگ: کت سی: چرخہ کاتے گی۔ لاسی: پہنے گی۔ سلاری: شال۔ کپے گا: کاٹے گا۔

ترجمہ: عورت جب چرخہ کاتے گی تب ہی وہ کُرتا، شلوار اور شال تیار کر کے پہنے گی۔ مرد جس فصل کا بیج زمین میں بوئے گا اسی کی فصل کاٹے گا۔ یعنی انسان اس دنیا میں جس قسم کے اعمال کرے گا اُسی قسم کا پھل اگلے جہاں میں حاصل کرے گا۔

(62)

میرے جیڈ نہ ہووے کوئی دنیا تے دُکھیارا
جگ بدنام ملامت جوگا وٹے دار نکارا

فرہنگ: جیڈ: جیسا۔ دُکھیار: دُکھی۔ جگ: دنیا۔ جوگا: قابل۔ وٹے: پتھر۔

ترجمہ: میرے جیسا دکھی شخص اس دنیا میں کوئی اور نہ ہوگا۔ دنیا تو لوگوں کو بدنام اور لعنت ملامت کرنے والی ہے جو اپنے پاس پتھر رکھتی ہے اور وہ پتھر دیوانے عاشقوں کو مارتی ہے۔

(63)

خشکی رستہ خشک عبادت بِن سوزوں بِن دردوں
ایہہ عبادت ملکی بھائی ناہیں عارف مردوں

فرہنگ: سوز: جلن۔ بِن: بغیر۔ ملکی: فرشتوں۔ عارف: اللہ کو پہچاننے والا۔

Marfat.com

ترجمہ: خشک راستہ سے میری مراد خشک عبادت ہے جس میں دل کی جلن اور دل کا درد شامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اصل عبادت وہی ہے جو دل کی گہرائیوں سے سوز و درد اور خلوص نیت سے کی جائے۔ ایسی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کو جاننے اور پہچاننے والے عارف لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ فرشتے چونکہ جذبات و احساسات سے عاری ہوتے ہیں اس لیے ان کی عبادت خشک ہوتی ہے۔ جس میں سوز اور درد نہیں ہوتا۔

(64)

عشقے کارن آدم کیتا محرم یار یگاناں
آہے ملک عبادت جوگے کیہ حاجت انساناں

فرہنگ: کارن: خاطر۔ محرم: راز دار۔ یگاناں: یکتا۔ ملک: فرشتے۔ حاجت: ضرورت۔

ترجمہ: عشق کے جذبے کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا جو اللہ کے رازوں سے واقف ہے اور سب سے مختلف اور منفرد اللہ کا دوست ہے۔ ورنہ عبادت کرنے کے لیے بے شمار فرشتے موجود تھے۔ انسان کو پیدا کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

(65)

ہنجوں باراں دیہن بہاراں وانگن مینہ پھوہاراں
اوسے کوسے جل نہایا بیٹا نال پیاراں

فرہنگ: ہنجوں: آنسو۔ وانگن: طرح۔ مینہ پھوہاراں: بارش کی پھوہار۔ کوسے: ہلکے گرم۔

ترجمہ: سیف الملوک کی والدہ، دایہ اور محلات کی دیگر عورتیں سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی اور بارش بھی پورے زوروں پر تھی۔ جس طرح بارش میں بوندوں کی پھوار پڑتی ہے بالکل اسی طرح اُن عورتوں کے نیم گرم آنسوؤں کی بارش برس رہی تھی۔ انہوں نے آنسوؤں کے نیم گرم پانی سے شہزادہ سیف الملوک کو نہلا دیا۔

(66)

جے کجھ لاڈ پیار مانواں دا کیہ کیہ آکھ سُناواں
جے اج ماں ہوندی رو مردی کیہ پرواہ بھراواں

فرہنگ: آکھ: کہہ۔ پرواہ: خیال۔

Marfat.com

ترجمہ: حضرت میاں محمد بخشؒ کی والدہ ماجدہ آپ کی جوانی کے زمانے میں ہی فوت ہو چکی تھیں۔ اب شہزادہ سیف الملوک کی والدہ کا ذکر آیا تو ان کو اپنی والدہ صاحبہ یاد آ گئیں اور فرمانے لگے کہ مائیں اپنی اولاد سے کس قدر پیار کرتی ہیں اُسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آج اگر میری ماں زندہ ہوتی تو وہ میری فقیرانہ حالت دیکھ کر رو رو کر مر جاتی۔ میرے بھائیوں حضرت بہاول بخشؒ اور حضرت علی بخشؒ کو میری کوئی پرواہ نہیں ہے۔

(67)

جے اج مائی بابل میرے دنیا اُتے ہوندے
خستہ حالی ویکھ پُتر دی سُکھ نہ سوندے، روندے

فرہنگ: مائی: ماں۔ بابل: باپ۔ خستہ حال: بُرا حال۔ سُکھ: آرام سے۔

ترجمہ: آج اگر میری والدہ اور والد صاحب زندہ ہوتے اور وہ اپنے بیٹے کا بُرا حال (فقیرانہ) دیکھتے تو بے چین و بے قرار ہو جاتے اور زاروقطار روتے اور غم واندوہ کی وجہ سے رات کو چین کی نیند کبھی نہ سو سکتے۔

(68)

ہک اوہناں دا لعل پیارا خاک اندر رل سُتا
دوجا کنبدا لُکدا پھردا جیوں کر یانول کُتا

فرہنگ: لال: بیٹا۔ خاک: مٹی۔ رل سُتا: دفن ہو گیا۔ کنبدا: کانپتا۔ یانول: پاگل۔

ترجمہ: میاں شمس الدین کا ایک بیٹا یعنی حضرت میاں محمد بخشؒ کا چھوٹا بھائی حضرت علی بخش فوت ہو چکا ہے اور وہ مٹی کے اندر دفن ہو کر سو گیا ہے۔ دوسرا بیٹا یعنی میں میاں محمد بخش فقیر درویش عاجزوں مسکینوں کی مانند لوگوں سے ڈرتا، کانپتا اور چھپتا پھرتا ہوں۔ کیونکہ لوگ مجھے فقیر، درویش سمجھ کر تنگ کرتے ہیں۔

(69)

الوداع پیارے میرے تساں اساں رب بیلی
تیری جان حوالے اُس دے جیوندیاں پھیر میلی

فرہنگ: رب بیلی: خدا حافظ۔ جیوندیاں: زندہ رہے۔ میلی: ملیں گے۔

Marfat.com

ترجمہ: اے میرے پیارے بیٹے! الوداع، تمہارا اور ہمارا خدا حافظ ہے۔ وہی ہم سب کا دوست اور حفظ و امان میں رکھنے والا ہے۔ میں تمہیں خدا کی امان میں دیتا ہوں اگر زندہ رہے تو پھر ملاقات ضرور ہوگی۔

(70)

الوداع اے موتی سچے ہتھوں پیوَں سمندر
اِل قضا دی کر چھُٹ کھڑیوں لعل شہانہ سُندر

فرہنگ: سچے موتی: خالص کھرا موتی۔ اِل: چیل۔ قضا: موت۔ شہانہ: شاہی۔ سندر: خوبصورت۔
ترجمہ: اے میرے سچے اور خالص موتی! الوداع، تم میرے ہاتھوں سے پھسل کر سمندر میں گر رہے ہو۔ موت کی چیل نے زبردست جھپٹا مار کر شاہی قیمتی لعل مجھ سے چھین لیا ہے۔

(71)

جے کر نیک اولاد ہوئے گی رب ولّوں پھل پاسی
جے بدبخت ہویا تاں کاہنوں پیوَ اُس داغم کھاسی

فرہنگ: پھل پانا: کامیاب ہونا۔ بدبخت: بدقسمت۔ کاہنوں: کس لیے۔
ترجمہ: اگر ہماری اولاد نیک ہوگی تو اللہ کی مدد اور رحمت سے ضرور کامیاب ہوگی اور اگر بدقسمت بدبخت ہوگی تو اللہ اُسے ضرور سزا دے گا۔ والدین کو غم کھانے یا فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(72)

مشکل پاون والا آپوں آپوں ہے حل کردا
عاشق نوں لا روگ پرم دا میل سجن ول کردا

فرہنگ: مشکل: مصائب۔ روگ: مرض۔ پرم: محبت۔ میل: ملاپ۔ ول: تندرست۔
ترجمہ: اللہ تعالیٰ انسان کے سامنے خود ہی مشکلات کی دیوار کھڑی کر دیتا ہے اور پھر خود ہی ان مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔ وہی مرض دیتا ہے اور وہی پھر علاج کر کے صحت مند تندرست کر دیتا ہے۔ وہی عاشق کو محبت کا روگ لگاتا ہے پھر خود ہی اس کی ملاقات محبوب سے کروا کے اُسے صحت مند کر دیتا ہے۔ یہ سب مولا کریم کے رنگ ہیں۔

Marfat.com

(73)

خاکوں صورت سندر کر کے پھیر رُلائے گھٹے
پھُل کھڑائے بُوٹے وچوں پھیر پتر کھوہ سٹے

فرہنگ: خاکوں: مٹی سے۔ سندر: خوبصورت۔ گھٹے: گردوغبار۔ بُوٹے: پودے۔
پتر: پتے۔ کھوہ: بکھیرنا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے مٹی میں سے کیسی کیسی خوبصورت شکلیں بناتا ہے۔ پھر جب چاہتا ہے اُن کو مُردہ کر کے مٹی میں ملا دیتا ہے۔ وہی پودے سے پھول کھلاتا ہے اور پھر اُسکی پتیاں نوچ نوچ کر خود ہی بکھیر دیتا ہے۔ وہ قادر اور مالک ہے۔

(74)

سِپّاں اندر مانک موتی مدت قید کراندا
قیدوں کڈھ نوازے اوہناں بہتا مُل تراندا

فرہنگ: سِپّاں: سیپ، صدف۔ مانک: موتی۔ نوازے: عطا کرے۔ مُل: قیمت۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی کمال ہے وہ سمندر کی سیپ کے اندر قیمتی موتی ایک عرصے تک قید رکھتا ہے۔ پھر جب وہ چاہتا ہے اُس موتی کو سیپ سے نکال کر اُسے قیمتی بنا دیتا ہے۔ گویا اُس کا قید میں رہنا اُس کے مرتبے کی دلیل ہے۔ یعنی قید کی صعوبتیں برداشت کر کے ہی قیمتی آزادی ملتی ہے۔

(75)

کدے پیار کرے ہتھ پھیرے جیوں سر چُمیں مائی
کدے چھُری پھڑ لاہے کھلاں جیونکر لاہن قصائی

ترجمہ: آسمان بھی عجیب وغریب چیز ہے اس کا مزاج انسان کی سمجھ سے بالا تر ہے۔ کیونکہ یہ کبھی انسان پر اس قدر مہربان ہو جاتا ہے کہ ماں کی طرح اُس کے جسم پر ہاتھ پھیرتا، پیار کرتا ہے اور اُس کا منہ چومتا ہے مگر جب قہر ڈھانے پر آتا ہے تو قصائی کی طرح ہاتھ میں چھری پکڑ کر انسان کے جسم کی کھال اُتارتا ہے اور اُسے ذبح کر ڈالتا ہے۔

Marfat.com

(76)

دشمن ساڈا انبر ظالم راکش کھاون ہارا
اکھیّں ہنجو پانی وتّے دل دا پتھر خارا

فرہنگ: انبر: آسمان۔ راکش: شیطان۔ ہنجو: آنسو۔ خارا: سخت پتھر۔

ترجمہ: آسمان ہمارا دشمن ہے کیونکہ وہ ظلم کرنے والا شیطان اور بدفطرت ہے۔ لوگوں کو کھاجانے والا ہے۔ ہماری آنکھوں سے پانی کی طرح آنسو بہہ رہے ہیں مگر اس ظالم آسمان کا دل سخت پتھر یعنی سنگ خارا کی مانند سخت ہے۔ اُسے ذرا ترس نہیں آتا۔

(77)

جو دھرتی گُل پھُل لالے لہہ لہہ کردی لالی
قطرے ظاہر ہوئے مویاں دے رت جواناں والی

فرہنگ: گُل: پھول۔ لہہ لہہ کردی: چمکتی ہوئی سرخی۔ رت: خون۔

ترجمہ: اس سرزمین پر لالے کے سرخ پھولوں کی لالی چمکتی ہوئی، دہکتی ہوئی سرخی دکھائی دے رہی ہے۔ وہ دراصل اُن جوانوں کا خون ہے جو سرخ قطرے بن کر پھولوں کے ذریعے ظاہر ہورہے ہیں۔ یعنی جوانوں نے اس دھرتی پر اپنا خون بہایا، قربانیاں دیں اور وہی خون اب لالے کے پھول میں سرخی بن کر جھلک رہا ہے۔ مرزا غالب کا شعر ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

(78)

کدے کرے سردار جہاں دا دے پوشا کی چٹی
کدے بناوے پھیر محمد گھمیاراں دی مٹی

فرہنگ: جہاں دا: لوگوں کا۔ پوشا کی: لباس۔ پھیر: دوبارا۔ مٹی: خاک۔ چٹی: سفید

ترجمہ: یہ دنیا عجیب وغریب اور ناقابل اعتبار ہے۔ کیونکہ یہ کسی شخص کو سفید اُجلا لباس عطا کر کے اُسے لوگوں کا سردار بنا دیتی ہے۔ اُسے عزت اور مرتبہ بخش دیتی ہے تو کبھی اُسے قتل کر کے یا مار کر مٹی میں دفن کر دیتی ہے اور اُس کا جسم ایک عرصے کے بعد مٹی بن کر مٹی میں

Marfat.com

ہی مل جاتا ہے۔ پھر اُسی مٹی سے کمہار برتن اور اینٹیں بناتے ہیں۔

(79)

دکھیئے دی گل دُکھیا سن دا سُکھیے دی گل سُکھیا
دُکھیا ہائے کرے تاں کولوں سُکھیا ہوندا دُکھیا

فرہنگ: دُکھیا: دکھی شخص۔ سُکھیا: خوش قسمت۔ ہائے ہائے کرے: آہیں بھرے۔

ترجمہ: اس شعر میں ایک حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ ایک غمزدہ شخص کی بات کو دوسرا غمزدہ شخص ہی توجہ سے سنتا ہے۔ اسی طرح خوش وخرم شخص کی بات خوشحال شخص ہی غور سے سنتا ہے۔ اگر کوئی دکھی اور غمزدہ شخص کسی خوشحال شخص کو اپنی رام کہانی سنائے تو وہ تنگ پڑ جاتا ہے اور اسکے عیش وآرام کے رنگ میں بھنگ گھُل جاتی ہے۔

(80)

لوئے لوئے بھرلے کڑیئے جے تدھ بھانڈا بھرنا
شام پئی بن شام محمد گھر جاندی نے ڈرنا

فرہنگ: لوئے: روشنی۔ تدھ: تم نے۔ بھانڈا: برتن۔ شام: مددگار۔ شام: وقت شام

ترجمہ: شاعر ایک نوجوان لڑکی کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہا ہے۔ اے لڑکی اگر تم نے اپنا برتن پانی سے بھرنا ہے تو روشنی روشنی میں ہی بھرلے۔ اگر شام ہوگئی اور راستے میں اندھیرا چھا گیا تو تم کسی مددگار کے بغیر گھر جاتے ہوئے خوف محسوس کرو گی۔ مقصد یہ ہے کہ اے نوجوان! جوانی میں ہی اللہ کی عبادت کرلے کیونکہ جب بڑھاپا آگیا تو نیک اعمال کے بغیر اگلے جہان جاتے ہوئے قبر کے عذاب سے ڈرو گے۔

(81)

دشمن مرے تے خوشی نہ کریئے سجناں وی مر جانا
ڈیگر تے دن گیا محمد اوڑک نوں ڈُب جانا

فرہنگ: سجناں: دوستوں سے ڈیگر: عصر۔ اوڑک: آخر کار۔

ترجمہ: لوگ دشمن کی موت پر خوشیاں مناتے اور ڈھول بجاتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن انہوں نے بھی موت کی آغوش میں جانا ہے۔ میاں صاحب اُن لوگوں کو

Marfat.com

مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ اے لوگو! اگر تمہارا کوئی جانی دشمن مرجائے تو اس کی موت کا بھی جشن نہ مناؤ۔ کیونکہ تم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ تم نے بھی ایک دن مرنا ہے۔ عصر کے وقت سورج مغرب میں چلا جاتا ہے اور بالآخر غروب ہو جاتا ہے۔ مطلب ہے اسی طرح تمہاری زندگی کا سورج بھی ایک دن غروب ہونا ہے۔

(82)

عاماں بے اخلاصاں اندر گل خاصاں دی کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کُتیاں اگے دھرنی

فرہنگ: عاماں: عوام۔ بے اخلاص: خودغرض۔ خاصاں: خاص لوگ۔ دھرنی: رکھنی۔

ترجمہ: اس شعر میں بھی پہلے شعر کی طرح دلیل ہے۔ اس شعر میں شاعر نے پہلے مصرع میں ایک دعویٰ کیا ہے اور دوسرے مصرع میں ثبوت یا دلیل پیش کی ہے۔ حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں کہ عام لوگ، خودغرض اور بے اخلاص ایسے ہوتے ہیں کہ ان لوگوں کے سامنے خاص لوگوں یعنی نیک لوگوں کی اعلیٰ بات کرنی ایسے ہی ہے جیسے میٹھی کھیر پکا کر کتوں کے آگے رکھ دی جائے۔ اوّل تو کتوں کے سامنے کھیر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ کسی ذلیل و رسوا شخص کی عزت کرنا۔ دوسرے یہ کہ کتے کو میٹھی کھیر ہضم نہیں ہوتی وہ فوراً قے کر دیتا ہے۔ یعنی عام اور گھٹیا لوگوں کو نیک اور اعلیٰ بات ہضم نہیں ہوتی۔ وہ فوراً اگل دیتے ہیں۔

(83)

مان نہ کریئے روپ گھنے دا وارث کون حُسن دا
سدا نہ رہسن شاخاں ہریاں سدا نہ پھُل چمن دا

فرہنگ: مان: غرور۔ روپ: حُسن۔ رہسن: رہیں گی۔ سدا: ہمیشہ۔

ترجمہ: حضرت میاں صاحب لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسین شخص کو اپنے حُسن پر غرور تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ کوئی بھی حسین شخص اپنے حُسن کا مالک اور وارث نہیں ہوتا۔ خداوند کریم حُسن دیتا ہے اور وہی حُسن واپس بھی لے لیتا ہے۔ اس لیے حُسن کا مالک کوئی شخص بھی نہیں ہے۔ درختوں کی شاخیں ہمیشہ سرسبز نہیں رہتیں اور نہ ہی چمن میں ہمیشہ پھول رہتے ہیں۔ وہ ایک دن اگر کھلتے ہیں تو دوسرے دن مرجھا جاتے ہیں۔ اسی طرح حُسن سدا ساتھ نہیں رہتا۔

Marfat.com

(84)

سدا نہیں ہتھ مہندی رتّے سدا نہ چھنکن ونگاں
سدا نہ چھوپے پا محمد رل مِل بہناں سنگاں

فرہنگ: سدا: ہمیشہ۔ ونگاں: چوڑیاں۔ چھوپے پانا: ایک برابر روئی لے کر چرخے کی مدد سے کاتنے کا مقابلہ کرنا۔ سنگاں: سہیلیاں۔

ترجمہ: یہ دنیا عارضی ہے۔ یہاں کی زندگی عارضی اور فانی ہے۔ کسی چیز کو ہمیشگی اور دوائمیت حاصل نہیں ہے۔ اسی بات کو حضرت میاں صاحب نے یوں بیان فرمایا کہ لڑکیوں کے نازک ہاتھوں پر ہمیشہ مہندی لگی نہیں رہتی۔ ایک دن مہندی کا رنگ اُتر جاتا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ چوڑیوں کی چھنکار قائم نہیں رہتی۔ لڑکیوں کو جوانی میں چوڑیاں پہننے کا شوق ہوتا ہے لیکن بڑھاپے میں یہ شوق رفو چکر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سہیلیاں مل کر ترنجن میں ہمیشہ چرخہ نہیں کاتتیں اور ہمیشہ مل جل کر نہیں بیٹھتیں۔ ایک نہ ایک دن ایک دوسرے سے بچھڑ جاتی ہیں۔

(85)

لکھ ہزار بہار حُسن دی اندر خاک سمانی
لا پریت محمد جس تھیں جگ وچ رہے کہانی

فرہنگ: خاک: مٹی۔ پریت: پیار۔ جگ: دنیا۔

ترجمہ: بے شک انسان کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو۔ ایک دن اُس کا حسن ڈھل جاتا ہے اور بالآخر قبر کی مٹی میں مل کر مٹی ہی بن جاتا ہے۔ اے محمد! ایسی محبت اختیار کر کہ پوری دنیا میں تیری محبت کی کہانی مشہور ہو جائے۔ ایسی محبت صرف اللہ سے ہی کی جا سکتی ہے۔

(86)

چُلھے وچوں لکڑ سڑدی سُٹے وچ چراں دے
کولا ہویا پھیر جلاوے آہرن زرگراں دے

فرہنگ: چراں: ویرانے۔ کولا: کوئلہ۔ آہرن: لوہے کا اوزار۔ زرگراں: سُنار

ترجمہ: چولھے میں لکڑی جلتی ہے اور جب وہ بُجھ جاتی ہے تو راکھ ہو جاتی ہے۔ وہ راکھ ویرانے میں بیکار پھینک دی جاتی ہے۔ اگر اس لکڑی کا کوئلہ بن جائے تو وہ سناروں کا آہرن

Marfat.com

گرم کرنے کے کام آجاتا ہے۔ جس پر وہ طرح طرح کے زیور تیار کر لیتے ہیں۔ مقصد ہے کہ مرنے کے بعد بھی نیک لوگوں کا فیض جاری رہتا ہے۔

(87)

جت ول ویکھاں درد النبے دُھواں دھار غباری

کِتے آرام نہ نظری آوے سڑدی دنیا ساری

فرہنگ: جت ول: جس طرف۔ النبے: شعلے۔ غباری: گردوغبار۔ سڑدی: جلتی ہے۔

ترجمہ: دنیا میں جس طرف بھی نظر اُٹھا کر دیکھو، ہر طرف لوگ درد اور دُکھ سے چیخ و پکار کرتے، غم و اندوہ کے دھوئیں میں لپٹے ہوئے اور گردوغبار میں اٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس دنیا میں ہر شخص غم و آلام، مصائب اور مشکلات کی آگ میں جل رہا ہے۔ کسی جگہ آرام اور سکون نظر نہیں آتا۔

(88)

بس میرا کجھ وس نہ چلدا کیہ تساڈا کھونا

لِسّے دا کیہ زور محمد نس جانا یا رونا

فرہنگ: وس: اختیار۔ کھونا: چھین لینا۔ لِسے: کمزور۔ نس جانا: بھاگ جانا۔

ترجمہ: میں کمزور اور ناتواں شخص ہوں میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں؟ تم بڑے لوگ بہادر اور دولت مند ہو۔ میں لاچار، بے اختیار اور کمزور انسان ہوں۔ کمزور انسان میں طاقت نہیں ہوتی۔ وہ مقابلہ کرنے کی بجائے میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے یا پھر رونا شروع کر دیتا ہے۔

(89)

نہ ملیئے تاں ملیئے ناہیں جے ملیئے تاں ہس کے

مٹھا بول اندر وڑ ملیئے عاشق دا دل کھس کے

فرہنگ: مٹھا بول: میٹھا لہجہ۔ کھس کے: چھین کر۔

ترجمہ: حضرت میاں صاحب نے اس شعر میں زندگی گزارنے کا زبردست گر یا اصول بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تمہارا کسی سے ملنے کو دل نہیں چاہتا تو بے شک نہ ملو۔ لیکن جب

Marfat.com

کبھی ملو تو ہنس ہنس کر ملو یعنی کھلے دل سے ملو اور میٹھے، شیریں لہجے میں بات کرو۔ پھر باتوں باتوں میں ہی اُس کا دل جیت لو۔ اس طرح تم اس کے اندر سما جاؤ گے۔

(90)

جے سو نوکر چاکر ہووے خدمت والا اگے
ہتھیں خدمت کریئے آپوں جاں سجن ہتھ لگے

فرہنگ: اگے: پہلے سے موجود ہو۔ آپوں: آپ۔ سجن: دوست، محبوب۔ ہتھ لگے: ملے۔

ترجمہ: اگر تمہارے پاس سینکڑوں نوکر چاکر موجود ہوں اور کوئی سجن دوست تمہارے گھر مہمان آجائے تو نوکروں چاکروں سے اُسکی تواضع اور خدمت کرانے سے بہتر ہے کہ تم خود اسکی خدمت کرو۔ مہمان نوازی کرو۔ اس طرح تمہاری طرف سے نیکی ہوگی، دوست کی زیادہ عزت افزائی ہوگی اور وہ تمہارا گرویدہ ہو جائے گا۔

(91)

جائز ہووے دوئے دے ہتھیں جے خدمت دلبر دی
بادشاہاں دے بدلے سبھو خلق نمازاں پڑھ دی

فرہنگ: جائز: درست۔ دوئے: دوسرے۔ دلبر: محبوب۔ خلق: مخلوق، رعایا۔

ترجمہ: اس شعر کا پہلے شعر سے تعلق ہے۔ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ اگر نوکروں چاکروں کے ذریعے سے محبوب کی مہمان نوازی اور خاطر داری جائز یا درست سمجھی جاتی تو بادشاہ کبھی نماز نہ پڑھتے۔ اُن کے بدلے اُن کی رعایا نمازیں پڑھ لیتی لیکن نماز بھی دلبر کی دلداری اور رضا جوئی ہے۔ اس لیے بادشاہ کو خود ہی نماز پڑھنا پڑتی ہے اور وہی قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح یاروں دوستوں کی خاطر داری اور خدمت بھی اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہیے۔

(92)

نیچاں دی اشنائی کولوں فیض کسے نہ پایا
کِکر تے انگور چڑھایا ہر گچھا زخمایا

فرہنگ: نیچاں: گھٹیا کمینے لوگ۔ اشنائی: دوستی۔ فیض: نیکی، فائدہ۔ زخمایا: زخمی کرلیا۔

ترجمہ: حضرت میاں محمد بخشؒ کا خیال ہے کہ جس طرح بچھو کی خصلت ڈنگ مارنا ہوتی ہے

Marfat.com

اُسی طرح بدخصلت، گھٹیا اور کمینے لوگوں سے کبھی کسی کو نیکی اور اچھائی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے ان سے نیکی اور بھلائی کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ ثبوت یہ ہے کہ اگر کیکر کے درخت پر انگور کی بیل چڑھا دی جائے تو کیکر کے کانٹے ہر ایک انگور میں چُبھ کر اُسے زخمی کر دیں گے۔

(93)

میں پاپی شرمندہ جھوٹھا بھریا نال گناہاں
ہکو آس تساڈے در دی نہ کوئی ہور پناہاں

فرہنگ: پاپی: گنہگار۔ ہکو: ایک ہی۔ آس: اُمید۔ پناہاں: امن کی جگہ۔

ترجمہ: میں بے حد گنہگار انسان ہوں اور اپنے ان گناہوں کی وجہ سے شرمسار ہوں۔ میں قدم قدم پر جھوٹ بولنے والا اور میرا بال بال گناہوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس قدر گناہوں کے باوجود مجھے صرف اور صرف خداوند کریم کے در سے اُمید ہے کہ وہ میرے سب گناہ بخش دے گا۔ اس کے علاوہ میرے لیے اور کوئی پناہ گاہ یا امن وسکون کی جگہ نہیں ہے۔

(94)

میں انّھاں تے تلکن رستہ کیونکر رہے سنبھالا
دھکے دیون والے بہُتے توں ہتھ پکڑن والا

فرہنگ: انھاں: اندھا۔ تلکن: پھسلن۔ کیونکر: کیسے۔ سنبھالا: سنبھل کر رہنا۔

ترجمہ: میں بینائی سے محروم ہوں اور راستے میں پھسلن ہے۔ میں کس طرح سنبھل کر کھڑا رہ سکتا ہوں۔ کیونکہ اس دنیا میں دھکے دینے والے بہت زیادہ لوگ ہیں اور میرا ہاتھ پکڑنے والا صرف اور صرف تو ہی ہے۔ یعنی اس دنیا میں جگہ جگہ برائیاں ہیں اور گناہوں کی کشش ہے۔ اس لیے نیک انسان کا قدم قدم پر پھسل جانا آسان ہے۔ گناہوں کی دعوت دینے والے بہت ہیں۔ مگر ان گناہوں سے بچانے والا صرف خدا ہے۔

(95)

دنیا داراں دے گھر دیندا بیٹے ولی الٰہی
ولیاں دے گھر پیدا کردا میرے وانگ گناہی

فرہنگ: ولی الٰہی: اللہ کے دوست۔ وانگ: مانند۔ گناہی: گنہگار۔

Marfat.com

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھو کہ وہ اپنی حکمت سے دنیا سے محبت رکھنے والے لوگوں کے گھر میں ولی اللہ پیدا کر دیتا ہے اور ولی اللہ کے گھر میرے جیسا گنہگار پیدا کر دیتا ہے۔ یہ میاں صاحب کی عاجزی وانکساری ہے۔

(96)

دلبر ماہی آوندا ناہیں جان پھسی وچ فکراں
پاٹی لیر پرانی وانگوں ٹنگ گئیوں وچ ککراں

فرہنگ: دلبر: محبوب۔ ماہی: محبوب چاند جیسا۔ پاٹی: پھٹی ہوئی۔ ٹنگ گئیوں: لٹکا گئے۔

ترجمہ: میرا محبوب جو چاند کی طرح حسین اور خوبصورت ہے وہ ایک عرصے سے میری طرف نہیں آیا۔ اس لیے دل میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں اور میری جان تفکرات میں اس طرح سے پھنسی ہوئی ہے جس طرح منتیں ماننے والے کیکر کے درخت کے کانٹوں میں پھٹی پرانی ٹاکی یا لیر پھنسا جاتے ہیں۔

(97)

ٹنڈاں بھر بھر پانی ڈوہلن وانگن دُکھیا نیناں
مڑ جاون جیوں ٹور بھراواں گھر ول جاون بھیناں

فرہنگ: ڈوہلن: گرائیں، مراد آنسو بہانا۔ نیناں: آنکھیں۔ ٹور: رخصت۔ بھراواں: بھائیوں کو۔

ترجمہ: کنواں جب چلتا ہے تو ٹنڈیں کنوئیں سے پانی بھر بھر کر مسلسل اوپر لاتی ہیں اور ایک چوڑی سی ٹرے میں گرا کر پھر کنوئیں میں واپس چلی جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح دکھی دل عاشق کی آنکھیں زاروقطار آنسو بہاتی ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جس طرح بہنیں اپنے بھائیوں کو رخصت کر کے گھروں کو واپس لوٹ جاتی ہیں۔

(98)

سوہے ہونٹ یاقوت کھرے تھیں کاریگر سنوارے
دند لباں وچ کچے آہے وچ شفق جیوں تارے

فرہنگ: سوہے: سرخ۔ کھرے: خالص۔ کچے: ڈھانپے۔ شفق: بادلوں کی سرخی۔

Marfat.com

ترجمہ: اُس محبوب کے ہونٹ سرخ تھے۔ جس طرح خالص اور کھرے یاقوت سرخ ہوتے ہیں۔ لگتا تھا کہ جیسے کسی ماہرکاری گر نے بڑی محنت اور محبت سے گھڑے ہوں۔ ان سُرخ ہونٹوں کے پیچھے سفید دانت اس طرح چھپے ہوئے تھے جس طرح سرخ بادلوں کے عقب میں ستارے چھپے ہوتے ہیں۔

(99)

جادوگر دو نین کُڑی دے وچ کجلے دی دھاری
صوفی ویکھ ہوون مستانے چھڈن شب بیداری

فرہنگ: کجلے: سرمہ۔ دھاری: لکیر۔ شب بیداری: راتوں کو جاگنا۔

ترجمہ: اُس لڑکی کی دونوں آنکھیں جادوگر کی طرح دیکھنے والے لوگوں پر جادو چلاتی تھیں۔ اُن آنکھوں میں کاجل کی دھاری لوگوں کو پاگل بناتی تھی۔ اُن آنکھوں کو دیکھ کر صوفی بن پیئے ہی مست اور دیوانے ہو جاتے تھے اور رات کو جاگ کر عبادت کرنا چھوڑ دیتے تھے۔

(100)

اُچّی لمی نازک گوری نرم چنبے دی ڈالی
ناز انداز تے آن کرشمہ صفت خداوند والی

فرہنگ: اُچی: اونچی۔ لمی: لمبی۔ چنبے: موتیا۔ آن: شان۔ کرشمہ: انوکھی۔

ترجمہ: وہ لڑکی بے حد نازک، گوری چٹی، اونچا قد اور لمبی تھی۔ اُس کا جسم موتیے کی شاخ کی طرح نرم و نازک تھا اور لچکیلا تھا۔ اس کے ناز و نخرے بہت زیادہ آن بان اور شان والے تھے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ وہ خداوند کریم کی قدرت کا ایک کرشمہ اور معجزہ تھی۔

(101)

کنڈل دار دو زلفاں سِر تے کالے ناگ ڈنگالے
ہر مینڈھی سر کڈھے جیونکر بشیر جیبھ نکالے

فرہنگ: کنڈل دار: گھنگھریالے بال۔ ڈنگالے: ڈنگ مارنے والے۔
مینڈھی: بل دار زلف۔ بشیر: اژدہا۔

ترجمہ: اُس دوشیزہ کی زلفیں بل دار اور گھنگھریالی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے ڈنگ مارنے

Marfat.com

والے کالے ناگ سر پر بٹھائے ہوئے ہوں۔ پھر بالوں کی مینڈھیاں ایسے گُندھی ہوئی تھیں جیسے اژدہا زبانیں نکالے بیٹھے ہوں اور ڈنگنے پر آمادہ ہوں۔

(102)

چاندی پیر تکے جد چاندی جاندی جان بچاندی
قدمیں ڈھیندی عرضاں کہندی سجدیوں سیس نہ چاندی

فرہنگ: چاندی: اک دھات۔ ڈھیندی: گرتی۔ سیس: سر۔ چاندی: اٹھاتی۔
تکے: دیکھے۔ قدمیں: قدموں میں۔ عرضاں کہندی: درخواست کرتی۔

ترجمہ: اس شعر میں میاں محمد بخش پری بدیع الجمال کا سراپا بیان کرتے ہوئے اس کے سفید پیروں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب چاندی اسے پاؤں اُٹھاتے ہوئے دیکھتی تو تڑپ اُٹھتی اور اپنی جان بچا کر بھاگ اُٹھتی تھی۔ پھر وہی چاندی پری کے پیروں میں گر کر انتہائی عاجزی انکساری کا اظہار کرتی سجدے میں گر پڑتی اور سجدے سے اپنا سر نہ اٹھاتی تھی۔

(103)

اُچی جائے نیوں لگایا بنی مصیبت بھاری
یاراں باجھ محمد بخشا کون کرے غمخواری

فرہنگ: جائے: جگہ۔ نیوں: محبت۔ باجھ: بغیر۔ غمخواری: ہمدردی۔

ترجمہ: میں نے اونچے اور بڑے لوگوں سے محبت کی ہے اس غلطی کے باعث میری جان مصیبت میں پھنس گئی ہے کیونکہ وہ لوگ مجھے اپنے قابل نہیں سمجھتے۔ ہمیشہ مجھ سے بے توجہی اور بے اعتنائی برتتے ہیں۔ اے محمد بخش! میری اس مصیبت کی گھڑی میں یاروں دوستوں کے بغیر کوئی مجھ سے ہمدردی نہیں کرسکتا۔

(104)

باغ بہاراں تے گلزاراں بن یاراں کس کاری
یار ملے دکھ جان ہزاراں شکر کراں لکھ واری

فرہنگ: گلزاراں: پھولوں کے باغات۔ کس کاری: کس کام کے۔ لکھ واری: لاکھوں مرتبہ

ترجمہ: باغوں کی بہاریں اور پھولوں کے باغات دوستوں کے ساتھ ہی اچھے لگتے ہیں۔

Marfat.com

دوستوں کے بغیر ایسی چیزیں تفریح اور راحت کی بجائے کاٹنے کو دوڑتی ہیں۔ پریشانی کے ان لمحات میں اگر یار دوست مل جائیں تو میں لاکھوں مرتبہ اللہ کا شکر ادا کروں۔

(105)

دنیا تے جو کم نہ آوے اوکھے سوکھے ویلے
اُس بے فیضے سنگی کولوں بہتر یار اکیلے

فرہنگ: اوکھے: مشکل۔ سوکھے: آرام۔ سنگی: ساتھی۔ بے فیضے: بے فائدہ۔

ترجمہ: دنیا میں انسان دوسرے انسان کا ہمدرد، مونس اور غمخوار ہے۔ انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ اگر کوئی انسان دوسرے انسان کے مشکل حالات میں اُس کے کام نہ آئے اور اس سے ہمدردی نہ جتائے تو ایسے بے درد دوست اور ساتھی سے انسان اکیلا ہی اچھا ہے۔

(106)

بادشاہاں نوں پچُھ ہووے گی مظلوماں دے حالوں
کہہ سی رب وڈیایا تینوں دے عزت اقبالوں

(107)

توں ڈاہڈا ایہہ لسّے کیتے تیرا شان ودھایا
کیوں توں عدل انصاف نہ کیتا باطل حق رلایا

(108)

ظالم دا تُدھ زور نہ بھنیا دس سزا قہر دی
لسّے دا ایرالا چھڈیوئی کر کے عجب نامردی

(109)

نفس کُتے دیاں عیشاں اندر غافل رہیوں نیائیوں
مظلوماں دِی خبر نہ لیتا ہلتیوں نہ اس جائیوں

Marfat.com

(110)

ایسے کارن سونپی تینوں چوکیداری جگ دی
چور خونامی مارن دھاڑے ہوڑیں نہ واہ لگدی

فرہنگ: وڈیایا: بڑا مرتبہ دیا۔ اقبالوں: خوش قسمتی۔ ڈاہڈا: زبردست۔ لِتّے: کمزور۔ باطل: جھوٹ۔ تدھ: تجھے۔ قہر: ظلم۔ اُپرالا: مدد۔ نامردی: بُزدلی۔ نیائیوں: انصاف۔ جائیوں: جگہ۔ کارن: سبب۔ چوکیداری: حفاظت۔ جگ: دنیا۔ خونامی: قاتل۔ دہاڑے: ڈاکے۔ ہوڑیں: روکنا۔ واہ: اختیار۔

ترجمہ: ان پانچوں اشعار کا آپس میں ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ کیونکہ ان میں ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے اس لیے ان کا ترجمہ ایک جگہ اکٹھا ہی بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت میاں صاحب بادشاہوں سے مخاطب ہوکر اُن کے فرائض سے غفلت برتنے کا انجام بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں بادشاہ اس دنیا میں عیش وعشرت کرنے نہیں آتے بلکہ اُن کے کچھ فرائض بھی ہوتے ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے فرائض کی بجا آوری میں ذرا بھی غفلت برتی تو قیامت کے روز اُن سے پوچھا جائیگا کہ تمہارے عہد میں غریبوں اور کمزوروں پر ظلم وستم کیوں ہوتے رہے؟ ہم نے تمہیں عزت، اقبال اور دولت وحکومت عطا کی اور تمہیں طاقتور بنایا۔ پھر تم نے غریبوں کے ساتھ عدل اور انصاف کیوں نہ کیا اور تم نے حق اور باطل میں فرق کیوں نہ کیا بلکہ سچے اور جھوٹے کو برابر کر دیا۔ سچے لوگوں کو ان کا حق کیوں نہ دلایا اور جھوٹے لوگوں کو سزا کیوں نہ دی۔ تم نے ظالموں کی طاقت کو کیوں نہ کچلا۔ ظلم کا گلا کیوں نہ دبایا۔ اب بتاؤ اس ناانصافی اور غفلت کی پاداش میں تمہیں کیا سزا دی جائے؟ تم نے ناانصافی اور بزدلی سے کام لیتے ہوئے کمزور لوگوں اور غربا کی طرف قطعاً دھیان نہ دیا۔ ان کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ ان سے غفلت برتتے ہوئے نفس امارہ کی غلامی کرتے ہوئے عیش وعشرت میں شب وروز مگن رہے۔ مظلوموں کی کوئی دادرسی نہ کی اور اپنی جگہ سے ذرا بھی چل کر غربا کے پاس نہ گئے بلکہ عیش وعشرت میں مصروف رہے۔ نہ ہی ان کی مدد کے لیے کوئی قدم اُٹھایا۔ مقصد یہ ہے کہ اگلے جہان میں بادشاہوں سے ضرور باز پرس ہوگی۔

Marfat.com

(111)

کھنگ لگی کف آئی جانو چڑھدی لہر اجل دی

تم ساہوں تم ساہ ہوئے نیں ترکھ کرے جند چل دی

فرہنگ: کھنگ: کھانسی۔ کف: تھوک بلغم۔ اجل: موت۔ ترکھ: تیزی۔ جند: زندگی۔

ترجمہ: جب کھانسی نہ رُکے بلغم اور تھوک مسلسل آتی رہے تو سمجھ لو کہ اب موت کی لہر کی چڑھائی شروع ہوگئی ہے۔ یعنی زندگی چند روزہ باقی رہ گئی ہے۔ کیونکہ یہ بڑھاپے کی علامات ہیں۔ اب سانسوں میں سے سانس کم باقی رہ گئے ہیں اور اب موت تیزی سے قریب آتی جارہی ہے۔

(112)

متھا گلہاں وانگ انگاراں اوپر بندی کالی

جیوں آتش پر ہرمل دانہ بدنظراں نوں ٹالی

فرہنگ: متھا: ماتھا۔ گلہاں: رخسار۔ انگاراں: شعلے۔ بندی کالی: کالا تل۔ ہرمل: خاص بیج۔

ترجمہ: اُس دوشیزہ کا ماتھا اور رخسار شعلوں کی طرح دہک رہے تھے یعنی بے حد سُرخ تھے۔ اُن دہکتے ہوئے رخساروں پر کالا تل یوں لگ رہا تھا جیسے آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں پر ہرمل کا دانہ رکھ دیا ہو۔ ہرمل کی دھونی نظر اُتارنے کے لیے یا بُری نظر سے بچانے کے لیے دی جاتی ہے۔ وہ سیاہ تل ہرمل کے دانے کا کام دے رہا تھا۔

(113)

نازک دیہی وچوں دِسن ناڑیں لہو رتیاں

دُریتیم وچوں جیوں دِسن پٹ دھاگے دیاں بتیاں

فرہنگ: دیہی: جسم۔ ناڑیں: رگیں۔ رتیاں: سُرخ۔ دُریتیم: قیمتی موتی۔ پٹ: ریشم

ترجمہ: اُس دوشیزہ کا نازک بدن شیشے کی طرح صاف وشفاف تھا کہ اُس کے جسم کی تمام سُرخ رگیں صاف دکھائی دیتی تھیں۔ جب وہ پانی پیتی تھی تو صراحی دار گردن میں سے پانی نیچے اُترتا نظر آتا تھا۔ جس طرح کسی شیشے جیسے قیمتی موتی کے آرپار نظر جاتی ہو۔ بالکل اسی طرح اُس کا بدن صاف وشفاف قیمتی موتی جیسا تھا اور اس میں سے رگیں یوں دکھائی دے

Marfat.com

رہی تھیں جس طرح ریشمی دھاگے کی بتیاں ہوں۔

(114)

نین نیناں نوں بھج بھج ملدے دوروں کر کر دھائی
نین نیناں دے دوست نالے نیناں نین قصائی

فرہنگ: نین: آنکھیں۔ بھج بھج: دوڑ دوڑ کر۔ دھائی: حملہ۔ قصائی: ظالم۔

ترجمہ: جو آنکھیں مدھ بھری اور مست ہوتی ہیں اُن سے آنکھیں دور سے بھاگ بھاگ کر ملتی ہیں۔ اُن سے محبت کرتی اور اُن پر جان نچھاور کرتی ہیں۔ سچی بات یہ ہے آنکھیں ہی آنکھوں کی دوست ہوتی ہیں اور آنکھیں ہی آنکھوں کی دشمن۔ آنکھیں ہی آنکھوں پر جان قربان کرتی ہیں اور آنکھیں ہی انسان کو قصائی کی مانند ذبح کر ڈالتی ہیں۔ اُسے کسی کام کا نہیں چھوڑتیں۔

(115)

روپ انوپ حسابوں باہر صفت نہ کیتی جاوے
اس دریا حُسن دے وچوں قطرہ چن وکھاوے

فرہنگ: روپ انوپ: حسن و جمال۔ صفت: تعریف۔ قطرہ: تھوڑا سا۔ چن: چاند۔

ترجمہ: اُس دوشیزہ کا حسن و جمال، گنتی اور شمار کی حدوں سے اس قدر باہر ہے کہ اُسکی ایک بھی صفت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ وہ حسن و جمال کا ایک دریا ہے اور آسمان پر چمکنے والا چاند اُس دریا کا ایک قطرہ ہے۔ اس شعر میں چاند سے تشبیہ دینا کمال ہے۔ چاند بھی گول اور قطرہ بھی گول ہوتا ہے۔

(116)

جے محبوب پیارا اک دن وسّے نال اساڈے
جاناں اج ہُما پکھیرو پھاتھا جال اساڈے

فرہنگ: وسّے: قیام کرے۔ جاناں: میں سمجھوں گا۔ ہُما: نایاب پرندہ۔ پھاتھا: پھانس لینا۔

ترجمہ: اگر وہ حسین و جمیل اور پیارا محبوب ایک دن آ کر ہمارے ساتھ قیام کرے تو میں سمجھوں گا کہ آج میں نے ہما پرندے کو اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔ ہُما ایک نایاب اور

Marfat.com

خیالی پرندہ ہے اور کہتے ہیں کہ وہ جس شخص کے سر پر بیٹھ جاتا ہے وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ محبوب کا ہمارے قریب آنا ہمارے لیے بادشاہت ملنے سے کم نہیں ہے۔

(117)

دلبر دے در جا نہ سکدے حوراں ملک اسمانی
کد مجال سلام کرن دی مثل کنگال اساڈے

فرہنگ: در: دروازہ۔ ملک: فرشتے۔ کد: کب۔ مجال: ہمت۔ کنگال: غریب۔

ترجمہ: اُس محبوب کے دروازے پر آسمان کے فرشتے اور بہشت کی حوریں بھی جانہیں سکتیں۔ یعنی وہ محبوب اس قدر جاہ وحشمت والا اور بلندو بالا ہے کہ آسمان کے فرشتوں کو بھی وہاں باریابی حاصل نہیں ہے۔ اگر یہ صورت حال ہے تو ہم جیسے بھوکے ننگوں، غریب وغربا اور کنگالوں کو اس محبوب کو سلام کرنے کی کہاں جرات ہوسکتی ہے۔

(118)

لپیں بکیں مٹی پاوَندے کردے ڈھیر اوچیرا
پڑھ درود گھراں نوں آوَندے فیر نہیں پاوَندے پھیرا

فرہنگ: لپیں بکیں: مُٹھی سے۔ اوچیرا: اونچا۔ فیر: دوبارہ۔ پھیرا: چکر۔

ترجمہ: مُردے کو قبر میں دفن کرنے کے بعد ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور مٹھیوں میں مٹی بھر بھر کر قبر کے ڈھیر کو اونچا کرتے ہیں۔ پھر دُرود پڑھتے ہیں لیکن جب گھروں کو لوٹتے ہیں تو دوبارہ کبھی قبرستان کا رُخ نہیں کرتے۔ کبھی فاتحہ درود پڑھنے کے لیے دوبارہ قبر پر نہیں جاتے۔

(119)

خش خش جتّا قدر نہ میرا صاحب نوں وڈیائیاں
میں گلیاں دا روڑا کوڑا محل چڑھایا سائیاں

فرہنگ: خشخش: خشخاش کا دانہ۔ جنا: جتنا۔ قدر: عزت۔ وڈیایا: عزت دی۔
رُوڑا کوڑا: کوڑا کرکٹ۔

ترجمہ: حضرت میاں صاحب حسب معمول اپنی عاجزی اور انکساری ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پیرومرشد کی عزت واحترام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں میری عزت خش

Marfat.com

خش کے معمولی سے دانے کے برابر بھی نہیں ہے۔ ساری عزت اور احترام میرے پیرومرشد کو حاصل ہے۔ میں تو گلی کوچوں کا روڑا کوڑا ہوں۔ مجھے عزت و احترام میرے پیرومرشد نے عطا کیا ہے۔ ورنہ میں کہاں اور محلات کی بلندیاں کہاں؟ میں تو اس قدر عزت توقیر کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

(120)

حسن جمال تیرا کس کاری عاشق سِکدا مری
جاں دیدے نابینے ہوئے پھر سُرمہ کیہ کری

فرہنگ: حسن جمال: خوبصورتی۔ کس کاری: کس کام کی۔ دیدے: آنکھیں۔ نابینے: نہ دیکھ سکنا۔

ترجمہ: اے محبوب! تم بے حد حسین وجمیل ہو لیکن تمہارا یہ حسن وخوبصورتی کس کام کی؟ جبکہ تمہارا عاشق تمہارے حسن کو دیکھنے کے لیے ترستا ہی مر جائیگا۔ جب آنکھ میں روشنی ہوتی ہے اُس وقت سرمہ ڈالنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ جب بینائی چلی جائے اور شخص اندھا ہو جائے تو پھر سرمہ آنکھوں میں ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ سرمہ بیکار جاتا ہے۔ اے محبوب! اگر تم اس وقت اپنے عاشق کو دیدار کراؤ گے تو اُس کے دل کو خوشی اور سکون حاصل ہوگا۔ اس کی موت کے بعد تمہارا دیدار بے فائدہ اور بیکار ہے:

نیم شب دیکھنے کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا آیا

(121)

جاں کھیتی دا ککھ نہ رہیا نہ سُکا نہ ہریا
کس کم دُھپ سُکاون والی کس کم بدل ورہیا

فرہنگ: ککھ: تنکا۔ سُکا: سوکھا۔ ہریا: سبز۔ دُھپ: دھوپ۔ بدل: بادل۔ ورہیا: برسا۔

ترجمہ: جب کھیت کا ایک تنکا بھی باقی نہ رہا اور سارے کا سارا کھیت سوکھ کر تباہ ہو گیا اور کوئی چیز سرسبز نہ رہی تو پھر فصلوں کو پکانے والی دھوپ چمکے یا فصلوں کو بالیدگی عطا کرنے والا بادل برسے۔ اس سے کھیت کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا جو سوکھ کر برباد ہو گیا۔

Marfat.com

(122)

سب خزانے ہتھ اوسے دے چا بخشے جس بھاوے
نفروں شاہ کرے تے شاہاں سفروں مشکل پاوے

فرہنگ: بھاوے: پسند کرے۔ نفروں: غلام سے۔ شاہ: بادشاہ۔ پاوے: ڈالے۔

ترجمہ: کائنات کے تمام خزانوں کا مالک ومختار اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جس پر مہربان ہوتا ہے، جس کو پسند کرتا ہے تمام خزانے بخش دیتا ہے۔ اُسی کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ وہ غلاموں کو بادشاہ بنا دیتا ہے اور بادشاہوں کو سفر کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(123)

دنیا اتے کون امن وچ ہر کوئی دکھیارا
بے وفا سنسار ہمیشہ ٹھگ بازاری بھارا

فرہنگ: امن: سکون شانتی۔ دکھیارا: دکھی۔ سنسار: دنیا۔ ٹھگ: فریبی۔

ترجمہ: دنیا دکھوں کا گھر ہے۔ یہاں کوئی بھی سکھی نہیں ہے۔ کوئی بھی سکون اور امن میں نہیں ہے۔ ہر شخص تکلیف اور ذہنی تناؤ کا شکار ہے۔ کیونکہ جو شخص اس دنیا سے دل لگاتا ہے، دنیا نے ہمیشہ اُسے دھوکہ اور فریب ہی دیا ہے۔ دنیا اور دنیا کے لوگ مکار، دھوکے باز اور ٹھگ ہیں۔

(124)

حرص مجازی شہوت بازی جس اندر وچ ہوندی
ہراک صورت اُجلی تک کے پئی طبیعت بھوندی

فرہنگ: حرص: ہوس۔ مجازی: دنیاوی۔ شہوت: خواہش جماع۔ اُجلی: گوری چٹی۔

ترجمہ: حضرت میاں صاحب نے دانشمندانہ بات کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دنیاوی خواہشات اور جنسی لذت کا حصول جس شخص کے دل میں ہوتا ہے وہ ہر گوری چٹی لڑکی کو دیکھ کر مچل اُٹھتا ہے اور اُس کے اردگرد چکر کاٹنے لگتا ہے۔ ایسے شخص کے دل میں سچی محبت قطعاً نہیں ہوتی۔ صرف حرص، ہوس اور شہوت ہوتی ہے

Marfat.com

(125)

کنڈے سخت گلاباں والے دُوروں ویکھ نہ ڈریئے
چوبھاں جھلیئے رت چوایئے جھول پھُلیں تد بھریئے

فرہنگ: کنڈے: کانٹے۔ چوبھاں: کانٹے چبھنا۔ جھلیئے: برداشت کرنا۔ رت: خون۔ چوایئے: ٹپکا کے۔ جھول: جھولی، دامن۔

ترجمہ: ہر گلاب کے پھول کے ساتھ یقیناً کانٹے ہوتے ہیں۔ اُن کانٹوں کو دور سے دیکھ کر بالکل نہیں ڈرنا چاہیے۔ جو کانٹوں سے ڈر جاتا ہے وہ پھول حاصل نہیں کرسکتا۔ لہٰذا جو شخص ہمت کر کے ہاتھ آگے بڑھاتا ہے، کانٹوں کی چبھن برداشت کرتا ہے اور اپنا خون ٹپکاتا ہے وہی پھولوں سے دامن بھرتا ہے اور کامیاب رہتا ہے۔

(126)

بنّے نال بنے جد اُلفت پیکے یاد نہ رہندے
دوئے جی اکٹھے ہوون خوشیاں کر کر بہندے

فرہنگ: بنّے: دولھا۔ الفت: محبت۔ پیکے: ماں باپ۔ دوئے جی: میاں بیوی۔ بہندے: بیٹھتے۔

ترجمہ: جب شادی ہوتی ہے تو دولھا اور دلہن ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔ ان کے مزاج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ دلہن چونکہ اپنا گھر چھوڑ کر نئے گھر آئی ہوتی ہے اس لیے اُسے اجنبی ماحول سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن جب دولھا اور دلہن میں محبت پیدا ہو جاتی ہے اور دلہن کو سسرال میں پیار اور محبت ملتی ہے تو وہ اپنے والدین اور میکے کو بھول جاتی ہے۔ دونوں میاں بیوی پیار و محبت سے اکٹھے مل کر بیٹھتے ہیں تو خوشبوؤں سے گھر بھر جاتا ہے۔

(127)

چڑیاں بازاں دا توں سائیں چڑیوں باز کہاویں
گوشت شینہاں سیّاں والا کیڑے پاء گھواویں

فرہنگ: باز: عقاب شاہین۔ سائیں: مالک۔ کہاویں: ذبح کرانا۔ شینہاں: شیروں۔

ترجمہ: اے اللہ! تو چڑیوں اور بازوں یعنی عقابوں کا مالک ہے۔ تو نے چڑیا کو کمزور اور عقاب کو طاقتور پیدا کیا ہے۔ اس لیے ہمیشہ عقاب ہی چڑیوں کا شکار کرتا ہے۔ لیکن اگر تو

Marfat.com

چاہے تو چڑیوں سے عقاب کو مروا دے اور چڑیاں عقاب کو شکار کرلیں۔ اسی طرح شیر اور اژدھا خطرناک جانور ہوتے ہیں۔ اگر تیری مرضی ہو تو ان شیروں اور اژدھوں کو چھوٹے چھوٹے کیڑے کھا جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ کی مرضی ہو تو کمزور کو طاقتور اور طاقتور کو کمزور بنا دیتا ہے۔

(128)

دنیا ڈاڈھی دُوتی دشمن دوکھی لوک فسادی
چیچی دا چا کاں بناون ہتھوں کجھ زیادی

فرہنگ: ڈاڈھی: سخت۔ دوتی: دشمن۔ دوکھی: دکھ دینے والے۔ کاں: کوا۔

ترجمہ: دنیا بے حد ظالم اور دشمن ہے۔ لوگ دکھ دینے والے اور جھگڑا فساد پیدا کرنے والے ہیں۔ وہ بات سے بتنگڑ بنا لیتے ہیں۔ ایک کالے پر سے کوا بنا لیتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اپنے پاس سے گھڑ لیتے ہیں۔ یعنی فساد پیدا کرنے کے لیے وہ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بتنگڑ اور چنگاری کو شعلہ اور آگ بنا دیتے ہیں۔

(129)

واہ وا گولی نازک ہولی پنجیں پھلّیں تولی
سوہنی صورت سُندر مورت ٹُردی ٹور ممولی

فرہنگ: گولی: کنیز۔ پھلّیں: پھولوں سے۔ تولی: تولنا۔ سندر مورت: خوبصورت تصویر۔ ممولی: ممولہ۔

ترجمہ: اُس کنیز کے کیا کہنے وہ اس قدر نازک بدن تھی کہ اُس کا وزن پانچ پھولوں کے برابر تھا۔ اس کی شکل بے حد خوبصورت، سندر اور سوہنی تھی کہ کسی اعلیٰ فنکار مصور کی بنائی ہوئی تصویر لگتی تھی اور اُس کی چال ممولے پرندے کی مانند سیدھی اور دلکش تھی۔

(130)

جاں معشوق پیارا لبھے راج رج لین کلاوے
اس نعمت دا قدر نہ جانن کوئی وِرلا مُل پاوے

فرہنگ: معشوق: جس سے عشق ہو۔ لبھے: مل جائے۔ کلاوے: بغل میں۔ قدر: مرتبہ۔ ورلا: کوئی کوئی۔

Marfat.com

ترجمہ: جب پیارا معشوق مل جاتا ہے تو اُسے بغل میں لے کر سینے سے لگاتے اور چٹھیاں ڈالتے ہیں۔ معشوق سے ملاقات ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کی قدر اور منزلت کوئی کوئی شخص جانتا ہے ہر بندہ نہیں جانتا۔

(131)

تینوں ہے مغروری چاہا ویکھن دے نہ اگا
ککڑ بانگ نماشاں دتی جانوں کُسن لگا

فرہنگ: مغروری: تکبر۔ اگا: آگے۔ ککڑ: مرغ۔ بانگ: اذان۔ کُسن: ذبح ہونا۔

ترجمہ: اس شعر میں ایک نصیحت اور ایک اخلاقی سبق موجود ہے کہ جو شخص تکبر اور غرور میں مبتلا ہوتا ہے اُسے خدا اور اگلا جہان یاد نہیں رہتا۔ تکبر میں وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ جو مرغ شام کے وقت اذان دیتا ہے۔ سمجھ لو کہ وہ جلد ذبح ہونے والا ہے۔ اسی طرح مغرور شخص جب انسانیت کی حد سے باہر نکل جاتا ہے تو بس سمجھ لیں کہ اس کی موت قریب ہے۔

(132)

پتھر نال ٹھکور نہ شیشہ کیہہ کر لیسیں کھٹّی
لَے لَے اگ نہ آ دھگانے داروگر دی ہٹی

فرہنگ: ٹھکور: ٹکرانا۔ کھٹی: کمائی۔ دھگانے: زبردستی۔ داروگر: بارود بنانے والا

ترجمہ: زندگی میں احتیاط لازم ہے۔ اس لیے پتھر کے ساتھ شیشہ نہ ٹکراؤ۔ اگر ذرا بے احتیاطی ہوگئی تو شیشہ چکنا چور ہو جائیگا۔ اسی طرح بارود سے چیزیں یا ہتھیار بنانے والے کے پاس آگ لے کر مت جاؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو ایک دن بارود پھٹ جائیگا اور سب کچھ جل کر بھسم ہو جائیگا۔ اس لیے خطروں کے کھلاڑیوں کو موت سے نہیں کھیلنا چاہیے ورنہ انجام موت ہی ہوگا۔ مطلب ہے خطرناک لوگوں اور مقامات سے پرہیز کرو۔

(133)

کیکر ہون قبول دعائیں وقت اجل دا آیا
ملک الموت محمد بخشا منتیں کس منایا

فرہنگ: کیکر: کیونکر۔ اجل: موت۔ ملک الموت: موت کا فرشتہ عزرائیل۔ منتیں: منتوں سے۔

Marfat.com

ترجمہ: عام مشاہدے کی بات ہے کہ لوگ ساری زندگی عیش وعشرت میں ڈوبے رہتے ہیں اور جب موت کو قریب آتے دیکھتے ہیں تو عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بخشش کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ اُس وقت دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ کیونکہ جب موت کا فرشتہ عزرائیل جان قبض کرنے کے لیے آ جاتا ہے تو اُسکی بے شک لاکھوں منتیں کرو وہ اپنا فرض نبھانے سے نہیں ٹلتا اور جان لے کر ہی جاتا ہے۔

(134)

کد کے تھیں مِٹ دی شاہا متھے دی لکھوائی
حق میرے وچ ایویں آہی لکھی قلم خدائی

فرہنگ: مٹ دی: مٹائی جاتی۔ متھے: پیشانی۔ ایویں: ایسے ہی۔ خدائی: اللہ کی۔

ترجمہ: جو کچھ انسان کی پیشانی پر روز ازل کو لکھ دیا جاتا ہے۔ زندگی میں وہی کچھ ہو کر رہتا ہے کوئی اُسے مٹا نہیں سکتا اور نہ ہی تبدیل کرنے کا مجاز ہے۔ اس لیے میرے حق میں اللہ تعالیٰ کی قلم نے اس کائنات کی تخلیق کے پہلے دن سے جو لکھ دیا ہے، وہی ہو کر رہے گا۔

(135)

امر اوہدے بن ککھ نہ ہلدا لکھ کرے کوئی زورے
آپ دئے توفیق چلن دی سمھو اُس دی ٹورے

فرہنگ: امر: حکم۔ بن: بغیر۔ ککھ: تنکا۔ توفیق: ہمت۔ ٹورے: چال۔

ترجمہ: بے شک کوئی لاکھ زور لگا لے یا لاکھ کوشش کر لے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک تنکا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ یعنی اس کائنات کے تمام کام اللہ کے حکم سے ہی انجام پاتے ہیں۔ اس لیے انسان کا فرض ہے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا کرے۔ جب انسان کچھ نہیں کر سکتا تو پھر اُسے چاہیے کہ اللہ کے راستے پر گامزن ہو جائے۔

(136)

اساں تساں مر جانا جیونکر توڑوں ہوندی آئی
دنیا تے رہ جاسی بیٹا بھلیاں دی بھلیائی

فرہنگ: اساں: ہم نے۔ تساں: تم نے۔ توڑوں: شروع سے۔ بھلیاں: نیکوں۔ بھلیائی: نیکی۔

Marfat.com

ترجمہ: ہم نے بھی مرجانا ہے اور تم نے بھی مرجانا ہے۔ شروع دن سے ایسی ہی رسم چلی آرہی ہے کہ جو بھی اس دنیا میں آتا ہے، بالآخر مرجاتا ہے۔ لیکن نیک لوگوں کے مرنے کے بعد اُن کی نیکیاں اس دنیا میں یادرہ جاتی ہیں۔

(137)

مردی کولوں رہندا جگ وچ مرداں سندا ناواں
مردی کردے مرد محمد دھن کہاون ماواں

فرہنگ: مردی: جوانمردی، بہادری۔ جگ: دنیا۔ سندا: کا۔ ناواں: نام۔ دھن: شاباش۔ واہ واہ

ترجمہ: بہادری، دلیری اور جوانمردی کے کارناموں کی وجہ سے ہی دنیا میں انسان کا نام زندہ رہتا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بہادری اور دلیری کا کام مرد کرتے ہیں مگر تعریف اُن کی ماؤں کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ دھن ہے وہ ماں جس نے اس سپوت کو جنم دیا۔

(138)

دانشمنداں دا کم ناہیں دنیا تے دل لانا
اس ووہٹی لکھ خاوند کیتے جو کیتا سو کھانا

فرہنگ: دانشمند: عقل مند۔ ووہٹی: دلہن۔ خاوند: خصم۔

ترجمہ: عقل مند لوگ کبھی بھی اس دنیا سے دل نہیں لگاتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ دنیا کبھی کسی سے وفا نہیں کرتی اور نہ ہی ہمیشہ ساتھ دیتی ہے۔ بلکہ یہ دنیا ایک ایسی دلہن کی مانند ہے جس کے لاکھوں خاوند ہوں۔ جس خاوند کے ساتھ شادی کرتی ہے، اُسی کو کھا جاتی ہے۔ فارسی کا مقولہ ہے۔ ایں عجوزہ را ہزار داماد است یعنی دنیا ایک ایسی بڑھیا ہے جس کے ہزاروں داماد ہیں۔

(139)

جس چھڈی ایہہ بچے کھانی سوئیو سگھڑ سیانا
ایسی ڈائن نال محمد کاہنوں عقد نبھانا

فرہنگ: چھڈی: چھوڑ دی۔ بچے کھانی: بچوں کو کھانے والی۔ سگھڑ: سلیقہ مند۔ عقد: نکاح۔

ترجمہ: یہ دنیا ایسی ماں ہے جو اپنے ہی بچوں کو کھا جاتی ہے۔ جس شخص نے اس دنیا کو

Marfat.com

چھوڑ دیا وہی سلیقہ مند، سمجھدار اور عقل مند ہے۔ اے محمد! ایسی ڈائن بیوی کے ساتھ کس طرح نکاح قائم رہ سکتا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ یہ دنیا بے وفا، دغا باز، مکار اور فریب کار ہے۔

(140)

نِت نویں ایہہ بن بن بہندی بڈھی مول نہ دِسدی
ہر اک سنگ کریندی گوشے نہیں اکی پر وسدی

فرہنگ: نت: ہمیشہ۔ نویں: نئی۔ بڈھی: بڑھیا۔ سنگ: ساتھ۔ گوشے: سرگوشیاں۔
اکی: ایک کے ساتھ

ترجمہ: یہ دنیا نئے نئے لباس پہنتی ہے اور نئی نویلی دلہن بن کر سج دھج کر بیٹھتی ہے۔ قطعاً بوڑھی نظر نہیں آتی۔ حالانکہ اس کائنات کی تخلیق کے وقت سے اس کا وجود ہے یعنی کروڑوں برس کی عمر رسیدہ ہے مگر بن سنور کر جوان بن جاتی ہے۔ ہر ایک شخص کا دل لبھاتی ہے۔ اس کے ساتھ آنکھ مٹکا کرتی ہے اور سرگوشیاں کرتی ہے۔ مگر نہ کبھی اُکتاتی ہے اور نہ کبھی کسی ایک کے ساتھ نباہ کرتی ہے۔

(141)

پکڑی جان عذاباں جیونکر بیلناں مونہہ کناں
آکھن رہو نہ رہاں محمد صبر پیا بن بھنا

فرہنگ: بیلناں: گنے پیلنے کی مشین۔ رہو: گنے کا رس۔ بن: بغیر۔

ترجمہ: میری جان عذابوں میں پکڑی اور جکڑی ہوئی ہے جس طرح بیلنے میں گنا پکڑا اور جکڑا ہوتا ہے۔ اس وقت گنے کے رس سے اگر کہو کہ رُک جائے تو وہ نہیں رکتا۔ جو گنا بیلنے میں آجاتا ہے اُس کا رس ضرور نکلتا ہے۔ اسی طرح اے محمد! میں بھی صبر کے بغیر زندگی کے بیلنے میں گنے کے رس کی طرح ٹوٹتا نچڑتا جا رہا ہوں۔

(142)

جے کوئی چاہے وانگ محمد سرگردان نہ ہووے
سوہنیاں دی اشنائیوں چُھپ کے بیٹھے نال امن دے

فرہنگ: وانگ: مانند۔ سرگرداں: پریشان، آوارہ۔ اشنائیوں: واقفیت۔ امن: سکون۔

Marfat.com

ترجمہ: اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ محمد بخش کی طرح پریشان نہ ہو اور آوارہ گرد اور بلاوجہ گھومنے والا نہ بنے تو اس کا بہترین حل یہ ہے کہ وہ خوبصورت محبوبوں سے واقفیت یا شناسائی پیدا نہ کرے بلکہ اُن سے چھپ کر امن وسکون اور شانتی سے زندگی کے دن گزارے۔

(143)

سدا نہ رسد بازاریں وِکسی، سدا نہ رونق شہراں
سدا نہ موج جوانی والی، سدا نہ ندئیں لہراں

فرہنگ: رسد: سامان، اشیاء۔ وکسی: بکنا۔ موج: لہر۔ ندئیں: ندی میں۔ لہراں: لہریں۔

ترجمہ: بازاروں میں کوئی سامان ہمیشہ نہیں بکتا۔ کبھی ختم بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے سبزیاں اور پھل موسم پر ہی ملتے ہیں۔ بغیر موسم کے بازاروں میں نہیں ملتے۔ بازاروں کی رونق بھی ہمیشہ نہیں رہتی۔ کبھی بازار اُجڑ جاتے ہیں اور ویران ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جوانی اور حُسن بھی ہمیشہ نہیں رہتے۔ ایک دن بڑھاپا اور بدصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ ندیوں میں بھی پانی ہمیشہ موجیں نہیں مارتا۔ کبھی سوکھ بھی جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز عارضی اور فانی ہے۔

(144)

سدا نہ تابش سورج والی جیونکر وقت دوپہراں
بے وفائی رسم محمد سدا ایہو وچ دہراں

فرہنگ: تابش: چمک دمک۔ جیونکر: جیسے۔ سدا: ہمیشہ۔ دہراں: زمانوں میں۔

ترجمہ: سورج دوپہر کے وقت چمکتا دمکتا ہے لیکن ہمیشہ ایسا نہیں رہتا۔ بلکہ سردیوں کے موسم میں سورج کی دھوپ مدھم پڑ جاتی ہے اور اس کی تپش کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب بادل چھا جاتے ہیں تو لوگ دھوپ کو ترستے ہیں۔ اے محمد! اس زمانے میں ہر طرف بے وفائی ہی بے وفائی ہے۔ کسی چیز کو قرار و وفا اور ہمیشگی حاصل نہیں ہے۔

(145)

سدا نہ لاٹ چراغاں والی سدا نہ سوز پتنگاں
سدا اُڈاراں نال قطاراں رہسن کد کُلنگاں

فرہنگ: لاٹ: شعلہ، روشنی۔ سوز: جلن۔ پتنگاں: پروانے۔ کلنگاں: کونجاں۔

Marfat.com

ترجمہ: چراغوں میں ہمیشہ جوت یا لاٹ یا روشنی نہیں رہتی اور نہ ہی ہمیشہ پروانے چراغوں پر جلتے ہیں۔ کبھی چراغ بھی بجھ جاتے ہیں اور کبھی پروانے چراغوں پر جان نچھاور کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ چراغ جلتے ہیں مگر ان پر کوئی پروانہ نہیں آتا۔ اسی طرح کونجیں بھی ہمیشہ قطاروں میں نہیں اُڑتیں۔

(146)

حسن مہمان نہیں گھر باری، کیہ اس دا فرمانا
راتیں لتھا آن ستوئی فجری کوچ بُلانا

فرہنگ: گھرباری: گھر باروالا۔ لتھا: سواری سے اُترا۔ ستوئی: سویا۔ فجری: صبح سویرے۔

ترجمہ: حسن کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ایسا مہمان ہے جس کا کوئی گھر بار نہیں ہے۔ اس کے بارے میں کیا بیان کریں اور کیا نہ کریں۔ صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مہمان رات کو سواری سے اُترا، ساری رات سوتا رہا اور صبح سویرے اُٹھ کر پھر رخصت ہو گیا۔ یعنی انسان کا حسن اور خوبصورتی عارضی اور فانی ہے جو کچھ عرصے بعد ڈھل جاتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے۔

(147)

سنگ دے ساتھی لدی جاندے اساں بھی ساتھ لدانا
ہتھ نہ آوے پھیر محمد، جاں ایہہ وقت وہانا

فرہنگ: سنگ: ساتھ۔ لدی: رخصت۔ وقت وہانا: گزرا ہوا وقت۔

ترجمہ: ہمارے ساتھی، دوست اور ساتھ کھیلنے والے اب ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک دن ہم نے بھی اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے۔ اے محمد! جو وقت گزر جاتا ہے وہ کبھی ہاتھ نہیں آتا اور نہ ہی لوٹ کر آتا ہے۔ اس لیے وقت کی قدر کرنا ضروری ہے۔

(148)

کجھ وساہ نہ ساہ آئے دا مان کیہا پھر کرنا
جس جثّے نوں چھنڈ چھنڈ رکھیں خاک اندر ونج دھرنا

فرہنگ: وساہ: اعتبار۔ ساہ: سانس۔ مان: فخر غرور۔ جثّے: جسم۔ چھنڈ: پالنا۔ خاک: مٹی۔

Marfat.com

ترجمہ: اس سانس کا کیا اعتبار، سانس آئے یا نہ آئے۔ اس لیے جس چیز پر اعتبار اور اختیار نہ ہو اُس پر فخر یا غرور کرنا بے معنی اور بیکار ہے۔ غرور تو اس بات پر ہوتا ہے جس پر انسان کو اختیار حاصل ہو۔ اس لیے اے نوجوان جس جسم کو تو پالتا ہے، پرورش کرتا ہے، خوب کھاتا اور ورزش کرتا ہے اور سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے۔ ایک دن یہ مٹی میں مل جائیگا کیونکہ موت پر کسی کا اختیار نہیں ہے۔

(149).

سورج دی اشنائیوں کیہ کجھ لدھا نیلوفر نوں
اُڈ اڈ موئے چکور محمد سار نہ یار قمر نوں

فرہنگ: اشنائیوں: دوستی سے۔ لدھا: حاصل ہوا۔ نیلوفر: سورج مکھی کا پھول۔
چکور: پرندہ۔ قمر: چاند۔

ترجمہ: سورج مکھی ایسا پھول ہے جو سورج سے محبت کرتا ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کا رخ مشرق کی طرف ہوتا ہے۔ پھر سورج کے ساتھ ساتھ اُس کا رخ بدلتا رہتا ہے۔ شام کے وقت اُس کا رخ مغرب کی جانب ہوتا ہے۔ پھر ایک دن پھول مرجھا کر گر جاتا ہے۔ اس کی پنکھڑیاں بکھر جاتی ہیں۔ اس محبت سے اُسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح چکور پرندہ چاند سے محبت کرتا ہے۔ جب چاند پوری تابانی سے چمکتا ہے تو چکور اس کی طرف پرواز کرتا ہے مگر راستے میں تھک کر گر جاتا ہے اور مر جاتا ہے۔ اُسے کچھ حاصل نہیں ہوتا حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں کہ محبت اپنے برابر والے سے ہی اچھی لگتی ہے۔

(150)

جے کوئی کوڑی قسم اُٹھاوے سو ایمان کھڑاندا
قسم کرا جو منّے ناہیں دین اوہدا بھی جاندا

فرہنگ: کوڑی: جھوٹی۔ کھڑاندا: گنوا دیتا ہے۔ قسم کرا: قسم اٹھوا کر۔ منے ناہیں: نہ مانے۔

ترجمہ: اگر کوئی شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے تو اس کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی سے یہ کہے کہ اگر تم قسم کھالو یا قران مجید اُٹھالو تو میں تم سے امانت واپس نہ مانگوں گا بلکہ معاف کر دوں گا۔ وہ شخص اگر قسم اُٹھوا کر بھی یقین نہ کرے تو پھر اس کا دین بھی خطرے میں

Marfat.com

پڑ جاتا ہے۔اُس کا ایمان بھی صحیح سلامت نہیں رہتا۔

(151)

مفت نعامت جس نوں لبھے اوہ نہ قدر پچھانے
مرمر کے ہتھ آوے جس نوں دائم قیمت جانے

فرہنگ: نعامت: نعمت۔لبھے: حاصل ہو۔قدر: عزت۔مرمر کے: سخت محنت کے بعد۔
دائم: ہمیشہ۔

ترجمہ: جس شخص کو گھر بیٹھے بٹھائے نعمت حاصل ہوجائے وہ نعمت کی قدرو منزلت نہیں جانتا کیونکہ اُسے محنت کیے بغیر ہی پھل مل جاتا ہے۔اس کے برعکس جو شخص سخت محنت اور مشقت کے بعد نعمت حاصل کرتا ہے اُسے ہمیشہ اس کی قدر اور قیمت یاد رہتی ہے۔

(152)

سیف الملوک ہو یا سُن حیراں بوہت اندیشہ کردا
سپ دا ڈنگیا آکھ محمد رسّے کولوں ڈردا

فرہنگ: اندیشہ: فکر۔سپ: سانپ۔ڈنگیا: ڈسا ہوا۔

ترجمہ: سیف الملوک شہزادے نے جب یہ بات سنی تو بہت حیران اور فکر مند ہوا۔اے محمد! یہ بات سچ ہے کہ سانپ کا ڈسا ہوا رسّے سے بھی ڈرتا ہے۔سیف الملوک کو پرانی تکالیف یاد آ گئیں اور وہ گھبرا گیا۔

(153)

کتنی واری توبہ بھنّی میں ہاں بے اعتبارا
پھر تیرے در توبہ کیتی بخشیں بخشن ہارا

فرہنگ: بے اعتبارا: ناقابل اعتبار۔در: دروازہ۔بخشن ہارا: بخشنے والا۔

ترجمہ: میں نے زندگی میں کئی مرتبہ اپنے گناہوں سے توبہ کی اور توڑ دی۔میں کس قدر ناقابل اعتبار شخص ہوں۔میرے اندر مستقل مزاجی کی کمی ہے۔اس لیے میں کسی بات پر قائم نہیں رہ سکتا۔توبہ کر کے توبہ توڑنے والا شخص بے حد گناہ گار ہوتا ہے۔یااللہ! میں نے پھر تیرے دروازے پر آکر توبہ کی ہے۔اے بخشنے والے مجھے بخش دے۔جس طرح تو سب

Marfat.com

گناہگاروں اور۔یاہ کاروں کو ہمیشہ بخش دیتا ہے۔

(154)

مان تران نہ زور نمانے نہ کجھ شیخی میری
ہکو پرنا تکیہ تیرا ہور نہیں دھر ڈھیری

فرہنگ: مان تران: فخر وغرور۔ زور: طاقت۔ نمانے: کمزور ناتواں۔ پرنا: آسرا۔
دھر: گھر۔ ڈھیری: سہارا۔

ترجمہ: میں بے حد کمزور ناتواں ہوں۔ مجھ میں کوئی زور یا طاقت نہیں ہے اور نہ ہی شیخی بگھارنے کا حوصلہ ہے۔ اے رب! صرف تمہارا ہی آسرا ہے اور تمہارے علاوہ نہ کوئی گھر، نہ ٹھکانہ، نہ ہی حوصلہ اور نہ کوئی جائیداد ہے۔

(155)

نہ کوئی ٹھنڈی چھاں پچھاواں ساڑے دُھپ قہر دی
باجھوں جل دے جلدی جلدی جلدی رت جگر دی

فرہنگ: پچھاواں: سایہ۔ قہر: زبردست ظلم۔ باجھوں: بغیر۔ جل: پانی۔ جلدی: جلتی ہے۔

ترجمہ: دُور دُور تک نہ کوئی ٹھنڈی چھاؤں اور نہ ہی کوئی سایہ دکھائی دیتا ہے۔ اوپر سے سخت تپش اور قہر کی دھوپ پڑ رہی ہے۔ پانی کے بغیر جگر کا خون بڑی تیزی سے جل رہا ہے۔ اس شعر میں جل دے، جلدی جلدی، جل دی کے الفاظ دیکھنے میں ایک جیسے لگتے ہیں مگر مختلف معنی رکھتے ہیں۔

(156)

پاڑ سُٹے پیراہن گل دے چہرہ ویکھ گلاباں
گل دے گل دے عرق سدائے رل گئے وچ آباں

فرہنگ: پیراہن: لباس۔ گل دے: گلے کے۔ گل دے: گل جانا۔ آباں: پانی

ترجمہ: اُس نے دیوانگی میں جسم پر پہنے ہوئے سارے کپڑے پھاڑ دیئے کیونکہ اُس نے گلاب جیسا چہرہ دیکھ لیا تھا۔ اُس چہرے کو دیکھتے ہی وہ دیوانہ ہو گیا۔ وہ عشق میں گھلنے اور گلنے لگا۔ یہاں تک کہ گھل گھل کر عرق بن گیا اور پانی میں مل گیا۔ کیونکہ عرق پانی میں حل ہو

Marfat.com

جاتا ہے۔

(157)

عدل کریں تاں تھر تھر کنبن اُچیاں شاناں والے
فضل کریں تے بخشے جاون میں جیہے منہ کالے

فرہنگ: عدل:انصاف۔ کنبن: کانپتے ہیں۔ شاناں:شان وشوکت۔
منہ کالے: بدقسمت گناہگار

ترجمہ: اے اللہ! تو عادل ہے قادر ہے، اگر تو پورا پورا انصاف کرے تو بڑے بڑے بادشاہ اور اونچی شان وشوکت رکھنے والے اپنے گناہ یاد کر کے تھر تھر کانپنے لگتے ہیں اور اگر تو اپنا فضل، رحمت اور کرم کرے تو پھر میرے جیسے بدقسمت اور گناہگار بھی بخشے جاتے ہیں۔

(158)

مٹھا ہاسہ ماسہ دند نہ کردی ننگے
صاف لمّی تے پتلی گوری گردن مثل کلنگے

فرہنگ: مٹھا: دھیما۔ ہاسہ: ہنسی۔ ماسہ ماسہ: ہلکا ہلکا۔ مثل: مانند۔ کلنگے: کونج۔

ترجمہ: وہ دوشیزہ دھیمے دھیمے، تھوڑا تھوڑا، ہلکا ہلکا ہنستی تھی۔ یہاں تک کہ اُسکے دانت بھی دکھائی نہ دیتے تھے۔ اس کا قد سرو کی مانند لمبا، گورا سفید بدن، صاف ستھرا حسین چہرہ اور کونج کی طرح لمبی گردن تھی۔

(159)

فضل تیرے نے یارب مینوں آن پہنچایا اتھے
ورنہ قدر کیا سی میری میں کتھے توں کتھے

فرہنگ: فضل: کرم۔ قدر: عزت۔ کتھے: کہاں۔

ترجمہ: اے مولا کریم! تو نے مجھ پر اپنا خاص فضل وکرم فرمایا تو میں اس مقام پر فائز ہوا ہوں کہ مجھے میرے محبوب سے ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا ہے۔ ورنہ میں ایک معمولی سا شخص جس کی کوئی بساط یا حیثیت نہیں، میں کہاں محبوب تک پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ محبوب کہاں اور میں کہاں، دونوں کے درمیان بہت فاصلہ اور تفاوت ہے۔

Marfat.com

(160)

مٹی وچ رل مٹی ہوئے ہڈیاں ماس اُنہاں دے
ہتھ لایاں سن میلے ہوندے نازک بدن جنہاں دے

فرہنگ: رل: مل کر۔ ماس: گوشت۔ نازک: دبلے پتلے خوبصورت۔

ترجمہ: جو لوگ اس قدر خوبصورت اور نرم و نازک بدن کے مالک تھے کہ ہاتھ لگائے میلے ہوتے۔ لوگ اُن کو چھونے سے ڈرتے اور وہ لوگوں کے قریب نہ جاتے تھے۔ لیکن جب وہ مر گئے اور ان کو مٹی میں دفن کر دیا تو وہ مٹی میں مل کر مٹی بن گئے۔ اُن کی ہڈیوں اور گوشت کو مٹی اس طرح کھا گئی جس طرح ان کا کبھی وجود ہی نہ تھا۔

(161)

بہتی خوشی غم برابر اس وچ جھوٹ نہ جانی
سُک جاندے اوہ رُکھ محمد جنہاں نوں بہتا پانی

فرہنگ: جانی: سمجھنا۔ سُک: سوکھ۔ رُکھ: درخت۔

ترجمہ: حضرت میاں صاحب نے کیا خوبصورت بات کہی ہے کہ ہر ایک چیز اعتدال اور حد کے اندر ہی اچھی لگتی ہے۔ جو چیز حد اعتدال سے گزر جاتی ہے وہ ثواب کی بجائے عذاب بن جاتی ہے۔ اس لیے خوشی بھی ایک حد کے اندر رہ کر منانی چاہیے۔ حد سے نکل کر وہ دل کے دورہ کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لیے میاں صاحب فرماتے ہیں کہ زیادہ خوشی منانا غم کے برابر ہوتا ہے۔ یہ بات بالکل سچ ہے۔ اس میں قطعاً جھوٹ نہیں ہے۔ اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ جن پودوں کو زیادہ پانی دیا جاتا ہے وہ جلد ہی سوکھ جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ہر چیز میں اعتدال کی ضرورت ہے۔

(162)

روگاں وچوں روگ ہے ڈاہڈا جس دا نام غریبی
کنڈ دے کے لنگھ جاندے نیں رشتے دار قریبی

فرہنگ: روگ: دکھ۔ ڈاہڈا: زبردست۔ کنڈ: پیچھا۔ لنگھ: گزر جاتے ہیں۔

ترجمہ: تمام دکھوں، غموں اور بیماریوں میں سب سے بڑھ کر جو روگ، دکھ اور بیماری ہے

Marfat.com

اُسے غربت کا نام دیا جاتا ہے۔غربت کے روگ کے مریض کو کوئی نہیں پوچھتا۔ یہاں تک کہ قریبی رشتے دار بھی رُخ موڑ کر پاس سے گزر جاتے ہیں کہ کہیں اُن سے وہ غریب شخص کچھ مانگ نہ لے۔

(163)

مردی واری ڈراؤنا بنیا ڈردے ہتھ نہیں کردے
جنہاںؑ واسطے پاپ کمایا کتھے نی ہُن گھر دے

فرہنگ: مردی واری: مرتے وقت۔ پاپ: گناہ۔ کمایا: کیا۔ کتھے: کہاں۔

ترجمہ: انسان جب مر جاتا ہے اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے تو اُس کے چہرے کی ہیبت سے گھر کے سب افراد ڈرنے لگتے ہیں۔قریب جاتے اور ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔جس اولاد کے لیے وہ زندگی میں ہیرا پھیری، رشوت خوری، دھوکہ فریب کرتا رہا اب وہ پاس نہیں پھٹکتے اور ڈرتے ہاتھ نہیں لگاتے۔

(164)

جیہڑے تونبے گڑھتی دیندے اُسے تونبے پانی
جیہڑے آون میل محمد اوہی آون مکانی

فرہنگ: تونبے: روئی کا گالا۔ گڑھتی: نومولود کو شہد چٹانا۔ میل: باراتی۔
مکانی: موت پر افسوس کرنے والا۔

ترجمہ: حضرت میاں صاحب نے کتنی خوبصورت اور طویل بات کو ایک ہی شعر میں سمو دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو کسی سُگھڑ سیانے سے اُسے گڑھتی دلائی جاتی ہے۔ وہ شخص روئی کا چھوٹا سا گالا لے کر شہد میں ڈبوتا ہے اور اُسے بچے کے منہ میں ٹپکاتا ہے۔یوں روئی کے گالے سے زندگی ملتی ہے۔پھر اُس روئی کے گالے سے مرنے والے شخص کے حلق میں پانی کے قطرے ٹپکائے جاتے ہیں اور وہی روئی کا گالا موت کا پیغام بن جاتا ہے۔اسی طرح جب کسی شخص کی شادی ہوتی ہے۔تو اس کے رشتے دار میل یعنی بارات بن کر آتے ہیں اور جب وہی شخص مر جاتا ہے تو وہی رشتے دار موت پر افسوس کرنے اور کفن دفن کرنے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

(165)

اکو آس خداوند تیری ہور نہیں کجھ سجھدا
جس دیوے نوں آپے بالیں کد کسے تھیں بجھدا

فرہنگ: آس: اُمید۔ سجھدا: سمجھ نہیں آتا۔ دیوے: چراغ۔ بجھدا: بجھتا۔

ترجمہ: اے میرے خداوند کریم! مجھے اس جہان میں صرف تیرے در کی آس اور اُمید ہے۔ تیرے علاوہ اور کوئی دوسرا دروازہ دکھائی نہیں دیتا، جہاں جا کر میں دعا کروں اور میری امید و آس پوری ہو جائے۔ جس چراغ کو خداوند کریم آپ روشن کرتا ہے وہ چراغ کبھی بھی کسی سے نہیں بجھتا۔

(166)

ساری عمر میں آٹا گنھیا لکھاں کیتے پیڑے
گئی جوانی ہتھ نہ آوے کوئی نہ آندا نیڑے

فرہنگ: گنھیا: گوندھا۔ پیڑے: آٹے کے پیڑے۔ آندا: آتا ہے۔ نیڑے: نزدیک۔

ترجمہ: میں ساری عمر آٹا گوندھتی رہی۔ اپنے خاوند اور بچوں کے لیے آٹے کے پیڑے بنا کر روٹیاں پکا کر اُن کو کھلاتی رہی۔ اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں، جوانی گزر چکی ہے۔ کام کاج سے رہ گئی ہوں اور خود اُٹھ کر چل پھر بھی نہیں سکتی۔ اب اپنے بچوں کو مدد کے لیے پکارتی ہوں تو کوئی بھی میرے نزدیک نہیں آتا، میری مدد نہیں کرتا۔ میں کس قدر بدقسمت اور لاچار ہوں۔

(167)

اصلاں نال جے نیکی کریئے عمراں نہیں گواندے
بے اصلاں نال نیکی کریئے کوڈی مُل نہ پاندے

فرہنگ: اصلاں: خاندانی لوگ۔ عمراں: ساری عمر۔ بے اصلاں: کمینے، گھٹیا لوگ۔ کوڈی: معمولی۔

ترجمہ: اگر کسی خاندانی شریف آدمی سے زندگی میں کوئی نیکی کرو تو وہ ساری عمر نہیں بھولتا۔ بلکہ کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں اُس کا بدلہ اُتار دے۔ لیکن اس کے برعکس اگر کمینے، گھٹیا اور بدمعاش لوگوں سے نیکی کرو تو وہ اُسکی معمولی سے معمولی قدر بھی نہیں کرتے۔

Marfat.com

(168)

چپ کریں تاں موتی مِلسن صبر کریں تاں ہیرے
پاگلاں وانگوں رولا پاویں نہ موتی نہ ہیرے

فرہنگ: چپ: خاموشی۔ وانگ: مانند۔ پاگلاں: سودائیاں۔

ترجمہ: عمدہ زندگی گزارنے کا کس قدر سنہری اصول ہے کہ اگر تم خاموش رہو اور بیہودہ بکواس نہ کرو تو تمہیں موتی ملیں گے۔ خاموشی کے ساتھ اگر صبر و تحمل سے کام لو گے تو موتیوں کے ساتھ ہیرے بھی پاؤ گے۔ اس کے برعکس اگر تم پاگلوں اور سودائیوں کی طرح شور مچاؤ گے تو تمہیں نہ موتی ملیں گے نہ ہی ہیرے حاصل کر سکو گے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر جگہ بے موقع بولنا اور بلاوجہ بولنا عیب سمجھا جاتا ہے۔

(169)

جس گھر ساری عمر گزاری اک رات نہ ملیا رہنا
کجھ دن تینوں یاد کرن گے مڑ نام کسے نہیں لینا

فرہنگ: رہنا: رکنا۔ مڑ: دوبارہ۔

ترجمہ: جس گھر میں بندہ ساری عمر گزارتا ہے۔ جب وہ مر جاتا ہے تو گھر والے اُسے ایک رات بھی گھر میں رکھنے کو تیار نہیں ہوتے۔ شور مچا دیتے ہیں کہ جلدی دفن کرو۔ پھر جلدی جلدی قبرستان لے جا کر دفن کر دیتے ہیں۔ موت کے بعد صرف چند دن گھر والے اُسے یاد کرتے ہیں، ختم درود دلاتے ہیں اور پھر ہمیشہ کے لیے بھول جاتے ہیں۔

(170)

جو کیتا سو بھُلیاں کیتا سر پر میں تقصیری
بدبختاں دے کم کمائے کر کے ویس فقیری

فرہنگ: بھُلیاں: بھول کر۔ تقصیری: غلطی۔ بدبختاں: بدقسمت۔ ویس: لباس۔

ترجمہ: میں نے جس قدر زندگی میں غلطیاں کیں یا غلط کام کیے اور گناہ کیے، سب بھول کر کیے۔ یعنی مجھ سے انجانے میں سرزد ہو گئے اور میں گنہگار، پُر تقصیر بندہ بن گیا۔ میں نے فقیرانہ لباس پہن کر بُرے لوگوں جیسے کام کیے۔ اب مجھے اپنے اس فعل پر ندامت ہے،

Marfat.com

شرمندگی ہے کہ میں درویش اور صوفی کے لباس میں بدبختوں کی طرح گناہوں کے کام کرتا رہا۔ اے اللہ مجھے معاف فرما دے۔

(171)

صفتاں تے تعریفاں کہیاں دانشمنداں بھلیاں
ہرگز خطا نہ کھایئے کدھروں کہے جنہاں دے چلیاں

فرہنگ: صفتاں: خوبیاں۔ دانشمند: عقل مند۔ بھلیاں: نیک۔ خطا: غلطی۔

ترجمہ: عقل مند لوگوں نے اپنے تجربات کی بنا پر بڑی اچھی اچھی باتیں کی ہیں۔ اگر عام لوگ اُن کی باتوں اور نصیحتوں پر عمل کریں تو زندگی میں کبھی نقصان نہ اٹھائیں۔ انسان نقصان اُس وقت اٹھاتا ہے جب بزرگوں کی نصیحت کے خلاف اپنی مرضی سے کام کرتا ہے۔

(172)

دِھیے قہر قیامت چائیں کیہ تدُھ پھڑیا چتاّ
کریں سنبھالا مونہہ سڑے گا چٹ نہ لوہا تتا

فرہنگ: دِھیے: اے بیٹی۔ چائیں: اٹھائیں۔ چتا: طریقہ۔ لوہا تتا: گرم لوہا۔

ترجمہ: اے میری بیٹی! تم نے کیوں شور مچا رکھا ہے۔ کیوں قیامت سر پر اُٹھا رکھی ہے؟ تم نے کیا طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔ میں جو تم سے کہتی ہوں تم اُس کے اُلٹ کرتی ہو۔ جس راستے سے تمہیں موڑتی ہوں تم اسی راستے پر چلتی ہو۔ اگر کامیاب زندگی گزارنا چاہتی ہے تو میری باتوں اور نصیحتوں پر عمل کر، ورنہ نقصان اٹھائے گی۔ اب تم گرم لوہا زبان سے چاٹ رہی ہو۔ کچھ ہوش کے ناخن لو، کیا کر رہی ہو۔ ایسا کرنے سے تیری زبان جل جائیگی۔ مقصد یہ ہے کہ جو اولاد والدین کو بیوقوف سمجھتی ہے اور اپنی عقل کے مطابق زندگی گزارتی ہے وہ ہمیشہ گھاٹے اور نقصان میں رہتی ہے۔

☆

Marfat.com

کتابیات

☆ آرزو چودھری، ادب کی چھاؤں میں

☆ آل احمد سرور، ادب اور نظریہ

☆ اختر شیرانی، اختر ستان

☆ امام ابوبکر بن ابواسحٰق، تصرف اردو ترجمہ: پیر محمد حسن

☆ حضرت سلطان باہو، ابیات باہو، مرتب: سلطان الطاف علی

☆ حضرت علی ہجویری، کشف المحجوب

☆ حضرت میاں محمد بخش، سیف الملوک

☆ حضرت میاں محمد بخش، قصہ سوہنی مہینوال

☆ حضرت میاں محمد بخش، قصہ شیریں فرہاد

☆ حضرت میاں محمد بخش، مثنوی نیرنگ عشق

☆ حضرت میاں محمد بخش، مرزا صاحباں

☆ حضرت میاں محمد بخش، ہدایت المسلمین، تقریظ: منشی قائم الدین

☆ ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد، حضرت نوشہ گنج بخش احوال و آثار

☆ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، کلیات بلھے شاہ

☆ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، کافیاں مادھو لال حسین

☆ ڈاکٹر میر ولی الدین، رموز عشق

☆ رسالہ تہذیب، مظفر آباد، آزاد کشمیر

☆ رسالہ وارث شاہ، میاں محمد نمبر، ملتان

☆ رئیس احمد جعفری، اقبال اور عشق رسول ﷺ

☆ زیبا قریشی، حضرت میاں محمد بخش تے اوہناں دا پیغام (مقالہ برائے ایم-اے)

☆ سر عبدالصمد، شاعر انسانیت

☆ سراج الاخبار، جہلم فروری 1907ء

Marfat.com

☆ سید بلھے شاہ، کلام بلھے شاہ، مرتب: ڈاکٹر انعام الحق جاوید

☆ سید رسول رسا، دیوان عبدالرحمٰن بابا (پشتو)

☆ علامہ محمد اقبال، بال جبرئیل

☆ محمد انجم الغنی خاں، بحر الفصاحت

☆ محمد خلیل اللہ، رحمٰن پوھنہ (پشتو)

☆ محی الدین بادشاہ قادری، مفتاح الحقائق فی کشف الدقائق (عربی)

☆ مرزا غالب، دیوان غالب

☆ ملا غنیمت کنجاہی، مثنوی نیرنگ عشق

☆ ملک محمد، بوستان قلندری، اردو ترجمہ، تذکرہ مقیمی، تصنیف: میاں محمد بخش

☆ مولا بخش کشتہ، پنجابی شاعراں دا تذکرہ

☆ مولانا جلال الدین رومی، مثنوی و معنوی

☆ میاں محمد سکندر، عارف کھڑی

☆ نظامی گنجوی، خسرو شریں

☆ ہاشم شاہ، ککارے مرتب ڈاکٹر فقیر محمد فقیر

☆ یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف

☆ Encyclopedia of Britanica

☆ Hudson, An International to the Study of Literature.

Marfat.com

احوال و آثار

Marfat.com